بسم اللہ الرحمن الرحیم
سید التفاسیر
المعروف بہ
تفسیر اشرفی
شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

سید التفاسیر
المعروف بہ
تفسیر اشرفی
جلد چہارم
واعلموا ۱۰ — یعتذرون ۱۱ — وما من دابۃ ۱۲
شیخ الاسلام والمسلمین
حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد چہارم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کور ڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یوایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

اجازت نامہ، طباعت و اشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی (کامل)

فہرست

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیر اشرفی کی اس جلد چہارم کے متنِ تفسیر میں ۹،۹۳،۸۹۳ (نولاکھ، تیرانوے ہزار، آٹھ سو تیرانوے)
حروف --- ۱،۰۹،۵۹۰ (ایک لاکھ، نو ہزار، پانچ سو نوے) الفاظ --- ۸،۴۳۴
(آٹھ ہزار، چار سو چونتیس) سطریں --- اور ۳،۵۸۸ (تین ہزار، پانچ سو اٹھاسی) پیراگراف
شامل ہیں --- کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے،
تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں --- ﴿ادارہ﴾

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ـــ اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

تمام تعریفیں اسی پاک پروردگار اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ایمان کی دولت بخشنے کے لیے اپنے پیارے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کے وسیلے سے قرآن وسنت کا عظیم خزانہ ہمیں عطا ہوا۔ ہماری کامیابی کا راز قرآن وسنت پر عمل کرنے اور ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے ہی میں مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی کتاب اور اپنے پیارے نبی ﷺ کی سنتوں کی ترویج واشاعت کی توفیق مرحمت فرماتا رہے جس کے ذریعے ہم دین حق کی سربلندی اور دلوں میں حب مصطفی ﷺ کی شمع روشن کرنے اور رکھنے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ ﴿امین﴾

الحمدللہ! سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی کی جلد چہارم حاضر خدمت ہے، جبکہ ۲۱ویں پارے تک تفسیر مکمل ہو چکی ہے جو انشاء اللہ جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔ مفسر محترم حضور شیخ الاسلام والمسلمین جس محنت اور جانفشانی سے اس تفسیری کام کو انجام دے رہے ہیں، اردو بولنے والے مسلمان ان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے، وہ اس احسانِ عظیم کو تا دیر یاد رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضور مفسر محترم کی عمر اور صحت میں برکت عطا ہو اور تفسیری کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ ﴿امین﴾

ہمیشہ کی طرح تمام اصحاب اس دفعہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جن کا ذکر ہر مرتبہ کیا جاتا رہتا ہے۔ ہم شکر گزار ہیں ﴿ڈیوز بری، انگلینڈ﴾ کے امتیاز امین صاحب اور افروز صاحب کے جن کی کوششوں سے اس کتاب کے پھیلاؤ میں مدد ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اصحاب وافراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اِس ادارے کو دین اسلام کی بیش از بیش خدمت کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ امین! بِجَاهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ﴾

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

۱۲ ربیع اول ۱۴۳۳ھ ـــ بمطابق ـــ ۵ فروری ۲۰۱۲ء

﴿۱۰﴾

وَاعْلَمُوْٓا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بحمدہ تعالیٰ آج بتاریخ

۷؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲۳؍جنوری ۲۰۱۰ء

بروز شنبہ دسویں پارہ کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسکی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے

امین

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد میں جب مسلمان فتح یاب ہوجائیں، تو میدانِ جنگ میں کفار کا جو مال، اسباب اور ہتھیار وغیرہ ہاتھ آئیں، وہ مالِ غنیمت ہے۔ سو اب جہاد کے حکم کے بعد، اللہ تعالیٰ مالِ غنیمت کے احکام بیان فرما رہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ صاف صاف لفظوں۔۔۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جانو کہ جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کیا تم نے، تو اللہ کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کا،

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ

اور ان کے قرابت مندوں کا اور یتیموں کا، اور مسکینوں کا اور مسافروں کا۔ اگر مان گئے ہو

بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ

اللہ کو، اور جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر چھٹائی کے دن، جس دن دونوں فریق میں جنگ کی مڈبھیڑ ہوئی،

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اور) واضح انداز میں ارشاد فرما رہا ہے، کہ اے ایمان والو! (جانو کہ جو کچھ) کافروں سے غالب ہوکر (مالِ غنیمت حاصل کیا) ہے (تم نے، تو) اس میں (اللہ) تعالیٰ (کا پانچواں حصہ ہے اور) اُسی پانچویں میں (رسول کا) حصہ ہے۔ (اور) مزید برآں اُسی میں (ان کے قرابت مندوں) یعنی بنی ہاشم اور بنو المطلب، جس میں 'بنو شمس و بنو نوفل' شامل نہیں، (کا) بھی حصہ ہے، (اور) اُسی میں مسلمانوں کے (یتیموں) جو فقیر و محتاج ہوں، (کا) بھی حصہ ہے۔ (اور) اِسی طرح اُس میں مسلمان (مسکینوں)، فقیروں اور محتاجوں (کا) بھی حصہ ہے۔ (اور) ساتھ ہی ساتھ، اُسی میں مسلمان (مسافروں کا)، یا ان لوگوں کے لیے بھی جو مسلمانوں کے یہاں اُتریں، حصہ ہے۔

سب علماء اس بات پر متفق ہیں، کہ مذکورہ بالا آیت میں خدا کا ذکر برکت اور تعظیم کے واسطے ہے، اور غنیمت میں چار حصے قتال کرنے والوں کے واسطے ہیں، اور پانچواں حصہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوکر، رسولِ مقبول ﷺ اور چاروں گروہوں کے واسطے ہے، جن کا ذکر آیت

میں ہے۔اور اب رسولِ مقبول کا حصہ،مسلمانوں کے نیک کاموں میں صرف کرنا چاہیے
۔۔یا۔۔امامِ وقت کو دینا چاہیے۔۔یا۔۔باقی چاروں حصوں میں ملا دینا چاہیے۔
امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک،رسولِ مقبول کی وفات سے آپ کا اور ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط
ہو گیا۔۔چنانچہ۔۔اس صورتِ حال میں تمام غنیمت،باقی تین گروہوں پر صرف کریں۔۔الختصر
۔۔اب ہمارے نزدیک خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرتے ہوئے،خُمس کے تین حصے کیے
جائیں گے۔ایک حصہ یتیموں کا،ایک حصہ فقراء کے لیے،اور ایک حصہ مسافروں کے لیے۔
۔۔الختصر۔۔جان لو تم اے قتال کرنے والو! کہ غنیمت کا پانچواں حصہ،خدا اور رسول اور چار گروہِ
مذکور کے واسطے ہے،تو انہیں کے حوالے کر دو۔باقی چار حصے لے کر تم قناعت کرو،اور اُس خمس میں طمع
نہ رکھو (اگر مان گئے ہو اللہ) تعالیٰ (کو،اور) ان نوازشات کے دل سے معترف ہو، (جو) آیات
۔۔یا۔۔ملائکہ۔۔یا۔۔فتح و نصرت کی شکل میں (اتارا ہم نے اپنے) عظیم المرتبت مخصوص (بندہ) محمد
رسول اللہ ﷺ (پر) جنگِ بدر،یعنی (چھٹائی کے دن)۔جس دن حق کو باطل سے جدا ہونا تھا۔اور یہ
وہ دن تھا (جس دن دونوں فریق میں جنگ کی مڈبھیڑ ہوئی)۔

وہ جمعہ کا دن،رمضان شریف کی سترھویں تاریخ اور ہجرت کا دوسرا سال تھا۔حق و باطل
کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دینا اور تھوڑے آدمیوں کو بڑے لشکر پر غالب کر دینا،خدائے
عزوجل کے لیے کیا دشوار۔۔۔

(اور) کیا مشکل،اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے)۔جو چاہے کرے۔۔چنانچہ
۔۔اُس نے جو چاہا کر دکھایا،تو یاد کرو اُس وقت کو۔۔۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ

جب کہ تم اِس طرف والے کنارہ پر،اور وہ اُس طرف والے کنارہ پر ہیں،اور قافلہ تم سے نشیب

مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ

میں۔اور اگر تم لوگ خود وقتِ جنگ کو بدلتے،تو آگے پیچھے ہو جاتے وعدہ کے وقت پر،لیکن تا کہ پورا فرما دے اللہ

اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى

اس کام کو جو ہونہار تھا۔۔تا کہ جو تباہ ہو وہ دلیل سے تباہ ہو،اور جو زندگی

مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾

پائے وہ دلیل سے پائے۔ اور بے شک اللہ ضرور سننے والا علم والا ہے ●

(جبکہ) صورتِ حال یہ تھی، کہ (تم) مدینہ سے بہت نزدیک (اِس طرف والے کنارہ پر) ایسے ریگستانی میدان میں تھے، کہ تمہارے پاؤں دھنستے تھے اور تمہارے پاس وہاں پانی نہ تھا، (اور وہ) تمہارے دشمن (اُس طرف والے کنارہ پر ہیں) جو مدینے سے بہت دور تھا اور اس کی زمین مضبوط تھی، اور وہ لوگ پانی پر قادر تھے (اور) ابوسفیان کا تجارتی (قافلہ) اور اس کے یار و مددگار۔۔نیز۔۔ان کی سواریاں (تم سے نشیب میں) تمہاری قیام کی جگہ سے 'تقریباً' ۶ میل کے فاصلے پر تھیں۔

کیونکہ یہ لوگ میدانِ بدر سے کترا کر جُدا جُدا ساحل کے عازم ہوئے تھے، تاکہ اسلامی لشکر کا سامنا نہ ہو سکے۔

اِن حالات (اور) واقعات کے پیشِ نظر، (اگر تم لوگ خود) اپنی صوابدید پر (وقت جنگ کو بدلتے، تو) کماحقُّہٗ وعدہ پورا نہ کر پاتے اور (آگے پیچھے ہو جاتے وعدے کے وقت پر)، اس لیے کہ یہ ظاہر ہو جانے کے بعد، کہ تم تھوڑے ہو اور نہتے ہو، اور وہ بہت ہیں اور اسلحوں سے لیس ہیں، تو تم پر ان کا خوف طاری ہو جاتا۔ ایسی صورت میں تمہارے ارادے مضمحل بھی ہو سکتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنگ کے تعلق سے تمہیں کسی طرح کا کوئی وعدہ کرنے ہی نہ دیا، اور نہ ہی جنگ کے وقت کو کوئی طے شدہ معاملہ بننے دیا۔۔بلکہ۔۔تمہیں ایک تجارتی قافلہ پر قبضہ کرنے کے خیال سے مدینے سے نکالا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، تو ایسا نہ ہونے دیتا، (لیکن) اس نے ایسا اس لیے ہونے دیا، (تاکہ پورا فرمادے اللہ) تعالیٰ (اُس کام کو جو ہونہار تھا)، جسے ہونا ہی تھا۔۔اور (تاکہ جو تباہ ہو، وہ دلیل سے تباہ ہو، اور جو زندگی پائے، وہ دلیل سے پائے)۔

۔۔الغرض۔۔روزِ بدر کا واقعہ بڑی دلیلوں میں سے ہے۔ جس نے دیکھا، وہ اگر مرتا ہے۔۔یا ۔۔جیتا ہے، تو اُسے کوئی دلیل اور عذر نہیں۔۔اور۔۔یا مَنْ هَلَكَ سے کافر اور مَنْ حَيَّ سے مسلمان مراد ہیں۔ یعنی اُن سے کفر اور اسلام کا صادر ہونا، کھلی ہوئی دلیل پر ہے۔ جو کافر ہے اُس کا بطلان کھلا ہوا ہے، اور جو شخص اسلام پر ثابت رہا، اس کی حقیقت صاف یقینی ہے۔

(اور بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور سننے والا) ہے مومن اور کافر کی باتیں، اور (علم والا ہے) ان کے احوال کا۔ اے محبوب! اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی ہمیشہ تمہارے اور تمہارے اصحاب کے شریکِ حال رہی۔۔چنانچہ۔۔یاد کرو اور سب کو یاد کرادو۔۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ

جبکہ دکھا رہا ہے اللہ تم کو تمہارے خواب میں انہیں تھوڑا، اور اگر تم کو دکھایا ہوتا انہیں بہت، تو ضرور دل کے چھوٹے تم ہو جاتے،

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾

اور ضرور معاملہ میں جھگڑا ڈال دیتے، لیکن اللہ نے محفوظ رکھا۔ بیشک وہ سینہ میں چھپی باتوں کا جاننے والا ہے●

(جبکہ) شب بدر میں (دکھا رہا ہے اللہ) تعالیٰ (تم کو، تمہارے خواب میں انہیں تھوڑا)، اور پھر تم نے اس خواب کی خبر اپنے اصحاب کو دی اور ان کے غالب ہونے کی تعبیر بھی ارشاد فرمادی، تو وہ دلیر ہوئے اور نصرت کے وعدے سے انہیں قوت حاصل ہوئی۔ (اور) اب (اگر) ایسا ہوتا، کہ خواب میں (تم کو دکھایا ہوتا انہیں بہت) کثیر، جن کی سامان کی فراوانیوں کے ساتھ، اور پھر آپ انہیں اپنے اصحاب کو سناتے، (تو) اے صحابیو! غور کرو، اس وقت تمہارا کیا حال ہوتا؟ ایسی صورت میں (ضرور دل کے چھوٹے تم ہو جاتے، اور ضرور معاملہ میں جھگڑا ڈال دیتے)، اور امرِ قتال میں الجھ پڑتے، کہ آیا ہم لڑیں۔۔یا۔۔ بھاگ جائیں۔

(لیکن اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے فضل و کرم سے تمہیں اس تنازع، بددلی اور دشمنوں کے ضرر سے (محفوظ رکھا۔ بے شک وہ سینے میں چھپی باتوں کا جاننے والا ہے)۔۔ الختصر۔۔سینوں میں جو کچھ بھی ہو، جرأت، خوف، رضامندی اور امان لینا، وغیرہ وغیرہ، اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس مقام پر اے صحابیو! یہ بھی یاد کرو، کہ غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر عنایت تمہارے شریکِ حال رہی۔

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ

اور جبکہ دکھا رہا ہے تم کو جس وقت تم لوگ بھڑ گئے، انہیں تمہاری آنکھوں میں تھوڑا، اور تھوڑا تم کو کرتا ہے انکی آنکھوں میں،

لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾ ع

تا کہ پورا فرمادے اللہ اُس کام کو جس کو ہونا ہی ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف ہر کام لوٹائے جاتے ہیں●

(اور) کتنا کرم اس کا تم پر رہا، (جبکہ دکھا رہا ہے تم کو جس وقت تم لوگ بھڑ گئے) اور جنگ کے لیے آمنے سامنے آگئے، (انہیں تمہاری آنکھوں میں تھوڑا)، تا کہ تمہارا دل قوی ہو اور دشمنوں کی کثرت کا خوف تم پر طاری نہ ہو۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی نظر میں دشمن ستر ٧٠ کے قریب تھے، اوران کے قریب والے ایک شخص کو دشمنوں کی تعداد سَو ١٠٠ نظر آئی، جبکہ صورت حال یہ تھی کہ دشمن نو سو پچاس ٩٥٠ تھے۔تو اِس طرف مسلمانوں نے کافروں کو کم دیکھا، تو اُدھر کافروں کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم نظر آئی۔ یہ صورت عجیب نشانیوں میں سے ہے۔اس واسطے، کہ اگر کسی سبب سے تھوڑے آدمی نگاہ میں بہت معلوم ہوتے ہیں، اور بہت آدمی تھوڑے نظر آتے ہیں، مگر اس قدر فرق نہیں ہوسکتا کہ نو سو پچاس ٩٥٠ آدمی سَو ١٠٠ کے قریب معلوم ہوں۔۔یا۔۔تین سَو ٣٠٠ آدمی ایک ہزار ١٠٠٠ ۔۔یا۔۔نو سَو ٩٠٠ نظر آئیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے بعض کی نگاہوں کو بعض سے باز رکھا، باوصف اس کے، کہ دیکھنے کی شرطیں سب موجود تھیں۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت، ایک طرف ان کو تمہاری نظر میں کم دکھاتا ہے (اور) دوسری طرف (تھوڑا تم کو کرتا ہے ان کی آنکھوں میں)، تاکہ وہ تم سے لڑنے کے لیے بہت زیادہ سازوسامان جمع کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں، اور نہ ہی اپنی افرادی قوت کو بڑھانے کی فکر کریں، اور اپنی فتح کے دھوکے ہی میں رہ جائیں، اور جنگ کی کامیابی کے لیے بہت زیادہ جدوجہد سے باز رہیں۔

ان تمام باتوں میں حکمتِ خداوندی یہ تھی، (تاکہ پورا فرمادے اللہ) تعالیٰ (اس کام کو جس کو ہونا ہی ہے) اس کے علم میں۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف ہر کام لوٹائے جاتے ہیں) اور اُسی کی طرف تمام امور کا رجوع ہے۔ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، نہ اُسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی اُسے مجبور کرسکتا ہے۔۔۔

اِس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا، جو اُس نے جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو عطا فرمائی تھیں۔ چونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں کو ایک جنگ سے سابقہ پیش آچکا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنے والی آیت میں مسلمانوں کو جنگ کے آداب تعلیم فرمائے۔ جس میں پہلی چیز ہے، جنگ میں ثابت قدم رہنا۔ نبی کریم نے ایک اور چیز بھی بتلائی ہے، کہ ابتداءً مسلمانوں کو جنگ۔۔۔یا۔۔۔کسی بھی آزمائش اور بلا کی تمنا نہیں کرنی چاہیے، لیکن ان پر جب جنگ مسلط کردی جائے، تو پھر ان کو اس جنگ میں ثابت قدم رہنا لازم ہے، اور اس سے پیٹھ موڑنا جائز نہیں ہے۔۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اے وہ جو ایمان لا چکے! جب بھڑ گئے تم فریق مقابل سے، تو ڈٹ جاؤ، اور اللہ کا ذکر

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

بہت کرو، کہ تم کامیاب ہو جاؤ ●

(اے وہ جو ایمان لا چکے! جب بھڑ گئے تم فریق مقابل سے) یعنی ان کافروں سے جو تم سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں، (تو ڈٹ جاؤ) اور مقابلہ سے منہ نہ موڑو، (اور) اس وقت بھی خدا سے غافل نہ ہو جاؤ، بلکہ لحہ بہ لحہ، نعرۂ تکبیر کی آواز بلند کر کے، (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر بہت) اور بکثرت (کرو)۔ اور جب کافروں پر تلوار چلاؤ، تو اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرو اور اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے رہو، کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو بے نصیب کر دے اور ان کی جڑ کاٹ دے اور مسلمانوں کو ان پر غلبہ عطا فرمائے۔۔الحتصر۔۔ کوئی شغل یادِ الٰہی سے تم کو باز نہ رکھے، تا (کہ) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی نصرت و اعانت سے (تم کامیاب ہو جاؤ) اور دشمنوں پر فتح پا جاؤ۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اور کہا مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا، اور باہم جھگڑا نہ نکالا کرو، کہ چھٹ دلے ہو جاؤ گے، اور جاتی رہے گی تمہاری بندھی ہوا۔

وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اور صبر سے کام لیتے رہو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ●

(اور) ہر ہر معاملے میں (کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا اور اس کے رسول کا)۔ خاص کر کے امر جہاد میں اور معرکۂ قتال کے اندر ثابت قدم رہنے میں۔ (اور) ایسے نازک وقت پر مختلف آراء پیش کر کے (باہم جھگڑا نہ نکالا کرو)، جیسے بدر و احدٌ میں تم نے مختلف آراء کا مظاہرہ کیا، کیوں (کہ) ایسا کرنے سے تم (چھٹ دلے ہو جاؤ گے) اور بزدل ہو جاؤ گے، (اور جاتی رہے گی تمہاری بندھی) ہوئی (ہوا)، یعنی تمہاری دولت و شوکت نکل جائے گی، اور تمہارا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔۔الغرض۔۔ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمنوں کے دلوں میں تمہارا خوف نہ رہ جائے گا۔ [illegible] دولت و شوکت پر غیر معمولی اعتماد نہ کر لو، اس لیے کہ دولت و شوکت [illegible] جیسے کہ ہوا ایک طرف سے آتی ہے اور دوسری طرف چلی جاتی ہے [illegible] تو غور سے سنو (اور)

دھیان رکھو! کہ بوقتِ شدائدِ حرب اور بوقتِ قتال، (صبر سے کام لیتے رہو) اور جان لو، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ کی حفاظت اور نصرت (صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ

اور مت ہو جاؤ ان کی طرح جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھاتے،

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾

اور روک رہے ہیں اللہ کی راہ سے۔ اور اللہ ان کے کرتوت پر چھائے ہے●

(اور) اے مسلمانو! (مت ہو جاؤ ان) مکہ والوں (کی طرح، جو) اپنے قافلے کی حمایت کے لیے (نکلے) تھے (اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھاتے)، کبر وغرور کے نشے میں چور۔

راہ میں انہیں جب خبر پہنچی، کہ قافلہ صحیح سلامت بدر سے گزر گیا، تو لوگوں نے واپس ہو جانے کا قصد کیا، اُس وقت ابوجہل بول پڑا، کہ اب ضروری ہے کہ ہم بدر کو جائیں اور وہاں جم کر شراب نوشی کی محفلیں قائم کریں، تاکہ ہماری عظمت اور بڑائی کا شہرہ عرب میں پھیلے اور لوگ ہماری شجاعت اور شوکت کی ایک تاریخ مرتب کرلیں۔

۔۔الختصر۔۔ اے ایمان والو! تم اپنے گھروں سے کافروں کی طرح نہ نکلو، کیونکہ وہ خود بینی اور ریاکاری کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ (اور) ان کا حال یہ ہے، کہ (روک رہے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔۔ چنانچہ۔۔ اشاعتِ اسلام کی راہ میں ہر طرح کی رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ اُن نادانوں کو جان لینا چاہیے (اور) یاد رکھنا چاہیے، کہ (اللہ) تعالیٰ (ان کے کرتوت پر چھائے ہے)۔ ان کے ہر ہر عمل سے باخبر ہے اور اُن کے اِن کاموں کی جزا دے گا۔

مذکورہ بالا واقعے ہی کے سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے، کہ جب قریش مکہ سے نکلے اور بنی کنانہ کی بستی کے گرد پہنچے، تو ان میں اور بنی کنانہ میں جو قدیم دشمنی تھی، اس کے سبب سے خوفزدہ ہوئے، اور چاہا کہ وہاں سے پھر آئیں۔ اُس وقت ابلیس، سراقہ بن مالک، جو بنی کنانہ کا سردار تھا، اس کی صورت بن کر نکلا اور قریش سے ملاقات کی، اور بولا کہ تم خوب حمایت کرتے جاؤ، میں ضامن ہوں کہ بنی کنانہ سے تمہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا، اور میں بھی تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری رفاقت کروں گا۔ اور پھر ابلیس شیطانوں کی ایک جماعت لے کر ان کے ہمراہ بدر کی طرف متوجہ ہوا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے، کہ مسلمانو! خیال کرو۔۔۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ

اور جب سجادیا ان کے حق میں شیطان نے ان کے کاموں کو، اور کہہ دیا کہ آج کوئی بھی تم سے جیتنے والا نہیں لوگوں میں،

وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

اور میں تمہارا ضامن ہوں۔ پھر جب آمنے سامنے ہوگئے دونوں لشکر، تو بھاگا اپنے پیٹھ پیچھے، اور بولا کہ میں الگ ہوں

مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع

تم سے، بیشک میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے●

(اور) یاد کرو (جب سجادیا ان کے حق میں شیطان نے ان کے کاموں کو)، یعنی شیطان نے کافروں کو یقین دلا دیا، کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اچھا کر رہے ہو اور صحیح کر رہے ہو، تمہاری موجودہ قوت تمہاری کامیابی کے لیے کافی ہے۔ (اور کہہ دیا، کہ آج کوئی بھی تم سے جیتنے والا نہیں لوگوں میں) سے، تمہارا لشکر بہت اور آراستہ ہونے کی وجہ سے۔ (اور میں) بھی (تمہارا ضامن ہوں)، یعنی فریاد رس ہوں اور قوم کنانہ سے تمہیں بچانے والا ہوں۔ گو بنی کنانہ سے تمہاری پرانی دشمنی ہے، مگر میری موجودگی کی وجہ سے اُدھر سے تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ (پھر جب آمنے سامنے ہوگئے دونوں لشکر، تو) شیطان (بھاگا اپنے پیٹھ پیچھے) الٹے پاؤں اپنی دونوں ایڑیوں پر، یعنی مکر اور حیلہ کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔

اس وقت حارث بن ہشام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا، کہ اے سراقہ! ایسے حال میں ہمیں چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ ابلیس نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا، (اور بولا کہ میں الگ ہوں تم سے) اور تمہیں بچانے سے عاجز اور بیزار ہوں۔ (بے شک میں وہ دیکھ رہا ہوں، جو تم نہیں دیکھتے)۔ اور وہ فرشتوں کا لشکر تھا، جسے ابلیس نے دیکھ لیا تھا۔

اِس جنگِ بدر میں چونکہ ابلیس شیطانوں کے لشکر کے ساتھ شریکِ جنگ ہوا تھا، اس لیے خدائے قادرِ مطلق نے مسلمانوں کی فرشتوں کے لشکر سے مدد فرمائی۔ یہ صورتِ حال دوسری جنگوں میں نہیں پیش آئی۔ اِس مقام پر ابلیس نے دو طرح سے اپنی شیطنت کا مظاہرہ کیا۔ ایک تو سراقہ کا ہم شکل بن کر لوگوں کو دھوکا دیا، حالانکہ سراقہ کو جنگِ بدر کے اختتام کے بعد اس جنگ کی اطلاع ملی، اس طرح اس پر ابلیس کا مکر وفریب واضح ہوگیا۔ دوسرے یہ، کہ فریب دینے کے لیے یہ سفید جھوٹ بولا، کہ۔۔۔

(بے شک میں اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتا ہوں)، حالانکہ اگر وہ خدا سے ڈرتا، تو اس کا یہ حال نہ ہوتا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ سچ بات بھی کہہ دی (اور) واضح کر دیا، کہ (اللہ) تعالیٰ (سخت عذاب فرمانے والا ہے) اُن پر، جو خدا سے نہیں ڈرتے۔

بدر کے بھگوڑے جب مکہ کو پھرے، تو سراقہ کے پاس کہلا بھیجا، کہ ہمارا لشکر تو نے بھگا دیا۔ سراقہ نے قسم کھائی، کہ جب تک تمہاری شکست کی خبر میں نے نہیں سنی، تمہارے قصد ہی سے مجھے واقفیت نہ تھی۔ تو سب کو معلوم ہو گیا کہ وہ شیطان تھا، جو سراقہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اِس سے پہلی آیت میں غزوۂ بدر کے متعلق شیطان کی کارروائی بیان فرما کر اس پر تبصرہ فرمایا تھا۔ اور اِس آنے والی آیت میں غزوۂ بدر کے متعلق منافقین اور دوسرے بعض کافروں کے خیالات بیان فرما کر، ان پر تبصرہ فرما رہا ہے۔

اس آیت میں منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں، جو بغیر کسی عذر کے غزوۂ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔۔یا۔۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہوں نے مکہ میں بظاہر اسلام کا اظہار کیا تھا، تو وہ مشرکین کے ساتھ جنگِ بدر میں آئے اور جب انہوں نے مسلمانوں کی تعداد کم دیکھی، تو کہا، 'اِن لوگوں کو اِن کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے۔' اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو اسلام کے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا تھے اور اسلام کے متعلق ان کو شرح صدر نہیں تھا۔ یہ مشرکین قریش کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بظاہر کلمہ پڑھ لیا تھا، لیکن ان کے دلوں میں اسلام مستحکم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کہا، کہ 'اصحاب محمد ﷺ' کو اُن کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے، جو اتنی کم تعداد کے باوجود، اپنے تین ٣ گنے زائد لشکر سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔'

۔۔المختصر۔۔اے محبوب! یاد کرو اس حال کو۔۔۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ

جب بکا کریں منافق لوگ، اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، کہ مغرور کر دیا ہے ان مسلمانوں کو

دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾

اُن کے دین نے۔ اور جو بھروسہ رکھے اللہ پر، تو بیشک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(جب بکا کریں) مدینہ کے (منافق لوگ اور) ان کے سوا (وہ) لوگ (جن کے دلوں میں)

شک ونفاق کی (بیماری ہے، کہ مغرور کردیا ہے) اور فریب میں مبتلا کردیا ہے (ان مسلمانوں کو ان کے دین نے)، کہ تعداد کی کمی اور جنگ کے لیے کسی طرح کا سابقہ وعدہ نہ ہونے کے باوجود، ایسے آراستہ لشکر کے مقابلے میں آئے ہیں۔ اے محبوب! ان منافقین وغیرہ سے فرمادو، کہ یہ ایمان والے کچھ اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کرتے ہوئے۔۔۔یا۔ اپنے جنگی ساز وسامان کے سہارے کوئی اقدام نہیں کرتے، ان کی نظر صرف نصرتِ الٰہی اور امدادِ خداوندی پر ہوتی ہے، اور جو بھی قدم آگے بڑھاتے ہیں، وہ خدا ہی پر بھروسہ کر کے بڑھاتے ہیں۔ (اور) اچھی طرح سے جان لو، کہ (جو بھروسہ رکھے اللہ) تعالیٰ (پر، تو بے شک اللہ) تعالیٰ خود غالب ہے اور (غلبہ) عطا فرمانے (والا) ہے۔ وہ اپنے پر توکل رکھنے والے کو چھوڑ نہیں دیتا، اور وہ (حکمت والا ہے) حکم فرمانے والا ہے، اور اپنے متوکل کی یاری اور مددگاری فرماتا ہے۔

وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡمَلٰٓـئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ

اور اگر تم دیکھو جب میعادِ زندگی اِن کی جنھوں نے کفر کیا، پوری کرتے ہیں فرشتے، طمانچے گھونسے لگاتے ہیں انکے منہ

وَاَدۡبَارَهُمۡ‌ۚ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۝٥٠

اور پیٹھ پر، کہ اور چکھو عذاب آگ کا●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بدر میں آنے والے کفار کی زندگی کے احوال بیان فرمائے تھے، اور اِس آیت میں ان کی موت کے وقت کے احوال بیان فرمائے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ عمومی طور پر کفار کی موت کے وقت کا یہی حال ہوتا ہو۔

تو اے پیغمبر! (اور) میرے محبوب! (اگر تم دیکھو، جب میعادِ زندگی ان کی جنھوں نے کفر کیا پوری کرتے ہیں) عزرائیل اور ان کے معاون (فرشتے)، تو تمھیں صاف نظر آئے گا، کہ وہ (طمانچے گھونسے لگاتے ہیں ان کے منہ اور پیٹھ پر) یہ کہتے ہوئے (کہ اور چکھو عذاب آگ کا)۔۔۔ ان کے گرز سے نکلتی ہوئی چنگاریاں اور اُبھرتے ہوئے شعلے، عذابِ دوزخ کا مقدمہ ہیں۔۔۔ اور۔۔۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِۙ ۝٥١

یہ سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے کیا، اور بے شک اللہ نہیں ہے ظالم، بندوں پر●

(یہ سزا ہے) تمہارے ان اعمالِ شنیعہ اور کرتوتوں کی، (جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے کیا)۔۔۔ الغرض۔۔۔ تمہارا یہ ہَول بھرا حال، تمہارے بُرے کاموں کا نتیجہ ہے۔ یہ خدا کی طرف سے کوئی ظلم و

زیادتی نہیں ہے، (اور) یہ اس لیے، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں ہے ظالم بندوں پر)، کہ انہیں بغیر کسی جرم کے پکڑ لے۔ رہ گیا کافروں پر عذاب فرمانا، یہ تو عین عدل ہے۔ اے محبوب! آپ فکرمند اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اس لیے کہ ہر دور کے کافر قریب قریب ایک مزاج کے رہے ہیں، اور پھر ان کو ان کے کرتوتوں کے مطابق سلوک ملتا رہا ہے، تو تمہارے ساتھ قریش کے مشرکوں کی عادت اور ان کا ڈھنگ بالکل اُسی سے ملتا جلتا ہے۔۔۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

جیسا ڈھنگ تھا فرعونیوں کا، اور جو ان سے پہلے تھے، کہ انکار کر دیا اللہ کی آیتوں کا،

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

تو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں کے بدلے۔ بے شک اللہ قوی ہے سخت عذاب فرمانے والا ہے●

(جیسا ڈھنگ تھا فرعونیوں کا) حضرت موسیٰ کے ساتھ، (اور) ان کا (جو ان سے پہلے تھے) اپنے اپنے دور کے پیغمبروں کے ساتھ۔ الختصر۔ ان سب کی یہی روش رہی، (کہ انکار کر دیا اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا) اور انبیاءِ کرام کے معجزات کا، تو ان سبھوں کو بھی خائب و خاسر اور رسوا و ذلیل کر دیا گیا، جس طرح کفارِ بدر کے ساتھ کیا گیا۔ (تو پکڑا ان کو اللہ) تعالیٰ (نے ان کے گناہوں) یعنی ان کے انکار اور تکذیب (کے بدلے۔ بے شک اللہ) تعالیٰ (قوی) اور قوت و قدرت والا (ہے)، اور انکار و تکذیب کرنے والوں پر (سخت عذاب فرمانے والا ہے)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى

یہ یوں کہ بے شک اللہ نہیں بدلا کرتا کسی نعمت کو، جو کسی قوم کو انعام فرما دیا، یہاں تک کہ

يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾

وہ اپنے آپ کو بدل دے۔ اور بے شک اللہ سننے والا علم والا ہے●

(یہ) پکڑ اور اگلوں پر عذاب، بسبب اس کے اور (یوں) ہے، کیوں (کہ بے شک اللہ) تعالیٰ کی یہ سنتِ کریمہ ہے، کہ وہ (نہیں بدلا کرتا کسی نعمت کو جو کسی قوم کو انعام فرما دیا، یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو بدل دے) اور اپنے حالات کو بدتر بنا لے۔

جیسے کہ قریشیوں کا حال ہے، کہ بت پرستی اور مرداری خوری تو ان کی سابقہ حالت تھی ہی، انہوں نے اس میں رسول کریم ﷺ کی عداوت، قرآن کریم کی تکذیب، اور مومنوں کی ایذا اور تکلیف رسانی کا اضافہ کرکے، اپنے کو بد سے بدتر بنادیا، اور اپنے کو انعاماتِ خداوندی سے محرومی اور عذابِ الٰہی کا مستحق بنالیا۔

یہ مشرکین کس وہم وگمان میں ہیں، وہ اچھی طرح جان لیں (اور) یقین کرلیں، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ ان کی نالائق باتوں کا (سننے والا) اور ان کے باطل عقیدوں کا (علم) رکھنے (والا ہے)۔ پھر دوبارہ تاکیداً ارشاد فرماتا ہے، کہ اے محبوب! تیری تکذیب میں قریش کا ایسا حال اور دستور ہے۔۔۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

جیسے دستور تھا فرعونیوں، اور ان سے پہلوں کا، جھٹلایا اپنے پروردگار کی آیتوں کو،

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

تو تباہ کردیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی سزا میں، اور ڈبو دیا فرعونیوں کو۔ اور سب ہی اندھیر والے تھے●

(جیسے دستور تھا فرعونیوں) کا عہدِ موسوی میں، (اور ان سے پہلوں کا) اپنے اپنے پیغمبروں کے عہد میں۔ اور وہ یہ، کہ (جھٹلایا اپنے پروردگار کی آیتوں کو، تو تباہ کردیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی سزا میں، اور) بالآخر (ڈبو دیا فرعونیوں کو) دریائے قلزم میں۔ (اور) ایسا ان کے لیے کیوں نہ کیا جاتا، اس لیے، کہ وہ سب کے (سب ہی اندھیر والے تھے) ان کا ہدایت وسعادت سے کسی طرح کا کوئی رشتہ ہی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

انھیں مذکورۃ الصدر فرعونیوں سے انکار وتکذیب میں ملتا جلتا حال رہا قریشیوں کا، تو انہیں اس کی سزا میں غزوۂ بدر کے موقع پر قتل کرادیا گیا اور ان کی کمر توڑ دی گئی۔۔ الختصر۔ عہدِ موسوی میں قبطیوں کا غرق اور عہدِ نبوی میں قریشیوں کا قتل، دونوں ہی ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے ہی کے لیے تھا، جنھوں نے اپنے کفر وعصیان کے سبب خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کیا۔ یاد رکھو، کہ اس دھرتی پر جان رکھنے والے اور دھرتی پر چلنے والے تو بہت ہیں، لیکن ان میں۔۔۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

بے شک بڑے جانور اللہ کے یہاں ہیں جنھوں نے انکار کیا، تو پھر مانتے ہی نہیں●

(بے شک برے جانور) اور سب سے خراب، دھرتی پر چلنے والے (اللہ) تعالیٰ (کے یہاں)

اوراس کے حضور میں وہ (ہیں، جنہوں نے انکار کیا) اور معاندین قریش۔۔مثلاً: ابوجہل، عتبہ، نضر وغیرہ اور مکابران یہود۔۔مثلاً: کعب ابن اشرف، حی ابن اخطب اور عدی وغیرہ کی طرح، اپنے کفر میں مضبوط ہوگئے، اسی لیے (تو پھر) پیغمبر کی ہدایات کو (مانتے ہی نہیں)۔۔الحاصل۔۔آپ پر ایمان نہیں لاتے اور صرف یہی نہیں، کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔۔بلکہ۔۔ان میں بنی قریظہ جیسے ایسے بھی لوگ ہیں۔۔۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ

جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر وہ عہد شکنی

فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

ہر بار کرتے رہتے ہیں، اور نہیں ڈرتے●

(جن سے تم نے معاہدہ کیا) اور معاملہ کیا، (پھر وہ عہد شکنی) کر بیٹھے۔ اور کوئی ایک ہی بار کی بات نہیں۔۔بلکہ۔۔وہ جب جب معاہدہ کرتے ہیں، تو ہر (ہر بار) عہد شکنی (کرتے رہتے ہیں)۔۔چنانچہ ۔۔بنوقریظہ کے اکابر نے عہد کیا تھا، کہ رسول کریم ﷺ کے دشمنوں کی یاری اور مدد نہ کریں گے۔۔بایں ہمہ۔۔بدر کے دن دشمنوں کو ہتھیاروں سے مدد پہنچائی اور پھر کہنے لگے ہم بھول گئے، اور پھر دوبارہ عہد کیا، مگر جنگِ خندق کے دن ابوسفیان سے مل کر اس عہد کو بھی توڑ ڈالا۔ بار بار اس عہد شکنی (اور) وعدہ خلافی کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ وہ عہد شکنی اور بے وفائی کے عذاب سے (نہیں ڈرتے)۔ یہ ایسے عہد شکن ہیں، جو اس بات کے مستحق ہیں، کہ انہیں عہد شکنی کی ایسی سزا دی جائے، کہ دوبارہ کوئی شخص آپ سے عہد شکنی کی جرأت نہ کر سکے۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ

پس اگر گرفتار کر پاؤ ان کو لڑائی میں، تو ان کی مار کاٹ سے بھگا دو جو ان کے پیچھے ہیں، کہ شاید

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

انھیں نصیحت ہو●

(پس اگر گرفتار کر پاؤ ان کو لڑائی میں، تو) ان کی کوئی رعایت نہ کرو، اور انہیں قتل کر دو اور انہیں مار کاٹ کے رکھ دو، اور (ان کی مار کاٹ) کے منظر (سے بھگا دو) تتر بتر کر دو ان کو (جو) تمہارے دشمنوں میں سے (ان کے پیچھے ہیں)، کیوں (کہ) عہد شکنوں کے ساتھ تمہارے اس طرز عمل سے (شاید انہیں نصیحت ہو)، وہ تمہاری دشمنی سے باز آجائیں اور پھر تمہارے ساتھ عہد شکنی کی جرأت نہ کر سکیں۔۔۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ

اور اگر ڈرو کسی قوم سے خیانت کرنے کو، تو پھینک دو معاہدہ ان کی طرف، برابر برابر۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۵۸

بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا دغابازوں کو●

(اور) یونہی (اگر ڈرو کسی قوم سے خیانت کرنے کو)، یعنی ان سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہوں اور دلائل سے ثابت ہوں، (تو) اب ان سے معاہدہ کا خیال نہ کرو اور ان کی طرف سے عہد شکنی کا انتظار نہ کرو، بلکہ (پھینک دو معاہدہ ان کی طرف برابر برابر) علانیہ، کہ وہ بھی باخبر ہو جائیں۔۔الغرض۔۔ قتال سے قبل ظاہر کر دو، کہ میں نے تمہارا عہد توڑ دیا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان اُس وقت ضروری ہے، جب معاہدے کی مدت ختم نہ ہوئی ہو۔۔یا۔۔فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور نہ ہوئی ہو۔۔یا۔۔ ان کی عہد شکنی یقینی اور قطعی نہ ہو۔۔۔اور اگر معاہدے کی مدت ختم ہوگئی۔۔یا۔۔فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور اور یقینی ہو، تو پھر معاہدہ ختم کرنے کے اعلان کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ سے کیے ہوئے معاہدے کو ختم کرنے کے اعلان کے بغیر ان پر حملہ کیا، کیونکہ انہوں نے علی الاعلان معاہدے کو توڑ دیا تھا۔ خزاعہ نبی کریم کے حلیف تھے اور انہوں نے بنو کنانہ کی مدد کرتے ہوئے، خزاعہ کو قتل کیا۔۔عہد شکنوں کے تعلق سے مذکورہ بالا احکام اس لیے ہیں، کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا دغابازوں) کے مکر و فریب کے اعمال (کو)، اِسی لیے اُن کے لیے دنیا و آخرت، دونوں جہان میں رسوائی و ذلت ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا، کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑائی کے لیے وادیٔ بدر میں آئے ہیں، ان سے کس طرح مقابلہ کیا جائے؟ اور ان پر غالب ہونے کے بعد ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟۔۔نیز۔۔یہ بتایا تھا، کہ جو کافر آپ سے معاہدہ کرنے کے بعد، اس معاہدے کی خلاف ورزی کریں، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اب وہ کافر جو باقی رہ گئے تھے اور مکہ میں تھے۔۔نیز۔۔مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نہیں آئے تھے، لیکن یہ وہ لوگ تھے جو اللہ اور رسول کی مخالفت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو

بہت زیادہ اذیت پہنچائی تھی۔ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بدر سے بچ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے،ان سب کے تعلق سے ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ اے محبوب!۔۔۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور اس گھمنڈ میں نہ رہیں وہ جو کافر ہوئے، کہ بچ کر نکل گئے۔ بیشک وہ ٹھکانہ پائینگے گرفتار کرنے والے کو●

اِس خوش فہمی (اور اِس گھمنڈ میں نہ رہیں وہ جو کافر ہوئے)، کہ مکہ میں رہ جانے کی وجہ سے ۔۔یا۔۔ بدر سے بھاگ کھڑے ہونے کے باعث ۔۔یا۔۔ عہد شکنی کے سبب ۔۔الغرض۔۔ ان میں سے کوئی بھی صورت اپنا لینے سے، کفار یہ خیال نہ کریں (کہ) وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے (بچ کر نکل گئے)۔ وہ دنیا میں کسی اور موقع پر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے، ورنہ آخرت میں تو بہر حال دائمی عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ (بے شک وہ ٹھکانہ پائیں گے) اور عاجز و لاچار نہ کر پائیں گے، (گرفتار کرنے والے) خدائے عزوجل قادرِ مطلق (کو)۔

معرکۂ بدر میں مسلمانوں نے پہلے سے مقابلے کی تیاری نہیں کی تھی۔ ہتھیار جمع کیے تھے نہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کا بندوبست کیا تھا۔ ہنگامی طور پر اچانک ان پر جنگ مسلط کر دی گئی تھی، اور انہوں نے بغیر کسی تیاری کے مقابلہ کیا تھا۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ وہ دوبارہ ایسا نہ کریں۔۔نیز۔۔ مسلمانوں سے فرماتا ہے، کہ اے ایمان والو!۔۔۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ

اور تم لوگ ان کافروں کے لئے تیار رہو جو کچھ تم سے ہو سکے، زور سے، اور گھوڑا باندھنے سے، جس سے دھاک

بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ

بٹھا رہے ہو، اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر، اور دوسرے اور لوگوں پر۔ جنھیں تم جانتے نہیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ

اللہ ان کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ خرچ کرو اللہ کی راہ میں، پورا پورا دیا جائے گا

اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

تمہیں، اور تم ظلم نہ کیے جاؤ گے●

(اور) اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے ہر وقت تیار رہنے والو! (تم لوگ ان کافروں کے لیے تیار

رہو جو کچھ تم سے ہو سکے، زور سے) یعنی جنگی ساز وسامان سے، لشکر جس کے سبب سے قوت وزور حاصل کرتا ہے، (اور گھوڑا باندھنے سے) بندھے ہوئے گھوڑوں سے۔ (جس سے) صاف ظاہر ہو، کہ تم (دھاک بٹھار ہے ہو، اللہ) تعالیٰ (کے دشمن اور اپنے دشمن)، کفارِ مکہ وغیرہ (پر۔ اور دوسرے اور لوگوں پر) یعنی یہود۔۔یا۔۔منافق۔۔یا۔۔مجوس۔۔یا۔۔کافر جن، جو مجاہدین کے گھوڑوں کی آواز سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ کفارِ مکہ کے سوا مذکورہ بالا دوسرے لوگ وہ ہیں، (جنھیں تم جانتے نہیں)، یعنی جن کے ساتھ کوئی خاص راہ ورسم نہ ہونے کے سبب ان کے دلی عزائم سے تم بے خبر ہو، مگر (اللہ) تعالیٰ (ان کو جانتا ہے)۔ ان کا ظاہر و باطن کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں۔

مذکورہ بالا ہدایت کی روشنی میں جن جنگی ساز وسامان کو تیار رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے، وہ ہر زمانے کے لائق الگ الگ ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے، کہ زمانے کے لحاظ سے جو سب سے زیادہ مہلک ہتھیار ہو، اور زیادہ سے زیادہ موثر ہو۔ المختصر۔ دشمن جو ہتھیار لے کر سامنے آئے، اُس سے اُسی طرح کے۔۔یا۔۔اُس سے بہتر ہتھیار سے مقابلہ کیا جائے، تاکہ اس پر غلبہ حاصل کیا جاسکے اور اُسے مرعوب رکھا جاسکے۔ آج کل ایٹمی ہتھیاروں کا دور ہے، اس لیے آج مسلمانوں کو اپنی بقا کے لیے اور دنیا میں عزت اور آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے، سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔۔بلکہ۔۔سب سے اہم اور سب سے مقدم فرض ہے۔

مسلمانو! اچھی طرح سے سن لو (اور) یقین کرلو! کہ تم حرب اور جنگ کی سواریوں۔۔نیز۔۔ آلاتِ حرب کے حصول کے لیے (جو کچھ) بھی (خرچ کرو) گے، (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اعلاءِ کلمۃ الحق اور رضائے الٰہی کے لیے، تو (پورا پورا) اجر (دیا جائے گا تمھیں، اور) تمہارے عمل کا ثواب گھٹا کر (تم ظلم نہ کیے جاؤ گے)۔

اِس مقام پر حکمتِ جہاد کو سمجھنے کے لیے، یہ نکتہ ذہن نشین رہے، کہ قتل وخوں ریزی انسان کی فطرت ہے، جس طرح بھوک، پیاس، غصہ، حرص وغیرہ، انسانی فطرت میں داخل ہیں۔ اسی لیے عہد سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آج کے عہد تک کوئی ایسا زمانہ نہیں رہا، جس میں قتل وخوں ریزی کے واقعات نہ پیش آئے ہوں، اور ظاہر ہے کہ قتل وخوں ریزی کسی مقصد کے تحت کی جاتی رہی ہے، خواہ وہ حسن ہو۔۔یا۔۔قبیح۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لیے اس کا قانون ایسا نہیں ہو سکتا، جو فطرت کے خلاف ہو اور فطرت کو بالکلیہ مٹا دینے والا ہو۔

اسی لیے اسلام فطرت کو مٹاتا نہیں۔۔بلکہ۔۔اگر فطرت غلط راستے پر لگی ہوئی ہو، تو اُسے صحیح راستے پر لگا دیتا ہے۔

اسلام کے پیغام کا حاصل یہی ہے کہ کھانے پینے والو! خوب کھاؤ پیو۔ مگر۔۔حلال کھاؤ، حرام نہ کھاؤ۔ حلال مشروبات پیو، حرام نہ پیو۔ غصہ کرنے والو! غصہ کرو، مگر نفس کے لیے نہ کرو۔۔بلکہ۔۔خدا کے لیے کرو۔ لالچ کرنے والو! لالچ کرو، مگر برائیوں کی طرف بڑھنے کی لالچ نہ کرو۔۔بلکہ۔۔نیکیوں کو جمع کرنے کی لالچ کرو۔ اسی طرح قتل وخوں ریزی کرنے والو! اپنے سفلی جذبات، حیوانی خواہشوں کو پورا کرنے اور زور اور سلطنت حاصل کرنے کے لیے قتل وخوں ریزی نہ کرو۔۔بلکہ۔۔عدل وانصاف کو فروغ دینے، اعلیٰ ملکوتی اقدار کے حصول، اور اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لیے، مجرموں اور اللہ کے باغیوں کا خون بہاؤ، تاکہ دنیا سے کفر وشرک، ظلم وسرکشی، اور فحاشی وبے حیائی کی جڑیں کاٹ دی جائیں، اور دنیا سے شر وفساد دور ہو جائے۔

یہ ہے فطرت کے رخ کو غلط راستے سے ہٹا کر صحیح رخ پر لگانا۔ اور یہ ہے سیلاب کے رخ کو آبادیوں سے موڑ کر صحراؤں کی طرف کر دینا۔ اس طرح آبادی محفوظ رہتی ہے اور صحراء لہلہا اٹھتے ہیں۔۔المختصر۔۔اسلام سراپا دینِ فطرت اور دینِ صلح وسلامتی ہے، تو۔۔۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور اگر وہ لوگ صلح کی خواہش کریں، تو تم صلح کو منظور کرلو، اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾

بے شک وہی سننے والا علم والا ہے●

اے محبوب! تمہاری حربی طاقت (اور) جنگی ساز وسامان کو دیکھ کر مرعوب ہو کر، (اگر وہ لوگ صلح کی خواہش کریں، تو تم صلح کو منظور کرلو)۔

جزو دستی اس امر کے مطابق عمل کی کارروائی امام، یعنی حاکم وقت کی رائے پر مبنی ہوگی، اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں، کہ وہ ہمیشہ کفار کے ساتھ جنگ لڑتا رہے، اور نہ ہی اس کے لائق ہے، کہ ان سے ہمیشہ صلح وسلوک کی باتیں کرے۔۔بلکہ۔۔ہر معاملہ میں اہل اسلام کی فلاح اور بہبود کو مدنظر رکھے۔ اگر صلح کا معاملہ ہو، تو بھی ان سے ایک سال کامل کا صلح نامہ نہ

لکھ دے۔۔بلکہ۔سال سے کم پر صلح کرے۔۔ہاں۔۔اگر حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے، تو صلح کی مدت بڑھا سکتا ہے۔لیکن یہ خیال رہے کہ دس سال سے زائد کا معاہدہ نہ کرے۔

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی اقتداء اور پیروی اسی میں ہے، کہ جنگ (اور) صلح دونوں حال میں (اللہ) تعالیٰ (پر بھروسہ رکھو) اور یہ فکر نہ کرو، کہ اُن کی صلح اُن کا ایک مکروحیلہ بھی ہوسکتا ہے۔ تم بالکل مطمئن رہو، اس لیے کہ جس خدا پر تمہیں بھروسہ ہے (بے شک وہی سننے والا) ہے اُن کی باتوں کا، اور (علم والا ہے) اُن کے کِذب و مکر کا۔اگر وہ مکر کریں گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں محفوظ رکھے گا اور ان کے مکر کا وبال انہیں پر ڈالے گا، جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ

اور اگر چاہیں کہ دھوکہ دیں تم کو، تو بلاشبہ تمہارے لئے اللہ کافی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

وہی ہے جس نے تائید فرمائی تمہاری اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے●

(اور اگر) صلح کر لینے کے بعد، وہ لوگ (چاہیں کہ دھوکا دیں تم کو)، تا کہ آپ ان سے جنگ سے باز رہیں اور ان کو فتنہ وشر پھیلانے کا موقع مل جائے، (تو) آپ اس اندیشے سے فکرمند نہ ہوں اور ان کے مکروحیلہ سے خوف نہ کھائیں، اس لیے کہ (بلاشبہ تمہارے لیے اللہ) تعالیٰ (کافی ہے۔وہی ہے جس نے تائید فرمائی تمہاری) فرشتوں کو بھیج کر (اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے)، یعنی گروہِ انصار سے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ

اور الفت ڈال دی اُن کے دلوں میں۔ اگر خرچ کر ڈالتے جو کچھ زمین میں ہے سب، تو بھی الفت نہ پاتے

بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

ان کے دلوں میں، لیکن اللہ نے الفت پیدا کر دی ان میں۔ بیشک وہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(اور) تمہاری برکت سے (الفت ڈال دی ان کے دلوں میں) یعنی اوس وخزرج جیسے قبیلے والوں کے دلوں میں جو آپس میں خصومت وتعصب کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، اور جو ایک سو بیس [۱۲۰] برس تک آپس میں لڑتے اور لوٹ مار کرتے رہے، اور ایسے سخت دل ہو گئے، کہ (اگر) ان کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے اور آپس میں ملانے کے لیے (خرچ کر ڈالتے، جو کچھ زمین میں ہے سب) کا سب،

(تو بھی) ایک دوسرے کے لیے آپس میں (الفت نہ پاتے ان کے دلوں میں، لیکن اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے فضل وکرم سے (الفت پیدا کردی ان میں۔ بے شک وہ غلبہ والا) ہے اور قادر وغالب ہے، جو چاہے کرے اور (حکمت والا ہے) اپنی حکمت کا بخوبی جاننے والا ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب کفار آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں گے، تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً آپ کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے، یعنی وہ ہر حال میں آپ کی مدد فرمائے گا۔۔تو۔۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

اے آنحضرت! "بالکل کافی ہے تمہیں اللہ اور جو پیچھے چلے تمہارے ایمان والے"●

(اے آنحضرت!) یعنی اے نبی مکرم! بلند رتبہ انسان، مبعوث من اللہ ہو کر غیب کی خبریں دینے والے، (بالکل کافی ہے تمہیں اللہ) تعالیٰ، (اور جو پیچھے چلے تمہارے، ایمان والے)۔

یہ آیت غزوۂ بدر میں جنگ سے پہلے ایمان والوں کی تسلی اور طمانیتِ قلبی کے لیے نازل ہوئی۔ اس میں مومنین سے مراد انصار ہیں۔ خوش دلی، ثابت قدمی، بہادری اور صبر واستقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، ایک بہت بڑا خدائی انعام ہے۔۔تو۔۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اے آنحضرت! "ابھارو اپنے ماننے والوں کو، جہاد پر" اگر تم میں ہوں گے

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا

بیس صبر آزما، تو جیتیں گے دو سو کو۔ اور اگر تم سو ہوئے، تو جیتو گے ایک ہزار کافروں کو۔

اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

کیونکہ وہ لوگ بے کچھ سمجھے لڑتے ہیں●

(اے آنحضرت!) یعنی اے مکرم نبی! (ابھارو) اور برانگیختہ کرو، (اپنے ماننے والوں کو جہاد پر)۔ اور ان کو یقین دلا دو، کہ اے ایمان والو! (اگر تم میں ہوں گے بیس[۲۰] صبر آزما، تو جیتیں گے دو سو[۲۰۰] کو۔ اور اگر تم سو[۱۰۰] ہوئے، تو جیتو گے ایک ہزار[۱۰۰۰] کافروں کو، کیونکہ وہ لوگ بے کچھ سمجھے لڑتے ہیں)۔

معلوم ہوا، کہ کافروں اور مسلمانوں میں جنگ کے اعتبار سے فرق ہے۔ یہ فرق جنگ کے

'ہدف اور نصب العین' کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، اور جنگ میں 'اعتماد اور بھروسے' کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، اور جنگ کے محرک، داعی اور باعث کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ نصب العین اور ہدف کے اعتبار سے فرق یہ ہے، کہ کافر اللہ کو مانتے ہیں نہ آخرت کو، اور نہ ہی جزاء وسزا کو، ان کا جنگ سے مقصود، صرف اس فانی دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونا ہوتا ہے۔ وہ چونکہ 'حیات بعد الممات' کے قائل نہیں ہیں، اس لیے وہ موت سے ڈرتے ہیں اور اس سے متنفر ہوتے ہیں، اور زندگی پر زیادہ سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف مومن، اللہ کو اور روزِ آخرت کو مانتا ہے، 'حیات بعد الممات' پر اس کا ایمان ہوتا ہے، وہ موت سے نہیں ڈرتا، کیونکہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے اگر اس کو موت آجائے، تو وہ شہید ہوگا اور اس کو پھر زندگی ملے گی اور رزق دیا جائے گا۔ اس کو دنیا کے ساتھ لگاؤ نہیں رہتا، وہ عزمِ راسخ، اخلاص اور صحیح جذبہ کے ساتھ میدانِ جنگ میں آتا ہے، اس لیے وہ کم تعداد ہونے کے باوجود بڑی تعداد میں کافروں کے خلاف لڑنے سے نہیں گھبراتا۔

کافر جنگ میں افرادی قوت، اسلحہ اور مادی چیزوں پر اعتماد کرتا ہے اور مومن کا اعتماد صرف اللہ عزوجل کی اعانت اور نصرت پر ہوتا ہے۔ اس لیے جب کافر اور مومن جنگ میں اترتے ہیں، تو مومن کی فتح، کامیابی اور کامرانی کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔ کافر کا دل چونکہ اللہ کے نور، اس کی معرفت اور اس پر ایمان سے خالی ہوتا ہے، اس لیے وہ لڑائی کے وقت کمزور اور بزدل ہوتا ہے، اور مسلمان کا دل اللہ کے نور اور اس کی معرفت سے معمور ہوتا ہے، اور وہ اللہ کے دین کی سربلندی کے باعث جہاد میں شریک ہوتا ہے، اس لیے وہ خوش دلی اور شرح صدر کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی، کہ اگر تم میں سے بیس[٢٠] صبر کرنے والے ہوں، تو دوسو[٢٠٠] پر غالب آجائیں گے، تو ان پر یہ فرض کردیا گیا، کہ ایک مسلمان دس[١٠] کافروں کے مقابلے سے نہ بھاگے، اور بیس[٢٠] مسلمان دوسو[٢٠٠] کافروں کے مقابلے سے نہ بھاگیں، تو یہ بات اکثر مسلمانوں پر شاق گزری، کیونکہ ان پر یہ فرض کردیا گیا، کہ ایک دس[١٠] کے مقابلے میں نہ بھاگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس سخت حکم کو منسوخ فرمادیا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ

اب ہلکا کردیا اللہ نے تم سے، اور کھل گیا کہ تم میں کمزوری ہے۔ تو اگر

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

تمہارے ایک سو صابر ہوں، تو جیتیں گے دوسوکو۔ اور اگر ہوں گے تمہارے ایک ہزار، تو جیتیں گے

اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

دو ہزار کو، اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے●

مسلمانو! (اب ہلکا کر دیا اللہ) تعالیٰ (نے تم سے) اِس سخت حکم کو۔ اس کو تو معلوم ہی تھا (اور) اب تمہاری پیشانیوں پر فکر وتشویش کی لکیروں سے بھی (کھل گیا) اور ظاہر ہو گیا، (کہ تم میں کمزوری ہے)۔

پہلے سخت حکم دینا، پھر اس میں تخفیف فرما دینا، اس سے اللہ تعالیٰ کی انتہا درجے کی عنایت ونوازش جو تمہارے حال پر ہے، اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ حکم میں سختی تھی، درجات قرب کے بلند سے بلند مقام تک پہنچانے کے لیے، اور پھر اس میں نرمی فرما دی گئی، دنیا میں سہولت وآسانی عطا فرمانے کے لیے۔

(تو) اس کریمانہ تخفیف کے بعد، اب (اگر تمہارے ایک سو[۱۰۰] صابر ہوں، تو جیتیں گے دوسو[۲۰۰] کو، اور اگر ہوں گے تمہارے ایک ہزار[۱۰۰۰]، تو جیتیں گے دو ہزار[۲۰۰۰] کو اللہ) تعالیٰ (کے حکم) اور اس کی مدد (سے، اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) معین ومددگار کے طور پر۔ تو پھر جو صبر کرے گا وہ فتح پائے گا۔ سچ ہے، کہ صبر، فتح وظفر کی سواری ہے۔۔ الحتصر۔۔ ایک مسلمان آلاتِ حرب کی یکسانیت کی صورت میں، دو کافروں کے مقابلے میں مستقل رہے اور نہ بھاگے۔۔۔

غزوۂ بدر میں رؤسائے قریش میں سے جو نامور قریش کے سپہ سالار تھے، ایک ایک کر کے مارے گئے۔ ان میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن اسود، عاص بن ہشام اور امیہ بن خلف وغیرہم کفارِ قریش، جو جنگی طاقت میں ریڑھ کی ہڈی تھے، مارے گئے۔ ان لوگوں کے مارے جانے سے کفارِ قریش کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔۔ لہٰذا۔۔ کفارِ قریش کے صنادید سمیت ستر[۷۰] کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر[۷۰] کافروں کو قیدی بنا لینا، کوئی نامناسب عمل نہیں تھا۔ یہ عمل زمین جنگ میں خوں ریزی کی دھوم مچا دینے والا ہی قرار پائے گا۔ اور چونکہ مذکورہ صورت حال میں قیدی بنا لینے سے منع بھی نہیں فرمایا گیا تھا۔۔ لہٰذا۔۔ یہ کوئی گناہ کا کام بھی نہیں ہوا۔

۔۔ہاں۔۔ قیدی بنا لینے کے بعد، اب یہ مسئلہ سامنے آیا، کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا

جائے۔انہیں قتل کر دیا جائے۔۔یا۔۔فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے؟اس میں بعض صحابہ کی رائے یہ تھی، جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔اور اس قتل کرنے میں بھی ان کے لیے یہ پسندیدہ بات تھی، کہ ہر صحابی اپنے ہاتھ سے اپنے قریبی عزیز کو قتل کرے، تاکہ ظاہر ہو جائے، کہ یہ وہ نفوسِ قدسیہ والے ہیں، جو اللہ کے رسول سے اپنے رشتۂ غلامی کو مضبوط کرنے کے لیے اپنے ہر رشتے کو کاٹنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔۔۔ان کے سوا بہت سارے دوسرے صحابۂ کرام کی رائے یہ تھی، کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے۔آزاد کر دینے کی رائے دینے والوں میں بھی دو گروہ تھے، ایک اعلیٰ مقصد والے، اور دوسرے ادنیٰ مقصد والے۔

اعلیٰ مقصد والوں میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے، جو مالِ دنیا کی طمع سے بَری تھے اور ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہو سکتا ہے، کہ ان میں سے کچھ لوگ اسلام لائیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہو۔۔نیز۔۔مسلمانوں کو شوکت و غلبہ حاصل ہو۔۔المختصر۔۔ان حضرات نے جو فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کر دینے کا مشورہ دیا تھا، وہ آخرت کی بنا پر ہی تھا۔اور ظاہر ہے کہ کافر کو کاٹنے سے بہتر ہے، کہ اس کے کفر کو کاٹنے کی سبیل پیدا کر دی جائے۔اسی وجہ سے اللہ کے رسول نے اس مشورہ کو قبول فرمایا تھا۔

رہ گئے ادنیٰ مقصد والے، یعنی وہ لوگ جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، انہوں نے مالِ دُنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔اللہ تعالیٰ نے، ان ہی کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے، کہ۔۔۔تم اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔۔الغرض۔۔اس تعلق سے قرآنی تنبیہ کا روئے سخن، نہ تو اللہ کے رسول کی ذات کی طرف ہے، اور نہ ہی قدیم الاسلام، پیکرانِ اخلاص، صحابۂ کرام کی طرف۔اور جن صحابہ کی طرف روئے سخن ہے، وہ بھی اس لیے نہیں، کہ انہوں نے کوئی ناجائز کام کیا تھا، جس سے انہیں روکا گیا ہے۔۔بلکہ۔۔صرف اس لیے، کہ ان کا یہ نصب العین اور مقصد خود ان کے منصب و مقام کے شایانِ شان نہ تھا۔اور چونکہ عتاب اپنے مخصوص لوگوں ہی پر کیا جاتا ہے۔۔لہٰذا۔۔ان پر عتاب فرمایا گیا۔یعنی تم تو اپنے مخصوص تھے، تم سے یہ خلاف اولیٰ کام نہیں ہونا چاہیے تھا۔۔۔تو جب عوام صحابہ کی یہ شان ہے، تو پھر خواصِ صحابہ کا عالم کیا ہوگا؟اور جب مخصوص صحابۂ کرام کے جذبۂ اخلاص کی معرفت آسان نہیں، تو پھر نبی کی شان کیا ہوگی؟۔۔تو۔۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ

یہ کسی نبی سے نہ ہوا کہ اس کے ہوں قیدی لوگ، یہاں تک کہ خون ریزی کی دھوم مچادے زمین میں۔

تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿٦٧﴾

تم لوگ چاہتے ہو دنیا کی پونجی۔ اور اللہ پسند فرماتا ہے آخرت کو۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

اچھی طرح سے جان لو، کہ (یہ کسی نبی سے نہ ہوا) اور نہ ہو سکتا ہے، (کہ) دنیاوی طمع میں (اس کے ہوں قیدی لوگ، یہاں تک کہ خوں ریزی کی دھوم مچادے زمین میں) باطل کی کمر توڑ دے، تاکہ وہ حق کے سامنے سر اٹھانے کے لائق نہ رہ جائیں۔ تو اے نئے نئے دامن رسول سے وابستہ ہونے والو! (تم لوگ) اپنی سادہ لوحی میں (چاہتے ہو دُنیا کی پونجی۔ اور اللہ) تعالیٰ (پسند فرماتا ہے) تمہارے لیے (آخرت) کی نعمتوں (کو)۔ یعنی بہشت اور وہاں کی دائمی نعمتوں کو۔ (اور اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے جو دوستوں کو دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے، اور (حکمت والا ہے) اُس بات میں جو بندوں کے ساتھ کرتا ہے۔

اِس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ پہلی شریعتوں میں مالِ غنیمت لینا حرام تھا اور ابھی اِس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔۔ بایں ہمہ۔۔ مسلمانوں نے بلا اجازت مالِ غنیمت لوٹ لیا۔ اس پر ارشاد فرمایا گیا، کہ۔۔۔

لَوْلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿٦٨﴾

اگر اللہ کا لکھا آگے نہ آتا، تو پہنچ جاتا تم لوگوں کو جو تم نے لیا ہے اس سلسلہ میں بڑا دکھ●

(اگر اللہ) تعالیٰ کی طرف سے معافی (کا) حکم (لکھا، آگے نہ آتا)، اور پہلے ہی سے منجانب اللہ معاف فرمادینے کی بات نہ ہوتی، اور یہ ارشاد نہ ہوتا، کہ جب تک آپ ﷺ ان میں ہیں، ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا، (تو پہنچ جاتا تم لوگوں کو جو تم نے لے لیا ہے اس سلسلہ میں بڑا دکھ)، اور تم بڑے عذاب کا شکار ہو جاتے۔

یہ سن کر صحابہ کرام نے مالِ غنیمت سے ہاتھ کھینچ لیا اور اس کو لینے کے لیے اس میں ہاتھ لگانے سے باز رہے۔ تو ارشادِ الٰہی ہوا، کہ اگرچہ مالِ غنیمت کی حلت کا حکم آنے سے پہلے تمہاری شایانِ شان یہ نہیں تھا، کہ تم اس میں بلا اجازت ہاتھ لگاتے، لیکن اب جبکہ تم نے جمع کر ہی لیا ہے۔۔۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

تو کھاؤ جو مال غنیمت تم نے پایا حلال طیب۔ اور اللہ کو ڈرتے رہو، بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(تو) اب تم کو اجازت دی جا رہی ہے، کہ (کھاؤ جو مال غنیمت تم نے پایا)۔ اس اجازت کے بعد اسکا کھانا تمہارے لیے بالکل (حلال) اور (طیب) یعنی پاک وصاف ہے۔ (اور) اس بات کا ہمیشہ خیال رکھو، کہ (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرتے رہو) اور اس کے حکم کی مخالفت نہ کرو۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے بخشنے والا ہے، اس نے تمہاری لغزشوں کو بخش دیا۔ اور (رحیم ہے) مہربان ہے، کہ غنیمت تم پر حلال کردی، جو اگلی امتوں پر حرام تھی۔

۔۔الحاصل۔۔ جب یہ بات طے ہوگئی، کہ قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دیا جائے، تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس کو، جو قیدیوں میں تھے، حکم فرمایا، کہ اپنی ذات کا فدیہ دو، اور اپنے دونوں بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کی طرف سے بھی فدیہ دو، ساتھ ہی اپنے حلیف عتبہ بن جحدم کا بھی فدیہ ادا کرو۔ اس پر حضرت عباس بولے، کہ اے محمد ﷺ' کیا تم چاہتے ہو، کہ تمہارا چچا فقیر کی طرح اپنے پرائے کے سامنے مانگنے کو ہاتھ پھیلائے۔ میں اتنا مال کہاں سے لاؤں؟ حضرت ﷺ نے فرمایا، کہ وہ روپے کی تھیلیاں جو مکہ سے نکلتے وقت، اُم فضل کو دے کر، یہ یہ باتیں تم نے ان سے کہی تھیں، کہاں ہیں؟ حضرت عباس بولے، اے محمد ﷺ' میں نے تو یہ باتیں چھپا کر کی تھیں، تجھ سے کس نے کہہ دیں۔ آپ نے فرمایا، میرے رب نے مجھے یہ علم عطا فرمایا ہے۔ نبی کریم کی غیب دانی کی اس شان کو دیکھ کر، بے ساختہ حضرت عباس کہہ پڑے، کہ اے محمد ﷺ' گواہ رہو، کہ میں حق تعالیٰ کی وحدانیت اور تمہاری رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ پھر اپنا فدیہ اور ان تینوں آدمیوں کا فدیہ حضرت عباس نے ادا کیا۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ

اے آنحضرت! تم کہہ دو جو قیدی ہیں تمہارے ہاتھ میں، کہ اگر پالیا اللہ نے تمہارے

فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ

دلوں میں نیک نیتی کو، تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے، اور بخش دے گا تم کو،

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾

اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اے آنحضرت) نبی مکرم! (تم کہہ دو) اور خوشخبری سنادو انہیں، (جو قیدی ہیں تمہارے ہاتھ) یعنی قبضہ (میں)، خواہ وہ عباس و عقیل ہوں۔۔یا۔۔ان کے سوا کوئی بھی، وہ قید ہوجانے سے فکرمند اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔اے قیدیو! غور سے سن لو، (کہ اگر پالیا اللہ) تعالیٰ (نے تمہارے دلوں میں نیک نیتی)، یعنی پرخلوص ایمان (کو، تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے) بطور فدیہ، (اور) مزید برآں (بخش دے گا تم کو)، یعنی تمہارے ان گناہوں کو جو زمانہء شرک میں تم سے واقع ہوئے۔ جان لو (اور) یاد رکھو! کہ بے شک (اللہ) تعالیٰ (غفور) تمام گناہوں کا بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے) یعنی ایسا مہربان ہے، جس نے تمہیں اسلام کی توفیق دی۔

ایک روایت کی روشنی میں حضرت عباس نے فرمایا، کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے دو وعدے کیے۔
ایک تو یہ، کہ جو کچھ مجھ سے لیا ہے اس سے بہتر مجھے دے گا۔چنانچہ۔یہ وعدہ اس نے پورا فرمادیا، کہ اب میں بیس[۲۰] غلام رکھتا ہوں، کہ ان میں سے ہر ایک بیس[۲۰] بیس[۲۰] ہزار دینار کی تجارت میرے واسطے کرتا ہے، اور آبِ زمزم پلانے کی خدمت بھی اس نے مجھے عطا فرمائی، کہ عرب کے سب مالوں سے زیادہ میں اُسے دوست رکھتا ہوں، اور دوسرا وعدہ مغفرت کا ہے۔امید رکھتا ہوں، کہ وہ وعدہ بھی وفا فرمائے گا، اور مجھے بخش دے گا، کیونکہ کریم کے وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا۔۔۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ

اور اگر انھوں نے تم سے دغا کی، تو پہلے بھی دغا کر چکے ہیں اللہ سے، تو اس نے گرفتار کرادیا انہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور) اے محبوب! (اگر) اسلام قبول کرلینے کے بعد (انہوں نے)، یعنی ان قیدیوں نے، (تم سے دغا) اور بے وفائی (کی، تو) یہ ان کی پہلی حرکت نہیں ہے، بلکہ یہ کفر و شرک کرکے (پہلے بھی دغا کرچکے ہیں اللہ) تعالیٰ (سے، تو) اُن کی اُسی بے وفائی اور بے راہ روی کی سزا میں، غزوہ بدر کے موقع پر (اُس نے گرفتار کرادیا انہیں)، تو اِس کے بعد بھی ممکن ہے، کہ اُن کی دغا کے نتیجے میں تجھے اُن پر غالب اور قادر کردے۔(اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے اور بندوں کے مآلِ کار کا جاننے والا ہے، اور (حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے ان کے احوال کے موافق۔۔۔اربابِ وفا، دنیا و آخرت ہر جگہ فضلِ خداوندی اور عنایاتِ ربانی کے مرکزِ نگاہ رہے۔۔چنانچہ۔۔وہ مہاجرین سابقین۔۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ

بے شک جو ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور جہاد کیا اپنے مال وجان سے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ

اللہ کی راہ میں، اور جنھوں نے ٹھکانہ دیا، اور مدد کی، وہ لوگ ایک دوسرے

أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن

کے وارث ہیں۔ اور جنھوں نے ایمان قبولا اور ہجرت نہ کی، نہیں ہے تمہارا

وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ

ان کی وراثت میں کچھ، یہاں تک کہ ہجرت کریں۔ اور اگر مدد مانگیں تم سے

فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم

دین کے معاملہ میں، تو تم پر واجب ہے مدد کرنا، مگر بمقابلہ اس قوم کے، کہ تمہارے اور ان کے درمیان

مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۷۲﴾

کوئی معاہدہ ہے۔ اور اللہ جو کرو دیکھنے والا ہے●

(بے شک جو ایمان لائے، اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مال وجان سے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)، اس کی خوشنودی ۔۔نیز۔۔ اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے، (اور) وہ انصارِ مدینہ (جنھوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی) ان مہاجرین کی، (وہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں)، یعنی ایک دوسرے کے دوست اور میراث میں متولی ہیں۔

ابتداء میں یہ حکم تھا، کہ مہاجر وانصار ہجرت اور نصرت کی وجہ سے ایک دوسرے کی میراث لیں۔ تو اگر کوئی مہاجر فوت ہوجاتا، تو اس کا انصاری بھائی وارث بنتا، جبکہ اس مہاجر کا مدینہ طیبہ میں کوئی دوسرا بھائی ۔۔یا۔۔ وارث مسلمان نہ ہوتا۔ اسی طرح انصار فوت ہوتا، تو اس کا وارث مہاجر بھائی ہوتا۔ یہ قانون فتح مکہ تک جاری رہا۔ فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا اور ہجرت کی وراثت کی بجائے، قرابت کی وراثت کا اجراء ہوا۔ اب نہ مومن کا کافر وارث ہے، اور نہ ہی مومن مہاجر، غیر مہاجر کا۔۔۔

(اور) مذکورہ بالا مومنین کے سوا، (جنھوں نے ایمان قبولا اور) دوسرے اہل ایمان کی طرح

(ہجرت نہ کی نہیں ہے تمہارا ان کی وراثت میں) سے (کچھ)۔ یعنی تم ان کی وراثت کے حقدار نہیں، اگر چہ وہ تمہارے قریب ترین رشتہ دار ہوں، (یہاں تک کہ) وہ (ہجرت کریں)۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ، کہ اس آیت سے جب صراحتاً نفی کر دی گئی، کہ غیر مہاجرین اہل ایمان کی وراثت وولایت، مہاجرین سے منقطع ہوگئی، تو پھر وہ، مکہ میں مخالفین سے جتنی تکالیف اور دکھ اٹھائیں، ہمیں حق نہیں پہنچتا، کہ ہم ان کی امداد کریں، حالانکہ یہ مقتضائے اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا۔۔۔

(اور) ارشاد فرمایا (اگر) وہ مسلمان جنہوں نے ہجرت نہیں کی، (مدد مانگیں تم سے دین کے معاملہ میں)۔۔ مثلاً: اُن میں اور کافروں میں مقابلہ واقع ہو، اور وہ تم سے مدد مانگیں، (تو تم پر واجب ہے مدد کرنا) اور مدد طلب کرنے والوں کا ساتھ دینا، (مگر بمقابلہ اس قوم کے، کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہے)، یعنی اگر دشمن قوم سے جنگ نہ کرنے کا تمہارا معاہدہ ہو، تو پھر اس دشمن قوم پر غلبہ پانے کے لیے اہل ایمان غیر مہاجرین کو مدد مت دو، بلکہ ان کی آپس میں ایسی اصلاح کرو، کہ جنگ کے بغیر ان کی صلح ہو جائے۔۔ الختصر۔ کسی حال میں بھی عہد شکنی نہ کرو۔

(اور) یاد رکھو، کہ (اللہ) تعالیٰ (جو کرو) گے، اُسے (دیکھنے والا ہے) یعنی تمہارا ایفاءِ عہد۔ یا۔ تمہاری عہد شکنی خدا کے علم کے دائرے سے باہر نہیں، وہ سب کچھ جاننے والا اور سب کا دیکھنے والا ہے۔۔۔ مسلمانو! اچھی طرح سے جان لو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ

اور جنھوں نے کفر کیا، ان میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اگر تم نے یہ نہ کیا، تو ہوگا فتنہ

فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ﴿۷۳﴾

زمین میں، اور بڑا فساد●

(اور) ذہن نشین رکھو! کہ (جنہوں نے کفر کیا، ان میں ایک دوسرے کے وارث ہیں) یعنی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے میں دوست ہیں۔ ان میں آپس میں کتنی ہی ذاتی رنجش کیوں نہ ہو، لیکن اہل حق کے مقابلے میں سب کے سب اپنی رنجشوں کو بھلا کر، متحد ہو کر ایک پلیٹ فارم پر آجاتے ہیں۔

عہدِ حاضر میں یہود و نصاریٰ اس کی واضح مثال ہیں۔ اس لیے کہ عیسائیوں کو اپنے طور پر اس بات کا یقین ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دینے والے یہودی ہی ہیں اور یونہی۔۔ یہودی بھی بخوبی جانتے ہیں، کہ حضرت عیسیٰ کے عہد سے آج تک، ان کے اصل حریف عیسائی ہی رہے ہیں، جن کے ظلم و ستم کا وہ ہمیشہ شکار ہوتے رہے، اور جنہوں نے پوری دنیا میں ان کا ناطقہ بند کر کے رکھا تھا۔۔ بایں ہمہ۔۔ اسلام کے مقابلے میں دونوں ایسے مل گئے ہیں اور ایسے شیر و شکر نظر آ رہے ہیں، گویا ان میں کبھی کوئی اختلاف ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ اُن کا نقطہء اتحاد صرف اُن کا کفر ہے، خواہ اُن میں ہر ایک کے کفر کی نوعیت الگ الگ ہی ہو، لیکن 'الکفر ملة واحدة' کے قول کی روشنی میں، الگ الگ ہو کر بھی وہ ایک ہی ہیں۔ تو مسلمانو! تم بھی سوچو۔۔۔

(اگر تم نے یہ نہ کیا) یعنی تم کو آپس میں ملنے اور مدد و محبت کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس پر عمل نہیں کیا، **(تو ہوگا فتنہ زمین میں اور بڑا فساد)** دین میں۔ یعنی اگر مسلمان ایک دوسرے کے دوست نہ ہوں گے اور باہم ایک دوسرے کی مدد نہ کریں گے تو ان کے کام خراب ہو جائیں گے اور کافر ظہور کریں گے اور اُس سے بڑا فتنہ و فساد ہو سکتا ہے۔ اس سے تمہاری دنیا بھی خطرے میں آسکتی ہے، اور تمہارا دین بھی آزمائش میں پڑ سکتا ہے۔۔۔

حق تعالیٰ جب مہاجر اور انصار کی مدد اور وراثتِ باہمی کی خبر دے چکا، اور اس کے ترک پر تہدید کر چکا، تو دوبارہ ان کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے، ان کی ہجرت اور مددگاری کی جزاء کی خبر دیتا ہے۔ یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ آیت ۷۲ سے مقصود یہ تھا، کہ مہاجرین و انصار کے درمیان ولایت کو بیان کیا جائے اور آگے کی آیت ۷۴ سے مقصود یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کی تعریف و توصیف کی جائے، کیونکہ ان کا ایمان کامل ہے اور یہ برحق مومن ہیں۔ مہاجرین اولین نے ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا، انہوں نے اسلام کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا، عزیز و اقارب کو چھوڑا، مال و دولت اور مکانوں اور باغات کو چھوڑا۔ اسی طرح انصار نے بھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے لیے اپنے دیدہ و دل کو فرشِ راہ کیا۔۔ چنانچہ۔۔ ان دونوں کا ذکرِ خیر۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا

اور جو ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور جہاد کیا، اللہ کی راہ میں، اور جنھوں نے ٹھکانا دیا

وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

اور مدد کی، وہی ماننے والے ہیں حق۔ انکے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے●

(اور) تذکرۂ حسن یوں فرمایا گیا، کہ (جو ایمان لائے) اللہ و رسول پر (اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے، اور۔۔ یونہی۔۔ وہ پاک طینت (اور) پاکباز لوگ، (جنہوں نے) تصدیق و تسلیم کے بعد، (ٹھکانا دیا) مہاجرین کو (اور مدد کی) رسولِ مقبول کی مشرکوں سے قتال کرنے میں، (وہی) سچے (ماننے والے ہیں)، جو ماننے میں بالکل (حق) اور سچے ہیں۔ (ان کے لیے) خدا کی طرف سے (بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے)۔ ایسی اچھی روزی، جو بغیر محنت و منّت حاصل ہو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ

اور جو ایمان لائے اب پیچھے سے اور ہجرت کی، اور جہاد کیا تمہارے ساتھ،

فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

تو وہ تم میں سے ہیں۔ اور رشتہ والے ایک دوسرے سے زیادہ

فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

قریبی ہیں، اللہ کی کتاب میں۔ بے شک اللہ سب کچھ کا جاننے والا ہے●

(اور) رہ گئے وہ لوگ، (جو ایمان لائے اب پیچھے سے)، صلح حدیبیہ کے بعد، (اور ہجرت کی)، جیسے ابونصر اور ابوجندل وغیرہ، (اور جہاد کیا تمہارے ساتھ) یعنی مددگار رہوئے، (تو وہ) سب بھی (تم میں سے ہیں)۔۔ الختصر۔۔ پچھلے اور اگلے، ایمان اور ہجرت اور جہاد میں یکساں ہیں۔ (اور) اب جو رہ گئے ان میں (رشتہ والے)، تو وہ (ایک دوسرے سے زیادہ قریبی ہیں اللہ) تعالیٰ (کی کتاب) لوحِ محفوظ (میں)۔۔ یا۔۔ خود حکم الٰہی میں۔

یہ آیت اس گروہ کے باہم وارث ہونے کی ناسخ ہے، جو ہجرت اور نصرت کے سبب سے ایک دوسرے سے میراث لیتے تھے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (سب کچھ کا جاننے والا ہے)، یعنی میراثوں میں سے پہلے ہجرت اور نصرت کے سبب سے نسبت معتبر ہونے کی حکمت، اور پھر رحم اور قرابت کے معتبر ہونے کی حکمت،

ان ساری باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کو بخوبی ہے، کسی کو اس پر چون وچرا کرنے کی گنجائش نہیں۔ پہلا حکم بھی خدا ہی کی طرف سے تھا، اور دوسرا یہ حکم ناسخ بھی اسی کی طرف سے ہے۔ بندہ نواز جب چاہے اور جو چاہے کرے۔ بندوں کے لیے بحث وتکرار کی گنجائش نہیں۔ خدائی حکم کو بے چون وچرا قبول کر لینا ہی روحِ بندگی ہے۔ ہمارا بندہ نواز وہ ہے، جو ہم سے بہتر ہماری مصلحتوں اور بہتریوں کو جاننے والا ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۲ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔ ۷ رفروری ۲۰۱۰ء

بروز یکشنبہ بوقت ساڑھے بارہ بجے دن، سورۂ انفال کی تفسیر سے فراغت حاصل کر لی۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے باقی قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَۃِ حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ وَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

⁂ -- ⁂ -- ⁂ -- ⁂ -- ⁂

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج

۲۳ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۸ رفروری ۲۰۱۰ء

بروز دوشنبہ سورۂ توبہ کی تفسیر کا آغاز کر دیا۔
مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیقِ خیر عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَۃِ حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ وَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

سورۃ التوبۃ مدنیۃ

سورۃ توبہ مدنیہ آیات ۱۲۹ رکوع ۱۶

سورۂ توبہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اوراس میں ایک سوانتیس ۱۲۹ آیتیں ہیں۔اس کو 'توبہ'اس لیے کہتے ہیں، کہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مالک بن کعب، ہلال بن امیہ اورمرارہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توبہ قبول کرنے کاخصوصاًاورمومنین کی توبہ قبول کرنے کا عموماًذکرفرمایاہے۔اس سورہ کانام 'سورۂ برأت' بھی ہے۔کیونکہ 'البرأۃ' کے معنی کسی سے بری اور بیزار ہونا ہیں۔اوراس سورہ کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایاہے، کہ اللہ تعالیٰ اوراس کارسول ﷺ 'مشرکین سے بَری اور بیزار ہیں۔اسی سورہ میں مسلمانوں کومنافقین سے نجات دینے کی بھی بات کی گئی ہے، کیونکہ اس سورۃ میں منافقین کی سزاکے متعلق آیت نازل ہوئی، جس کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ نے چھتیس ۳۶ منافقین کونام لے لے کے مسجد نبوی سے نکال دیااورعذابِ قبر سے پہلے ہی، انہیں ذلت ورسوائی کے عذاب میں مبتلافرمادیا۔

۔۔الحتصر۔۔اِس سورۂ مبارکہ میں منافقین کےاحوال سے بحث کی گئی ہے،اوران کے مخفی نفاق کوظاہرکیاگیاہے۔۔الغرض۔۔ان کے نفاق کاپردہ چاک کرکے،انہیں رسواکردیاگیا ہے۔۔نیز۔۔ان کورسوائی کےعذاب سے ہلاک کردیاگیاہے۔اس لیےاس سورہ کو'سورۂ عذاب' بھی کہتے ہیں۔۔چونکہ۔۔'سورۂ توبہ' کومضامین کےلحاظ سے'سورۂ انفال' سےقوی مشابہت ہے،اِسی لیے'سورۂ انفال' کےبعدہی اُس کورکھاگیاہے۔کیونکہ اِن دونوں سورتوں میں اسلامی ملک کےداخلی اورخارجی احکام بیان کیےگئے ہیں،اورصلح وجنگ کےاصول اور قواعد بیان کیےگئےاورمومنین صادقین اورکفارومنافقین کےاحوال بیان کیےگئے ہیں۔اور دیگرممالک کےساتھ معاہدوں اورمواثیق کابیان کیاگیاہے۔

۔۔البتہ۔۔'سورۂ انفال' میں غیرمسلموں کےساتھ کیےہوئے معاہدوں کوپوراکرنے کا حکم دیاگیاہےاور'سورۂ توبہ' میں کفارکی طرف سےعہدشکنی کی ابتداءکی صورت میں ان معاہدوں کوتوڑنےکاحکم دیاگیاہے۔۔بلکہ۔۔اِس سورہ کی ابتداءہی اس حکم سےہوتی ہے، اوران دونوں میں یہ حکم دیاگیاہے، کہ مشرکین کومسجدِحرام میں آنے سے روکاجائےاوران دونوں سورتوں میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنےکی ترغیب دی گئی ہے،اورمشرکین اور اہل کتاب سےجہاداورقتال کاحکم دیاگیاہے،اورمنافقین کی سازشوں سےخبردارفرمایاگیا

ہے۔ اسی قوی مشابہت کی وجہ سے 'سورۂ توبہ'، 'سورۂ انفال' کے تتمہ کے حکم میں ہے۔ لیکن درحقیقت، یہ دونوں مستقل الگ الگ سورتیں ہیں۔

۔۔الختصر۔۔ 'سورۂ توبہ'، 'سورۂ انفال' کا جزء نہیں ہے۔ 'سورۂ توبہ' کے بکثرت اسماء ہیں، جو اُسے 'سورۂ انفال' سے ممیز اور ممتاز کرتے ہیں، اور عہدِ صحابہ سے آج تک، تمام مسلمان اس سورہ کو 'سورۂ انفال' سے الگ شمار کرتے ہیں۔ اِس سورۂ مبارکہ سے پہلے 'بسم اللہ شریف' نہیں لائی گئی، اس لیے کہ 'بسم اللہ شریف' میں رحمت کا بیان ہے، اور یہ 'سورۂ توبہ' قہر وجلال اور منافقین پر غیظ وغضب اوران سے بیزاری کے اظہار کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ رحمت وزحمت کو یکجا نہیں لایا جاتا۔

بلفظِ دیگر، 'بسم اللہ' امان کا سبب ہے، اور یہ سورۃ امان جاتے رہنے کے واسطے نازل ہوئی

۔۔الحاصل۔۔ 'سورۂ توبہ' کی تلاوت کے آداب میں سے یہ ہے، کہ لازمی طور پر اس سے پہلے 'بسم اللہ شریف' نہ پڑھی جائے، اِسی پر امت کا اجماع ہے۔ یہاں تک کہ اس سورۂ مبارکہ کی درمیانی کسی آیت کی تلاوت سے پہلے بھی 'بسم اللہ شریف' پڑھنے کو نامناسب قرار دیا گیا ہے۔ اِس کے سوا ہر سورہ کی کسی آیت سے پہلے، 'بسم اللہ شریف' پڑھنے میں اختیار ہے۔ پڑھی جائے تو ثواب ہے، نہ پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔۔ہاں۔۔ 'سورۂ توبہ' کے سوا ہر سورہ کی ابتداء 'بسم اللہ شریف' سے ضرور کی جائے۔

جب یہ سورہ نازل ہوئی، تو آنحضرت ﷺ نے سورۃ کے اوّل کی تین[۳۰] ۔۔یا۔۔ چالیس[۴۰] آیتیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے کر حاجیوں کا امیر کیا، اور فرمایا اہل موسم حج پر پڑھو۔ اور حضرت صدیق کے جانے کے چندروز کے بعد، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بُلا کر ناقہ عضباء پر سوار کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھیجا، اور حکم فرمایا، کہ ان سے آیتیں لے کر تم خود پڑھنا، اور جب لوگوں نے اس کی وجہ آپ سے دریافت کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا، کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا، کہ پیغام نہ پہنچائے، مگر آپ ۔۔یا۔۔ وہ شخص، جو آپ سے ہو، یعنی آپ کا قریب ترین ہو۔ اس لیے کہ عہد کو ختم کرنے کا اختیار، یا تو خود معاہدہ کرنے والے کو ہے، اور یا پھر اس کی طرف سے اس کے کسی قریبی عزیز کو ہے۔

۔۔الختصر۔۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔۔ چنانچہ۔۔ 'ترویہ' کے دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو مناسک حج تعلیم فرمائے

اور بقرعید کے دن، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمرۂ عقبہ کے قریب اہل موسم پر آیتیں پڑھیں۔
اس تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے عرب کے بعضے مشرکوں کے ساتھ عہد باندھا تھا، ہر ایک قوم سے ایک مدت معین تک کے لیے۔ ضمرہ اور بنی کنانہ کے سوا، اُن سب نے عہد توڑ ڈالا، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی، جس میں مشرکین سے ان کی عہد شکنی کے سبب بیزاری کا اظہار ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوا، کہ۔۔۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ ①

دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی، جن عہد شکن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا●

(دست برداری ہے اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کی) ان سے (جن عہد شکن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا)، تو اے سید المرسلین واشگاف انداز سے ان سے کہہ دو۔۔۔

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ

کہ چل پھر لو زمین میں چار مہینے، اور معلوم رہے کہ تم نہیں تھکا سکتے اللہ کو

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ②

اور بے شک اللہ کافروں کو رسوا فرمانے والا ہے●

(کہ چل پھر لو زمین میں) مسلمانوں کے تعرض سے بے خوف ہو کر (چار مہینے)، یعنی بقرعید کے دن سے، جو حکم پہنچنے کا دن ہے، ربیع الآخر کی دسویں تاریخ تک۔
اور بعض کا قول یہ ہے، کہ یہ آیت شوال کے شروع مہینے میں نازل ہوئی، تو چار مہینے کی مدت آخر محرم تک ہے۔ ایک قول کے مطابق جن لوگوں نے عہد شکنی کی تھی، ان میں سے بعضوں کی مدت چار مہینے سے بہت کم باقی تھی اور بعضوں کی مدت زیادہ باقی تھی، تو جن کی مہلت کم تھی، انہیں چار مہینے کی مہلت دی، کہ اپنے کام میں کچھ فکر کریں اور جن کی مدت چار مہینے سے زیادہ باقی تھی، ان کی مدت گھٹا کر چار مہینے کر دی، کہ اپنے کام میں تدبیر کر لیں اور جنہوں نے عہد شکنی نہیں کی، اُنہیں اُن کی مدت گزرنے تک امان دی، اور عہد توڑنے والوں کو کہا۔۔۔
(اور) ان پر واضح کر دیا، کہ تمہیں یہ (معلوم رہے کہ تم نہیں تھکا سکتے اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی تم اللہ کو اپنے اوپر عذاب کرنے سے عاجز ولاچار نہیں کر سکتے۔ ہر چند کہ اس نے تمہیں مہلت دے دی

ہے، مگر تم پر عذاب کرنے میں وہ عاجز نہیں ہے۔(اور) یہ بھی جان لو، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (کافروں کو رسوا فرمانے والا ہے) دنیا میں قتل کر کے اور آخرت میں زندہ رکھ کر اور جلا کر۔ دنیا میں ذِلت آمیز موت سے بچ نہیں سکتے اور آخرت میں موت آ نہیں سکتی، کہ ذِلت آمیز زندگی سے چھٹکارا ملے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ

اور کھلا اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کا لوگوں تک، حج اکبر کے دن،

اَنَّ اللّٰهَ بَرِىۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ وَرَسُوۡلُهٗ ؕ فَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَهُوَ

کہ بے شک اللہ بیزار ہے مشرکوں سے۔۔ اور اس کا رسول، تو اگر تم لوگوں نے توبہ کر لی، تو یہی

خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ۚ وَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ ؕ

بھلا ہے تمہیں۔ اور اگر منہ پھیرے رہے تو جانے بوجھے رہنا، کہ تم نہ تھکا پاؤ گے اللہ کو۔

وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۙ ﴿۳﴾

اور خبر دے دو جنھوں نے انکار کیا، دکھ دینے والے عذاب کا●

(اور) سن لو! کہ یہ (کھلا اعلان ہے اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کا)، جسے پہنچایا جا رہا ہے تمام (لوگوں تک حج اکبر کے) مبارک (دن) میں۔

یعنی بقرعید کے دن میں، جس دن حج تمام ہوتا ہے اور طواف، قربانی، بال منڈانا یا کترانا اور کنکریاں پھینکنا وغیرہ، بڑے افعال انجام دِیے جاتے ہیں۔ یہ عُمرہ کے پیش نظر جسے حج اصغر قرار دیا گیا ہے، حج اکبر ہی ہے۔۔یا۔۔اکبر اِس وجہ سے، کہ اہل کتاب کی عیدیں اِس دن کے موافق پڑی تھیں۔۔یا۔۔اِس وجہ سے، کہ اس دن مسلمانوں کی عزت اور کافروں کی ذِلت ظاہر ہوئی۔۔الغرض۔۔ایسے اہم دن میں سنا دو۔۔۔

(کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول)، یعنی اللہ و رسول دونوں ہی مشرکین اور ان کے عہدوں سے اپنی بے زاری و بے تعلقی ظاہر فرما رہے ہیں، (تو اگر تم لوگوں نے توبہ کر لی) اور باز آ گئے اپنے کفر اور بے وفائی سے، (تو) کفر و بے وفائی سے (یہی) باز آنا، (بھلا) اور بہت ہی اچھا (ہے تمہیں)۔ یعنی تمہارے حق میں اپنے کفر و بدعہدی پر قائم رہنے سے۔ (اور اگر منہ پھیرے رہے) اور سچی اور کھری توبہ کر کے کفر و بے وفائی کو نہ چھوڑا، (تو جانے بوجھے رہنا، کہ تم نہ

تھکا پاؤ گے اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی تم اللہ تعالیٰ کو عاجز ولاچار نہ بنا سکو گے۔ نہ تو تم اس کی گرفت اور شدید پکڑ سے اپنے کو بچا سکو گے، اور نہ ہی اس سے مقابلہ کر سکتے ہو۔

کافروں کے طرزِ فکر وعمل سے عام لوگ یہ محسوس کر سکتے ہیں، گویا وہ عذابِ الٰہی کو نعمت سمجھ رہے ہیں اور اس کے مشتاق ہیں، تو اے محبوب!۔۔ بشارت (اور خبر دے دو) اُن کو (جنہوں نے انکار کیا)۔ کس چیز کی بشارت؟ جس مزعومہ نعمت کے وہ مشتاق ہیں، یعنی (دکھ دینے والا عذاب کا) جو ان پر آخرت میں ہونے والا ہے، تا کہ وہ مزا چکھیں اُسکا عملاً جس کے طالب تھے۔

دراصل یہ بشارت کے لب ولہجے میں نذارت ہے۔ یعنی خوشخبری کے انداز میں ڈرانا اور خوف دلانا ہے۔ اب تک اللہ تعالیٰ نے عہد شکنی کرنے والوں کے تعلق سے احکام ارشاد فرمائے، اور جب عہد توڑنے والے کا حکم بیان فرما چکا، تو بنی ضمرہ اور بنی کنانہ کے باب میں فرماتا ہے، جنہوں نے حدیبیہ میں عہد کیا تھا اور عہد شکنی نہیں کی تھی ۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ

مگر جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا، پھر انھوں نے کچھ نہیں کمی کی، اور نہ

يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ

پیٹھ پر ہاتھ رکھا، تمہارے مقابلہ پر کسی کے، تو پورا کرلو ان کے معاہدہ کو میعاد تک۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾

بے شک اللہ پسند فرماتا ہے پرہیزگاروں کو●

اے محبوب! مذکورہ بالا عذاب ان کے لیے ہے جنہوں نے عہد شکنی کی، (مگر جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے کچھ نہیں کمی کی)، یعنی انہوں نے تمہارے عہد نہیں توڑے (اور نہ ہی (پیٹھ پر ہاتھ رکھا، تمہارے مقابلہ پر کسی کے) تمہارے دشمنوں میں سے۔ یعنی تمہارے قتال پر آمادہ کسی کی مدد اور پشت پناہی بھی نہیں کی، (تو پورا کرلو ان کے معاہدے کو میعاد تک)۔ یعنی ان کو ان عہد شکنوں کی طرح فقط چار ہی مہینے کی مہلت نہ دو۔۔ بلکہ۔۔ انہیں ان کے عہد کی میعاد کے باقی نو[۹] مہینے بھی پورا کر لینے دو۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (پسند فرماتا ہے پرہیزگاروں کو) اور عہد کو وفا کرنا اور اس

کی شرطیں پوری کرنا بھی تقویٰ و پرہیزگاری سے ہے۔
متقی کی چار نشانیاں ہیں: ﴿۱﴾۔۔حدود کی حفاظت۔ ﴿۲﴾۔۔انفاق فی سبیل اللہ۔
﴿۳﴾۔۔عہد وفا کرنا۔ ﴿۴﴾۔۔جو کچھ موجود ہو اس پر قناعت کرنا۔
۔۔اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے برأت کا اعلان فرمادیا تھا، اوران کو چار ماہ کی امان دی تھی، اوراب یہ ارشاد فرمارہا ہے، کہ چار ماہ گزرنے کے بعد مسلمانوں پر کیالازم ہے۔تو غور سے سنو، کہ۔۔۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے، توقتل کردو مشرکین کو جہاں تم ان کو پاجاؤ، اورانھیں پکڑو،

وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ

اورانھیں قید کرلو، اور بیٹھ جاؤ انکے لئے ہر تاک کی جگہ پر۔ پھر اگرانھوں نے توبہ کرلی اور

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ

نماز قائم کرنے لگے، اورزکوٰۃ ادا کیا کئے، تو چھوڑ دوان کی راہ۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے)۔

اس سے مراد یا تو وہ ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے قتال حرام تھا، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور قبیلہ مضر کارجب۔۔یا۔۔پھر مراد وہ مہینے ہیں، جن مہینوں کی مشرکین کو مہلت دی گئی۔ایک تحقیق کے مطابق وہ مہینے ۱۰ ذوالقعدہ سے لے کر ۱۰ ربیع الاوّل تک ہیں۔
(توقتل کردو) ان **(مشرکین کو)** جنہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی، اوران کو چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی۔۔یا۔۔جنہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی تھی، مگران کو معاہدے کی مدت پوری ہونے کی مہلت دی گئی تھی۔۔یا۔۔جن سے تم نے کوئی عہد نہیں کیا ہے۔۔الغرض۔۔ان سارے مشرکین کو حرم کے اندر۔۔یا۔۔باہر **(جہاں تم ان کو پاجاؤ)** قتل کردو **(اور)** جہاں تک ممکن ہو، **(انہیں پکڑو اورانہیں قید کرلو)**۔ ہر طرف سے ان کی ناکہ بندی کرلو، **(اور بیٹھ جاؤ ان کے لیے ہرتاک**

کی جگہ پر) جہاں سے ان پر نشانہ لگایا جاسکے۔۔الغرض۔۔ ہر طرف ان گزرگاہوں پر پہرہ بٹھادو، یعنی وہ جہاں سے گزریں، انہیں فوراً قتل کردو۔

اس سے کفار کو تنگ کرنا اور انہیں ذلیل وخوار کرنا مطلوب ہے۔

(پھر اگر) قتل وغارت اور قید وبند کی صعوبتوں سے خطرہ کھا کر (انہوں نے) شرک سے (توبہ کرلی)، اور ایمان لے آئے، (اور) اپنی توبہ کو پختہ کرنے کے لیے (نماز قائم کرنے) اور اُسے کماحقہٗ ادا کرنے (لگے، اور) پابندی کے ساتھ وقت معینہ پر (زکوٰۃ ادا کیا کیے)۔۔الغرض۔۔ عبادات بدنی اور عباداتِ مالی میں جو افضل ترین عبادات ہیں، ساری عبادتیں جن کے ضمن میں ہیں، ان سے غافل نہ رہے، یعنی اُن کی فرضیت کے اعتقاد سے ایک لمحہ کے لیے خالی نہ رہے۔۔المختصر۔۔ سارے فرائض اسلامیہ کی فرضیت کا اعتقاد مستحکم رکھا، (تو چھوڑ دو ان کی راہ)، یعنی اس کے بعد انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ان کے امورِ مذکورۂ بالا کے درپے نہ ہو، کیونکہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے اور بخشنے والا ہے ان کے گزرے ہوئے گناہ، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے انہیں ثواب بے حساب دینے میں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں ہر قسم کے مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن اِسی سورۂ توبہ کی آیت ۲۹ نے اس حکم سے ان اہل کتاب کو مستثنیٰ کردیا ہے، جو جزیہ ادا کریں۔

۔۔چنانچہ۔۔ کفار سے قتال کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کرلیں، تو اُن سے قتال نہ کرو۔ اور اگر وہ قبول نہ کریں، تو پھر اُن کو دعوت دو، کہ اپنا ملک چھوڑ کر دارِ مہاجرین میں منتقل ہوجائیں۔ اگر وہ یہ قبول کرلیں، تو ان سے قتال نہ کرو۔ اور اگر وہ اس کو قبول نہ کریں، تو پھر اسلام کی بالادستی کو قائم رکھنے اور خود ان کی جان ومال کی حفاظت کرنے کے خیال سے، ان سے جزیہ کا سوال کرو۔ اگر وہ اس کو قبول کرلیں، تو پھر ان سے قتال سے رک جاؤ۔ اور اگر وہ اس کو بھی قبول نہ کریں، تو پھر رضائے الٰہی اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان سے قتال کرو، اور اس بات کا ہمیشہ خیال رہے، کہ ان سے خیانت نہ کرو اور ان سے عہد شکنی نہ کرو، اور ان کا مثلہ نہ کرو اور ان کے بچوں کو قتل نہ کرو۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا تھا، کہ مشرکین کو جن مہینوں کی مہلت دی گئی ہے، اس مہلت کے گزر جانے کے بعد ان کو قتل کردینا چاہیے، کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی

حجت قائم ہوچکی ہے۔اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے ایسے دلائل و براہین بیان کردیے ہیں، جو ان کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں، اور اب ان سے صرف اسلام کا مطالبہ ہے۔۔یا۔۔پھر ان کو قتل کردیا جائے گا، اس لیے یہاں پر یہ شبہ پیدا ہوتا تھا، کہ اگر کسی کو دین اسلام کو سمجھنے کے لیے کسی مزید دلیل۔۔یا۔۔حجت کی ضرورت ہو، تو وہ آپ کے پاس اپنے اطمینان کے لیے نہیں آسکتا۔

اس شبہ کو دور کرنے کے لیے فرمایا، کہ اگر کوئی شخص اسلام کے متعلق اپنے شرح صدر اور اطمینانِ قلب کے لیے آنا چاہے، تو آپ اس کو اسلامی ریاست میں آنے کے لیے اجازت دیں، اور بعد میں جس جگہ وہ اپنے لیے امن اور عافیت سمجھتا ہے، وہاں اُسے پہنچادیں ۔۔الختصر۔۔ہر حال میں یہ خیال رہے۔۔۔

وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ

اور اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تمہاری، تو پناہ دو، یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کو، پھر اس کو پہنچادو

ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ ع

اس کے ٹھکانے، یہ اس لئے کہ یہ لوگ بے علم ہیں●

(اور) ملحوظِ خاطر رہے کہ (اگر کوئی مشرک) جن سے تعرض کرنا چاہیے، ماہ حرام گزر جانے کے بعد (پناہ مانگے تمہاری، تو) اُسے مایوس نہ کرو اور اسے (پناہ) دے (دو)، تاکہ وہ بے خوف ہوکر حاضر ہوجائے، (یہاں تک کہ) اسے موقع میسر آجائے، کہ (وہ سن لے کلام اللہ کو)، اور سمجھ لے اس کے پیغام کو، اور دور کرلے اس کے تعلق سے اپنے قلبی شکوک وشبہات کو، اور پھر ایمان سے مشرف ہوجائے۔اور اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے، تو (پھر اُس کو پہنچادو اُس کے) پُر اَمن (ٹھکانے) تک، یعنی اس کے گھر تک۔۔یا۔۔اُس جگہ تک جہاں وہ خود کو محفوظ و مامون سمجھے۔

۔۔الختصر۔۔اس کے ساتھ مقاتلہ نہ کرو۔(یہ) امان دینا صرف (اس لیے) ہے، (کہ یہ لوگ بے علم ہیں)، یعنی نہ تو یہ خدا کو جانتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اس کا کلام سنا ہے، **تو انہیں امان** دینا چاہیے تاکہ کلام الٰہی سن کر اس میں غور وفکر کریں۔

یہ بات اس مقام پر قابل غور ہے، کہ اسلام کے ظاہر ہونے اور حق و باطل میں امتیاز ہوجانے کے بعد۔۔۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ

کس طرح مشرکین کا کوئی عہد اللہ اور اس کے رسول کے یہاں ہو، مگر جن سے تمہارا

عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ

معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا۔ تو جب تک وہ اس پر تمہارے لئے جمے رہیں، تم بھی انکے لئے قائم رہو،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۞

بیشک اللہ محبوب رکھتا ہے پرہیز گاروں کو●

(کس طرح) بدعہدی و بے وفائی کے خوگر (مشرکین کا کوئی عہد اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کے یہاں ہو) سکتا ہے؟ (مگر) بنی ضمرہ اور بنی کنانہ۔۔الغرض۔۔ ماسوا ان لوگوں کے (جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس) 'مقام حدیبیہ' میں جو مکہ معظمہ کے قریب ہے، (ہوا۔ تو جب تک وہ) معاہدہ کرنے والے اپنے (اس) عہد (پر تمہارے) عہد کے پاس ولحاظ کے (لیے جمے رہیں) اور اپنے عہد پر استقامت برقرار رکھیں، تو (تم بھی ان کے لیے) اپنے عہد پر (قائم رہو)، اور اپنی طرف سے ان سے کسی طرح کی بدعہدی کا مظاہرہ نہ کرو۔ اور جان لو، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (محبوب رکھتا ہے پرہیز گاروں کو) اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے والے ایمان والوں کو۔ رہ گئے بدعہدی کے خوگر مشرکین، تو ان کے عہد کا کیسے اعتبار ہو سکتا ہے؟۔۔اور۔۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ

کیسی بات حالانکہ وہ چڑھ پائیں تم پر، تو نہ دیکھیں تمہاری کوئی قرابت، نہ کوئی عہد۔

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞

خوش کریں تم کو اپنی زبانی باتوں سے، اور ان کے دل نہیں مانتے۔ اور ان میں اکثر نافرمان ہیں●

ان کے عہد و پیمان والی بات (کیسی) اور کس طرح سچی (بات) ہو سکتی ہے؟ (حالانکہ) یعنی جب صورت حال یہ ہو، کہ اگر فتح پائیں (وہ) اور (چڑھ پائیں تم پر)۔۔المختصر۔۔ ان کو تم پر غلبہ حاصل ہو جائے، (تو نہ دیکھیں تمہاری قرابت) اور (نہ) ہی (کوئی عہد)۔ یعنی تمہارے باب میں حق قرابت کا لحاظ کریں اور نہ ہی وفائے عہد کا۔ یہ اپنی چرب زبانی سے تم کو فریب دینا چاہتے ہیں۔۔

چنانچہ۔۔انہوں نے یہی سوچ رکھا ہے، کہ (خوش کریں تم کو اپنی زبانی باتوں سے)۔اسی لیے تم سے ایمان واطاعت کا وعدہ کرتے ہیں اور میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں، (اوران کے دل نہیں مانتے) یعنی زبان سے جو وہ بات کرتے ہیں، دل اس کا منکر ہوتا ہے۔۔الغرض۔۔ان کے دلوں اور زبانوں میں یکسانیت نہیں، (اوران میں اکثر نافرمان ہیں)۔

یعنی وہ سب کے سب کافر و مشرک تو ہیں ہی، لیکن ان میں سے بعض مشرکین خود اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے بھی بدکار اور اخبث ہوتے ہیں۔۔مثلاً: وہ جھوٹ بولتے ہیں اور عہد شکنی کرتے ہیں، سو یہ مشرکین شرک کرنے کے علاوہ، خود اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے بھی فاسق ہیں اور دائرۂ فرمان سے باہر ہیں۔ان کا حال یہ ہے، کہ جب ابوسفیان نے بعضے مشرکوں کو مالِ دنیا کی طمع دے کر مسلمانوں کے ساتھ قتال کرنے کے واسطے جمع کیا تھا، تو وہ لوگ قرآنِ کریم کی تکذیب کرکے لالچ میں گرفتار ہو کر، مسلمانوں کو قتل کرنے کے درپے ہوئے۔۔تو۔۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ

لے لیا اللہ کی آیتوں کے بدلے قیمت ذلیل چیز کو، پھر روک پیدا کی اللہ کی راہ سے۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑨

بے شک ان کے برے کرتوت رہے●

(لے لیا) ان مشرکین نے (اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کے بدلے) اور قرآنی ہدایات پر ایمان لانے کے عوض بطور (قیمت، ذلیل چیز کو)۔یعنی دُنیا کی حقیر اور فنا ہو جانے والی پونجی کو۔(پھر روک پیدا کی اللہ) تعالیٰ (کی راہ) اطاعت اپنانے (سے)۔۔یا۔۔رکاوٹ بن گئے خانۂ خدا کے حج کی راہ میں۔۔۔انہی سے ملتی جلتی حالت رہی قوم یہود کی، جنہوں نے پیغمبر سے کیا ہوا عہد توڑا اور توریت کی آیتیں تھوڑی قیمت پر بیچ کر، یعنی آیتوں کے بدلے میں رشوت لے کر لوگوں کو دین اسلام کی متابعت سے منع کرتے تھے۔۔۔(بے شک ان کے بُرے کرتوت رہے)۔جو کام وہ کیا کرتے تھے، بُرا ہی کرتے تھے۔اُن کی یہ حالت رہی کہ اپنے غلبہ پانے کی صورت میں۔۔۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩

پرواہ نہ کریں مومن کے حق میں کسی رشتہ کا اور نہ معاہدہ کا، اور وہی لوگ سرکش ہیں●

(پرواہ نہ کریں مومن کے حق میں کسی رشتہ کا اور نہ معاہدے کا)، یونہی یہودیوں کی بھی یہی روش رہی ہے، کہ وہ ایمان والوں کے حق میں، نہ اپنی کسی قسم کا لحاظ کرتے، اور نہ ہی اپنے کسی عہد کا۔ (اور) دیکھ لو یہ سب کے سب (وہی لوگ) ہیں، جو شرارت و زیادتی میں حد سے گزرنے والے (سرکش ہیں)۔ یہ سارے کتنے ہی بڑے سرکش کیوں نہ ہوں، مگر ابھی ان کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔۔تو۔۔

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ‌ؕ

پھر اگر انھوں نے توبہ کرلی اور نماز قائم کرلی، اور زکوٰۃ دیا کیے، تو تمہارے بھائی ہیں دین میں،

وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اور ہم تفصیل فرماتے ہیں آیتوں کی انکے لئے جو علم رکھتے ہیں●

(پھر اگر انہوں نے) سچی اور کھری (توبہ کرلی، اور نماز) کماحقہٗ (قائم کرلی، اور زکوۃ) حسب دستور (دیا کیے)۔۔الغرض۔۔ایمان لاکر تمام فرائض اسلامیہ پر عمل کو اپنے عقیدہ و عمل کا حصہ بنالیا، (تو) پھر یہ (تمہارے بھائی ہیں دین میں)۔ انہیں بھی وہی ہے، جو تمہیں تھا۔ اور اُن پر بھی وہی ہے، جو تم پر ہوگا۔ یعنی اسلامی جملہ اوامر ونواہی کے تم دونوں ایک ہی طرح سے مخاطب ہوگے۔ جو تم پر فرض ہے، وہ ان پر فرض ہوگا، اور جو تمہارے لیے حرام ہے، وہ ان کے لیے بھی حرام ہوگا۔ دونوں کے شرعی حقوق برابر ہوں گے، اِس طرح تم آپس میں گویا حقیقی بھائی ہوگئے۔ مسلمانو! ہمارے جملہ ارشادات پر غور وفکر کرتے رہو، (اور) اچھی طرح سمجھ لو، کہ (ہم تفصیل فرماتے ہیں آیتوں کی ان کے لیے، جو علم رکھتے ہیں) اور غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا

اور اگر توڑ ڈالا اپنی قسموں کو عہد کرنے کے بعد، اور چوٹ شروع کردی تمہارے دین میں، تو مار ڈالو

اَئِمَّةَ الۡـكُفۡرِ‌ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ﴿۱۲﴾

کفر کے سرغنوں کو۔ بے شک ان کی کوئی قسم نہیں، کہ اب تو رکیں●

(اور) اب (اگر) مشرکین نے (توڑ ڈالا اپنی قسموں کو عہد کرنے کے بعد، اور چوٹ شروع

کردی تمہارے دین میں)، یعنی احکام اسلام میں عیب جوئی کرنے لگے اور تمہارے دین پر طنز کرنے لگے، تو یہ واضح اشارہ ہوگا اس بات کی طرف، کہ وہ روحِ سعادت سے خالی ہو چکے ہیں، اور ہدایت کی توفیق سے محروم ہو چکے ہیں۔ (تو) اس صورتِ حال میں قتل کر کے (مار ڈالو) ابوسفیان ابن حرب، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، اور سہیل بن عمرو جیسے (کفر کے سرغنوں) اور مشرکوں کے سرداروں (کو)، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اللہ سے عہد کر کے توڑا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکال دینے کا قصد کیا۔ (بے شک اُن کی کوئی قسم) لائق اعتبار (نہیں)۔ اُن کو سبق سکھانے کے لیے ایسا کرنا اس لیے ضروری ہے، (کہ) ہوسکتا ہے کہ اُن کے بعض افراد (اب تو) شرک سے باز رہیں اور دین میں طعن کرنے سے (رکیں)۔ مسلمانو! ذرا سوچو تو، کہ۔۔۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ

کیا نہ قتل کر ڈالو گے ان کو جنھوں نے اپنی قسمیں توڑیں، اور سازش کی رسول کے نکالنے کی، اور انھیں نے ابتدا کی تم سے

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾

پہلی بار۔ کیا تم انھیں ڈرتے ہو؟ تو اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو، اگر اس کے ماننے والے ہو●

(کیا نہ قتل کر ڈالو گے ان کو جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں) اور حدیبیہ میں جو عہد و پیمان ہوا تھا، اس کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔ انہوں نے حدیبیہ میں جو عہد و پیمان کیا تھا، ان میں ایک عہد یہ تھا، کہ وہ تم سے جنگ نہیں کریں گے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔۔۔ بااین ہمہ۔۔۔ قریش نے اپنے حلیف بنی بکر کی ہتھیاروں اور آدمیوں سے مدد کی، نبی کریم کے حلیف بنی خزاعہ کے مقابلے میں، اور اس طرح اپنا عہد خود ہی توڑ دیا۔

اور اگر عہد توڑنے والوں سے یہود اور بنی قریظہ مراد ہوں، تو انہوں نے بھی احزاب میں ابوسفیان اور اس کے گروہ کی مدد کر کے عہد شکنی کی تھی۔

۔۔۔ الختصر۔۔۔ یہ عہد شکن وہ ہیں، جو اپنے عہد و پیمان کا پاس ولحاظ نہ کر سکے۔ (اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ (سازش کی رسول کے نکالنے کی)۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ مکہ معظمہ میں 'دار الندوۃ' میں بیٹھ کر اس کے تعلق سے باہم مشورہ کیا۔

ایک روایت کی روشنی میں جس سازش کا ذکر ہے، وہ یہ تھی کہ انہوں نے حدیبیہ کے موقع

پر یہ ارادہ کیا، کہ اوّلاً: نبی کریم کو عُمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ میں آنے دیا جائے، پھر عُمرے کے ارکان پورے ہونے سے پہلے ہی، ان کو رسوا و ذلیل کرنے کے لیے، مکہ سے نکال دیا جائے۔ اِس طرح آپ کو بڑی ہی سُبکی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قریش اپنا یہ ارادہ پورا کرنے سے قاصر رہے۔ ایک قول کی بنیاد پر عہد شکن سے یہود مراد ہیں، جنہوں نے پیغمبر اسلام کو مدینے سے باہر کردینے کا ارادہ کیا تھا۔

۔۔الختصر۔۔ مسلمانو! عہد شکنی کی ابتداء تم سے نہیں ہوئی، (اور) تم نے عہد نہیں توڑا، بلکہ (اُنہیں نے ابتداء کی تم سے پہلی بار) عہد توڑنے میں۔ تو (کیا تم انہیں ڈرتے ہو؟) اوران سے محاربہ اور لڑائی کرنے سے خوف زدہ ہو؟ (تو) سن لو، کہ (اللہ) تعالیٰ (زیادہ حقدار ہے، کہ اس) کے عذاب (سے ڈرو) اور کفار کے قتال کو ترک کر کے اس کے عذاب کے مستحق نہ ہو، تو ان عہد شکن کافروں سے لڑائی میں مشغول ہو جاؤ (اگر اس) خدائے عزوجل (کے ماننے والے ہو)، اور تمہارا اس پر ایمان ہو، کہ جس کام کا حکم ہے، اُس کے ترک میں عذاب الٰہی ہوگا۔۔ تو پھر۔۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ

جہاد کروان سے، عذاب دے گا ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے، اور انھیں رسوا کریگا۔ اور تمہاری مدد فرمائیگا ان پر۔

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور آرام دیگا مسلمان قوم کے سینوں کو●

(جہاد کروان) مشرکین (سے) اور کچھ فکر نہ کرو اور یقین جانو، کہ (عذاب دے گا ان کو اللہ) تعالیٰ (تمہارے ہاتھوں سے)۔ یعنی تمہاری تلواروں سے وہ مقتول ہوں گے۔ (اور) تمہارا مقہور و مغلوب فرما کے (اُنہیں رسوا کرے گا۔ اور تمہاری مدد فرمائے گا ان پر)۔۔الختصر۔ تم قاہر رہو گے، وہ مقہور۔ تم غالب رہو گے، وہ مغلوب۔ اور تم عزیز رہو گے، اور وہ ذلیل۔ ایک طرف تو ربِ قدیر ان کافروں کو رسوا و ذلیل فرمادے گا، (اور) دوسری طرف اپنے فضل و کرم سے (آرام دے گا مسلمان قوم کے سینوں کو)۔

۔۔ چنانچہ۔۔ بنی خزاعہ کو۔ یا۔ یمن کی ایک جماعت کو، جو مکہ میں آکر اسلام لائے تھے اور جنہیں مشرکین نے بہت ہی اذیت پہنچائی تھی۔ انہوں نے جب بارگاہِ رسالت میں شکایت

پیش کی، تو آپ نے انہیں بشارت دی، کہ بشارت ہو تمہیں کہ خوشی البتہ قریب ہے۔ یعنی اللہ کے رسول نے انہیں بشارت سنائی، کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو سکون عطا فرمائے گا۔۔۔

وَ یُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْؕ وَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُؕ

اور دور کردے گا ان کے دلوں کے غصے کو، اور توبہ قبول فرمالیتا ہے اللہ جس کی چاہے۔

وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۵﴾

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور) کافروں پر فتح عطا فرما کر (دور کردے گا ان کے دلوں کے غصے کو)۔۔الغرض۔۔اس فتح وکامیابی کے بعد کافروں کی ایذا رسانی سے ان کی جو رنجیدہ خاطری تھی، وہ جاتی رہے گی۔۔بلکہ۔۔ اپنی شانِ کریمی سے معاف فرمادیتا ہے (اور توبہ قبول فرمالیتا ہے اللہ) تعالیٰ (جس کی چاہے) ان کافروں میں سے بھی۔

۔۔چنانچہ۔۔ابوسفیان، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ ایمان لائے۔رب کریم نے ان سب کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، اور جاننے والا ہے بعض کی توبہ کو، اور (حکمت والا ہے)، یعنی حکم فرمانے والا ہے توبہ قبول ہونے کا۔

ذہن نشین رہے، کہ خبیث وطیب کو ایک دوسرے سے ممتاز کردینا، اور پھر اس طرح دوسروں کو اچھوں اور بروں کی معلومات کرادینا، سنتِ الٰہیہ رہی ہے۔۔۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا

کیا تم نے خیال کرلیا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ اللہ نے ابھی معلوم نہیں کرایا جنھوں نے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةًؕ

تم میں سے جہاد کیا۔ اور نہیں بنایا اللہ ورسول اور قوم مسلم کو چھوڑ کر، کوئی رازدار۔

وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۠ ﴿۱۶﴾

اور اللہ باخبر ہے جو کرتے ہو●

ع ۸

تو اے وہ مسلمانو! جو کافروں کے ساتھ لڑائی سے کراہت رکھتے ہو۔۔یا۔۔اے وہ منافقو! جو

مسلمانوں کے ساتھ طوعاً وکرہاً لڑائی میں شریک ہوتے ہو، (کیا تم نے خیال کرلیا، کہ) صرف، 'ہم ایمان والے ہیں' کہہ دینے سے (چھوڑ دیے جاؤ گے) اور تمہاری آزمائش نہ ہوگی، اور تمہارے ایمان کے کھرے اور کھوٹے ہونے کو ظاہر نہ کیا جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ خدائے علیم وخبیر کے علم ازلی میں سب کچھ ہے، لیکن تمہاری اچھائیاں اور بُرائیاں تمہیں بھی معلوم ہونا چاہئیں، تاکہ تم سمجھ سکو کہ تمہیں آخرت میں جزاء کس بات کی مل رہی ہے اور سزا کس جرم پر دی جارہی ہے۔

تو اس وہم وخیال میں نہ رہو، کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے۔ بھلا تم کیسے چھوڑ دیے جاؤ گے؟ (حالانکہ اللہ) تعالیٰ (نے ابھی معلوم نہیں کرایا) ان کے تعلق سے (جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور نہیں بنایا اللہ) تعالیٰ (ورسول اور قوم مسلم کو چھوڑ کر کوئی راز دار)۔ المختصر۔ صرف ایمان کا دعویٰ کرنے سے تم چھوٹ نہ جاؤ گے، جب تک کہ خدا تمہارے جہاد میں شریک ہونے اور کافروں سے دوستی اور ان سے رازدارانہ تعلقات نہ رکھنے کو ظاہر نہ فرمادے، اور سب کو مخلص ومنافق کی معلومات نہ کرادے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے جو کرتے ہو)، یعنی جو چیز تم کرتے ہو اور جو تمہاری غرض ہوتی ہے، وہ اُسے معلوم ہے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر جب حضرت عباس قید ہوئے، تو مسلمانوں نے انہیں شرک وکفر میں مبتلا رہنے اور قرابتداری چھوڑنے کی ملامت کی، تو حضرت عباس بولے، کہ تم لوگ ہماری برائیاں بیان کرتے ہو اور ہماری بھلائیوں کا کچھ ذکر ہی نہیں کرتے، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بولے، کہ تم میں کیا بات ہے جسے ہم بھلائیوں میں شمار کرسکیں۔ وہ بولے کہ ہم مسجد حرام کی آبادی پر مستعد اور قائم رہتے ہیں، اور خانۂ کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں، اور حاجیوں کو زمزم پلاتے ہیں، اور قیدیوں کو رہا کرتے ہیں۔ اس پر ارشادِ ربانی ہوتا ہے، کہ۔۔۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

مشرکین کا کام نہیں ہے کہ آباد کریں مسجدیں اللہ کی، گواہی دیتے ہوئے اپنے اوپر

بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۷

کفر کی۔ ان لوگوں کا کیا دھرا اکارت ہوگیا۔ اور دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(مشرکین کا کام نہیں ہے، کہ آباد کریں مسجدیں اللہ) تعالیٰ (کی، گواہی دیتے ہوئے اپنے اوپر کفر) اور بت پرستی۔۔۔ نیز۔۔۔ پیغمبر اسلام کی تکذیب (کی)۔

۔۔الختصر۔۔دو مخالف کام اکٹھا نہ کرنا چاہئیں۔تو خانہءکعبہ کی آبادی اور غیر خدا کی پرستش، یہ دونوں چیزیں اکٹھا نہیں ہوسکتیں۔رسول اللہ کا انکار کر کے بیت اللہ کی خدمت، کوئی معنی نہیں رکھتی۔

۔۔الغرض۔۔ان کافروں کے انہی کفریات کی وجہ سے **(ان لوگوں کا کیا دھرا) سب (اکارت ہوگیا)** جن پر وہ فخر کرتے تھے، کہ ہم مسجد آباد کرتے ہیں اور زمزم پلاتے ہیں، **(اور) اپنے اسی کفر کے سبب سے (دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں)**۔۔الحاصل۔۔ان مزعومہ اور موہومہ نیکیوں سے انہیں کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ بھلا ان مشرکین کو مساجد کی تعمیر اور ان کو آباد کرنے سے کیا علاقہ ہے؟ اور وہ ان کاموں کے حقدار کیسے ہوسکتے ہیں؟ اس لیے کہ سچی بات تو یہ ہے، کہ۔۔۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

اللہ کی مسجدیں وہ آباد کرتے ہیں، جو ایمان لے آئے اللہ پر اور پچھلے دن

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰۤئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا

پر اور قائم کی نماز اور دی زکوٰۃ، اور نہ ڈرا سوا اللہ کو، تو قریب ہے کہ وہ

مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۸

ہدایت والے ہوں●

(اللہ) تعالیٰ (کی مسجدیں)، تو (وہ آباد کرتے ہیں، جو ایمان لے آئے اللہ) تعالیٰ (پر)۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان، کامل اور پورا ہو ہی نہیں سکتا، جب تک کہ اس کے رسول پر ایمان نہ لائے۔ اس لیے کہ کسی چیز پر ایمان لانے سے پہلے اس چیز کا علم ضروری ہے۔ کیونکہ جسے جانیں گے ہی نہیں، اُسے مانیں گے کیسے؟ اور علم کے لیے ذریعہءعلم درکار ہے۔

اُسی معرفت الٰہی کے اس ذریعہ کا نام جس کو خود خدا نے اپنے علم اور اپنی معرفت کے لیے مبعوث فرمایا، نبی و رسول ہے۔ تو رسول کو جانے، پہچانے اور مانے [illegible] ہی نہیں جاسکتا۔ اور ظاہر ہے جو خدا کی توحید کو تسلیم نہ کرے، اس کو کیا حق خدا کی عبادت کے نام پر کسی مسجد اور عبادت گاہ کی تعمیر کرے، اور مسجد آباد کرنے کے نام پر غیر خدا کی پرستش کا اڈہ بنا ڈالے۔

(اور) ایسے ہی مساجد کو تعمیر کرنے اور ان کو آباد رکھنے کا حق اسی کو ہے، جو ایمان لے آئے

(پچھلے دن) یعنی روزِ قیامت اور وہاں کی جزاء سزا۔۔نیز۔۔وہاں کے حساب کتاب (پر)۔مساجد بنانے کے لیے قیامت پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے، کہ جس شخص کا قیامت پر ایمان نہیں ہوگا، اس شخص کے لیے اللہ کی عبادت کا کوئی محرک اور باعث نہ ہوگا۔ (اور) اِسی طرح مساجد کی تعمیر اُسی کے لائق ہے، جس نے (قائم کی نماز)، یعنی کماحقہٗ دائمی طور پر نماز ادا کرتا رہا۔اس لیے کہ جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو، اُس کے لیے مسجد بنانا، خود اُس کی نظر میں کارِ عبث ہوگا۔

(اور) قانونِ الٰہی کے مطابق (دی زکوٰۃ)۔زکوٰۃ ادا کرنا اس کے لیے اس لیے ضروری ہے، کہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے بدن کی طہارت ضروری ہے، اور نماز کے لیے وضو اور پاک صاف لباس ضروری ہے، اور اس کے لیے مال خرچ کرنا ہوگا۔اور اس کے لیے فراخ دلی سے مال وہی خرچ کرے گا، جو زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔۔نیز۔۔فقراء مساکین اور مسافروں کو زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اور مسجد کے نمازیوں میں فقراء مساکین، مسافر اور دیگر مستحقین زکوٰۃ ہوتے ہیں، اور مسجد میں آنے والوں کو انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ان امورِ مذکورہ بالا اوصاف کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ مساجد کی تعمیر (اور) ان کو آباد کرنا اُسی کا کام ہے، جو (نہ ڈرا سوا اللہ) تعالیٰ کے کسی (کو)۔یہ نہ ڈرنا اس لیے بھی ضروری ہے، کہ بعض اوقات غیر مسلم مسجد بنانے میں مزاحم ہوتے ہیں، ایسے میں مسجد بنانے کی جرأت وہی شخص کرے گا، جو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو۔۔نیز۔۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے، کہ مسجد بنانے والا نام ونمود اور اپنی تعریف و شہرت کے لیے مسجد نہ بنائے، بلکہ صرف اللہ عزوجل کی رضا اور خوشنودی کے لیے مسجد بنائے۔

۔۔الحاصل۔۔جن میں مذکورہ بالا کمالاتِ علمیہ اور کمالاتِ عملیہ جمع ہو جائیں، (تو قریب ہے کہ وہ ہدایت والے ہوں)۔

اور جب ایسے کمالات والوں کا بھی راہِ ہدایت پر آنے کا ذکر، 'صیغہ توقع' کے ساتھ کیا جائے، اور انہیں بھی لَعَلَّ اور عَسٰی، یعنی 'امید ہے' اور 'قریب ہے'، کے درمیان دائر رکھا جائے، تو پھر وہ لوگ جو ہر طرح سے ناقص ہیں، ان کا کیا حال ہوگا۔۔تو اپنے اعمال پر مغرور ہونے اور اُن پر بھروسہ کرنے سے مومنوں کو اس آیت میں ممانعت کی گئی ہے، اس واسطے کہ جو شخص اپنے اعمال پر مغرور ہے، وہ فیضِ ازل سے دور ہے۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مساجد کی تعمیر اور پھر اس تعمیر کرانے کے

حقداروں کا ذکر فرمایا گیا، اور اب آگے یہ تنبیہ فرمائی جارہی ہے، کہ اگرچہ حرم کی تعمیر اور مسافرانِ حرم کی تواضع ایک اچھی چیز ہے، لیکن اس مقام پر گمان کرلینا صحیح نہیں، کہ ان کاموں سے افضل اور کوئی کام نہیں ۔۔لہٰذا۔۔ مشرکین اس خام خیالی میں نہ رہیں، کہ کعبہ کی دیکھ بھال اور حجاج کو پانی پلانا، وغیرہ اللہ پر ایمان لانے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔

۔۔یونہی۔۔ اسیرانِ بدر میں ہونے کے بعد حضرت عباس کا مسلمانوں سے یہ کہنا، کہ ہرچند تم اسلام کے قبول کرنے میں اور ہجرت کرنے میں اور جہاد کرنے میں ہم پر سبقت کرچکے ہو، مگر ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں، حجاج کو پانی پلاتے ہیں، اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، تو ہم بھی کارِ خیر میں تم سے کچھ کم نہیں، یہ خیال اس وقت ان کی اپنی سوچ کے لحاظ سے کتنا ہی معقول کیوں نہ ہو، لیکن حقیقتِ حال کچھ اور ہی ہے۔ اس لیے کہ یہ سارے مذکورہ بالا اعمال 'ایمان باللہ' اور 'جہاد فی سبیل اللہ' کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتے۔۔لہٰذا۔۔ ہر عہد کے پاسبانِ حرم کو اپنی خدمات پر فخر و غرور نہیں کرنا چاہیے اور اُسی کو اپنی نجات کے لیے کافی نہیں سمجھ لینا چاہیے۔

اِسی لیے عہدِ رسالت میں جب ایک شخص نے کہا، کہ اسلام قبول کرلینے کے بعد مجھے کسی اور عمل کی ضرورت نہیں، سوا اس کے کہ میں حجاج کو پانی پلاتا رہوں۔ دوسرے شخص نے کہا، کہ مجھے اسلام لانے کے بعد کسی اور عمل کی ضرورت نہیں، مگر میں مسجد حرام کی زیارت کرتا رہوں گا اور اس کو آباد رکھوں گا۔ تیسرے شخص نے کہا، کہ تم نے جو چیزیں بیان کی ہیں، ان سب سے جہاد کرنا زیادہ افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو ڈانٹا، کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آواز بلند نہ کرو، جمعہ کی نماز ہوجانے دو، میں اس مسئلے کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے دریافت کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی، اور آیت کا نزول ہوگیا۔

اس آیت کریمہ نے اگر ایک طرف مشرکین کی خام خیالی کا جواب دے دیا، تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی ان کی پریشاں خیالیوں سے نجات عطا فرمادی، اور سب پر حق واضح کردیا، اور صاف صاف لفظوں میں فرمادیا۔۔۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

کیا بنادیا تم لوگوں نے حاجی کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا، اس شخص کی طرح، جو ایمان لایا اللہ پر،

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

اور پچھلے دن پر، اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔ یہ سب برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک،

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۹

اور اللہ راہ نہیں دیتا اندھیر مچانے والی قوم کو---●---

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں، اپنے مال

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۲۰

و جان سے، ان کا بہت بڑا درجہ ہے اللہ کے نزدیک۔ اور وہی لوگ بامراد ہیں●

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۲۱

ان کو خوشخبری دیتا ہے ان کا رب، اپنی رحمت اور خوشنودی کی، اور جنتوں کی، جس میں انکے لیے نعمت ہے دوامی●

(کیا بنادیا تم لوگوں نے حاجی کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا) اور ایسا کرنے والے کو (اس شخص کی طرح، جو ایمان لایا اللہ) تعالیٰ (پر اور پچھلے دن پر، اور جہاد کیا اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)۔ یاد رکھو، کہ (یہ سب برابر نہیں ہیں اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک)۔۔المختصر۔۔اصحابِ نار، اصحابِ جنّتہ کی طرح کبھی نہیں ہوسکتے۔۔یونہی۔۔کوئی بھی عمل 'ایمان باللہ' اور 'جہاد فی سبیل اللہ' کی طرح نہیں ہوسکتا۔ آخر گمراہ، ہدایت یافتہ کی طرح کیسے ہوسکتا ہے۔سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا اندھیر مچانے والی قوم کو)۔۔چنانچہ۔۔وہ بھٹکتے رہتے ہیں۔ان کے برخلاف۔۔۔

(جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مال وجان سے، ان کا بہت بڑا درجہ ہے اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک، اور وہی لوگ) جن میں یہ اوصاف وکمالات پائے جاتے ہیں، دونوں جہاں میں (بامراد ہیں)۔ یہ ایسے خوش نصیب ہیں، کہ۔۔۔

(ان کو خوشخبری دیتا ہے ان کا رب اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور جنتوں کی جس میں ان کے لیے نعمت ہے دوامی) اور وہ۔۔۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۲۲

ہمیشہ ہمیش رہنے والے اس میں۔ بیشک اللہ، اس کے یہاں بڑا اجر ہے●

(ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔ (اس میں) ایسی نعمتیں، ہیں جو کبھی منقطع نہ ہوں گی اور ایسا قیام جس کی کوئی انتہا نہیں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ، (اس کے یہاں) ان کے لیے (بڑا اجر ہے)، کہ دنیا کی ساری نعمتیں اس کے سامنے حقیر ہیں۔ سوچنے کی بات ہے، کہ جنت میں جو نعمت، رحمت، اور رضامندی ہوگی، اس سے بہتر کون سی نعمت ہوگی۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ رحمت گنہگاروں کے واسطے ہے، اور رضوان یعنی رضامندی اطاعت شعاروں کے لیے ہے، اور جنت سب مسلمانوں کے واسطے ہے۔ رحمت کو خدا نے اس لیے پہلے ذکر فرمایا، کہ گنہگار اپنے دل میں مایوس اور ناامید نہ ہوں، اس واسطے، کہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، رحمت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

سابقہ آیات میں ہجرت و جہاد کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، اور مہاجرین ومجاہدین کی رفعتِ شان اور ان کی فیروز بختی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور اب اگلی آیت میں بعض کمزور دلوں اور سادہ لوحوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے، اور ہجرت کے تعلق سے ان کے خیالات پیش کیے جارہے ہیں۔ اور پھر بطریق احسن، انہیں ہدایت ونجات اور نبی کریم ﷺ سے سچی اور کھری وفاداری کی راہ دکھائی جارہی ہے۔ اور ان پر وہ حقیقت واشگاف کی جارہی ہے، جو دارین کی صلاح وفلاح، اور دونوں جہاں کی خوش بختیوں کی ضامن ہے۔

۔۔المختصر۔۔ جب حضرت رسول اکرم ﷺ کو ہجرت کی اجازت ہوئی، تو جو صحابہء کرام میں، اپنی اولوالعزمی کی خاص پہچان رکھتے تھے، انہوں نے اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا ۔۔چنانچہ۔۔ انہوں نے گھربار، زن وفرزند کی محبت، اعزا واقربا کی مصاحبت، پر ہجرت کو ترجیح دی۔ مگر مسلمانوں میں بعض ایسے بھی تھے جن کے ماں، باپ، عزیز، قریب اور عیال واطفال رو پیٹ کر اور قسمیں دے دے کر، ان کو اس بات پر آمادہ کرنے پر لگ گئے، کہ وہ ہجرت نہ کریں، بلکہ اپنے شہر اور اپنے ہی گھر میں آرام سے ٹھہر جائیں۔

اپنوں کے اصرارِ بلیغ اور زن وفرزند کی محبت نے ان کے دلوں میں تردد پیدا کردیا، اور وہ سوچ میں پڑ گئے، کہ کیا کریں؟ اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کر بیٹھیں، ارشادِ الٰہی نازل ہوا، جس میں تمام مومنین سے خطاب ہے اور اس کا حکم قیامت تک کے لیے باقی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی [illegible] میں جو کافر مسلمانوں کی اجازت سے رہتے ہیں، ان کے [illegible]

کرنے اور مزدوری کرانے اور ملکی، ملی اور سماجی امور میں ان سے تعاون کرنا جائز ہے۔
آیت میں بیٹوں کا ذکر نہیں، کیونکہ وہ باپ کے تابع ہوتے ہیں۔۔یونہی۔۔جن مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ قتال نہ کیا ہو، اور نہ کوئی اور ظلم کیا ہو، ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا جائز ہے، کہ۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

اے وہ جو ایمان لا چکے! نہ بناؤ اپنے باپ دادوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست، اگر انھوں نے پسند کرلیا

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

کفر کو ایمان پر۔ اور جو دوستی رکھے ان کی تم میں سے، تو وہی ہیں اندھیر کرنے والے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے! نہ بناؤ اپنے باپ دادوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست، اگر انہوں نے پسند کرلیا کفر کو ایمان پر)۔ان کو تو چاہیے یہ تھا، کہ خود حق کے پیغام کو قبول کرتے اور ایمان لاتے۔ اس کے برعکس وہ کر یہ رہے ہیں، کہ خود کفر پر قائم رہ کر پورے شہر کی فضا کو خراب کر رکھا ہے، اور مسلمانوں کو امن وسکون کی جگہ کی طرف ہجرت کرنے سے بھی روک رہے ہیں۔تو یہ نہ تمہاری دنیا کے خیر خواہ ہیں، اور نہ ہی دین کے۔

ایمان والو! ایمان لا کر تم نے خدا و رسول کی سچی محبت اور والہانہ وفاداری کا عہد کرلیا ہے، تو اب اللہ و رسول کی محبت پر کسی کی بھی محبت غالب نہ آنے پائے۔جس کی خاص پہچان یہ ہے، کہ تم اپنے کو خدا و رسول کی غیر مشروط اطاعت میں ایسا لگا دو، کہ خدا و رسول کے سوا کسی کی بھی ایسی اطاعت نہ کرو جس میں خدا و رسول کی نافرمانی ہو رہی ہو۔۔الغرض۔۔کسی کا بھی حکم، اگر خدا و رسول کے حکم سے ٹکرائے، تو اُسے ٹھکرا دو، وہ کوئی بھی ہو۔تو سن لو۔۔۔

(اور) یاد رکھو! کہ (جو دوستی) اور قلبی محبت (رکھے ان) ایمان پر کفر کو ترجیح دینے والوں (کی تم میں سے، تو وہی ہیں) اپنے اوپر (اندھیر کرنے والے)۔۔الغرض۔۔یہ لوگ ظالم ہیں، جو بے محل دوستی کرتے ہیں۔انہیں تو مسلمانوں سے دوستی کرنی چاہیے، نہ کہ مشرکوں سے۔

مشرکوں کے ساتھ دوستی، ظلم اس صورت میں ہوگی، جب وہ ان کے شرک کی وجہ سے ان کو پسند کرے، اور اسی وجہ سے ان سے محبت کرے، اور اگر وہ کسی اور وجہ سے ان سے

دوستی اور محبت رکھتا ہے، تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا، کافر اور مشرک نہیں ہوگا۔۔ الختصر۔۔ یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھے بغیر، مسلمانوں کے مفاد میں ان سے دفاعی اور تجارتی معاہدے کرنے جائز ہیں، جس طرح اللہ کے رسول نے یہودیوں سے معاہدے کیے اور حدیبیہ میں مکہ کے کافروں سے معاہدہ کیا، اور آپ نے معاہدے کی پابندی فرمائی۔ تو ضرورت کی بنا پر کافر ملکوں سے معاہدے جائز ہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ماں باپ کافر ہیں، تو ان سے صلہ رحمی کرنا اور کافر رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا بھی جائز ہے۔۔ ہاں۔۔ ان سے دلی محبت نہ رکھی جائے، اور نہ ہی ایسا قلبی رابطہ رکھا جائے، کہ ان کے غیر اسلامی احکامات اور ان کی غیر شرعی خواہشات کا پاس ولحاظ کرنا پڑے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی، تو جو لوگ ہجرت سے منہ پھیرے ہوئے تھے بولے، کہ اب تو ہم اپنے قبیلے میں ہیں اور تجارتی معاملات میں مشغول ہو کر گزراوقات کر رہے ہیں، تو اب اگر ہم ہجرت کا قصد کریں، تو لازمی طور پر ماں باپ اور زن و فرزند کو چھوڑنا پڑے گا اور تجارت بھی ہاتھ سے چلی جائے گی، اور پھر ہم بے مادر و پدر، بے عزیز و اقارب، بے عیال و اطفال اور بے تجارت و مال رہ جائیں گے، تو اس پر ارشاد ہوا، کہ اے محبوب! ہجرت چھوڑ بیٹھنے والوں کو صاف صاف لفظوں میں۔۔۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

کہہ سنا دو، کہ اگر ہیں تمہارے باپ دادے اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے جوڑے اور تمہارا کنبہ،

وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ

اور وہ مال جس کو کما رکھا ہے تم نے اور دکان داری، کہ ڈرا کرتے ہو جس کی کساد بازاری کو، اور گھر

اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى

جو تمہیں پسند ہیں، سب زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے، تو

يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع

انتظار کرو یہاں تک، دے اللہ سزا۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان قوم کو●

یہ (کہہ سنا دو، کہ اگر ہیں تمہارے باپ دادے اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے جوڑے اور تمہارا کنبہ، اور وہ مال جس کو کما رکھا ہے تم نے، اور دوکانداری، کہ ڈرا کرتے ہو

جس کی کساد بازاری کو، اور گھر، جو تمہیں پسند ہیں)۔۔الحاصل۔۔ یہ (سب) اگر (زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے، تو انتظار کرو) اور اس کی امید بھی رکھو، (یہاں تک) کہ (دے اللہ) تعالیٰ اس کی (سزا) یعنی جلد۔۔یا۔۔بدیر اپنا عذاب نازل فرمادے۔(اور اللہ) تعالیٰ (راہ) مستقیم پر آنے کی توفیق (نہیں دیتا نافرمان قوم کو)، جو فرمانِ حق سمجھنے اور پھر اس کو ماننے کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔

مذکورہ بالا ارشادات میں ایمان والوں کو دو ہدایتیں مل رہی ہیں۔نمبر ایک یہ، کہ نسبی اور قرابتی طور پر کوئی کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو، لیکن اللہ ورسول کی محبت پر وہ کسی اور کی محبت غالب نہ آنے دے۔۔یعنی۔۔اگر کبھی یہ صورت حال پیش آجائے، کہ خدا اور رسول کی محبت کے تقاضے سے نسب وغیرہ والوں کی محبت کے تقاضے متصادم ہو جائیں، تو پھر وہ خدا اور رسول کی اطاعت کریں اور خوشی خوشی اہل خاندان وغیرہ کی خواہشات کو مسترد کردے اور ان کی اطاعت سے باز آئے۔

اور دوسری ہدایت یہ ملتی ہے، کہ کفار سے قلبی الفت وموالات اور دلی محبت وگرویدگی کا تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔موالات کی جتنی بھی صورتیں ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی کافروں سے جائز نہیں۔۔ہاں۔۔ان کے ساتھ معاملات میں کسی نہ کسی حد تک، جہاں تک کسی غیر شرعی عمل کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، رواداری برتنے کی اجازت ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے، کہ کسی کافر کا بحیثیت کافر احترام۔۔یا۔۔کسی کفر کا پاس ولحاظ بہر صورت کفر ہے۔لیکن اگر وہ کافر صاحب منصب ہو، اور وہ بھی ایسا منصب جس پر مسلمان بھی متمکن ہو سکے، تو پھر اس کافر کے منصب کا پاس ولحاظ کیا جاسکتا ہے، شرعاً اس کی اجازت ہے۔اس صورت میں اس کا احترام، کافر بحیثیت کافر کا احترام نہیں، بلکہ اس کا پاس ولحاظ، صرف اس منصب پر متمکن ہونے کی وجہ سے ہے، جو دراصل اس منصب کا احترام ہے، نہ کہ صاحبِ منصب کا۔

۔۔المختصر۔۔مذکورہ بالا ہدایات کا حاصل یہ ہے، کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے مشرک باپ، بیٹوں، بھائیوں، بیویوں اور قریبی رشتہ داروں سے احتراز کریں اور اپنے اموال، تجارت، مکانوں اور کاروباروں کو دین کے مفاد کے لیے ترک کردیں، اور یقین کرلیں کہ جو شخص دین کی خاطر دنیا کو ترک کردے، تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیاوی مطلوب بھی عطا فرماتا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ

بے شک ضرور مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہتیری جگہوں میں، اور حنین کے دن، جبکہ خوش کر دیا تھا تم کو تمہاری

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

کثرت نے، تو نہ بنا سکی وہ کثرت تمہارے لئے کچھ، اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے،

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ﴿۲۵﴾

پھر پیٹھ دکھا کر پھر گئے تم●

کیا تم نے نہیں دیکھا، کہ (بے شک ضرور مدد فرمائی تمہاری اللہ) تعالیٰ (نے بہتیری جگہوں میں) اور بہت سارے لڑائی کے موقعوں اور قتال کے معرکوں میں، جیسے جنگِ بدر کے دن، بنی نضیر کی لڑائی میں، بنی قریظہ کی جنگ میں، احزاب کے روز، صلح حدیبیہ کے دن، جنگ خیبر میں، اور جس دن مکہ معظّمہ فتح ہوا، وغیرہ وغیرہ۔ (اور) خاص کر کے (حنین کے دن)۔

حنین، مکہ اور طائف کے درمیان ایک میدان ہے، جہاں فتح مکہ کے بعد 'ہوازن' اور 'ثقیف' کے لشکر مسلمانوں سے قتال کرنے کے ارادے سے اکٹھا ہو گئے تھے، جو کل چار ہزار آدمی تھے۔ جب یہ خبر اللہ کے رسول ﷺ کو پہنچی، تو بارہ[12]۔۔یا۔۔سولہ[16] ہزار آدمیوں کے ساتھ اُدھر متوجہ ہوئے۔

تو مسلمانو! اس دن کو یاد کرو، (جبکہ خوش کر دیا تھا تم کو تمہاری کثرت نے)، یہاں تک کہ تم میں بعض لوگ بول پڑے، کہ آج ہم مغلوب نہ ہوں گے۔ انہوں نے اپنے لشکر کی زیادتی اور کثرت پر گھمنڈ کیا۔ یہ بات آنحضرت ﷺ نے سنی اور ناپسند کی، (تو) تمہارے اُسی غرور و گھمنڈ کے سبب (نہ بنا سکی وہ کثرت تمہارے لیے کچھ)، یعنی وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آسکی۔ اور تمہیں ابتداءً شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ (اور) ایسی صورت حال پیدا ہو گئی، کہ (تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے)۔۔چنانچہ۔۔تمہارا سارا لشکر پسپا ہو گیا اور صرف چار[4] افراد حضور ﷺ کے ساتھ رہ گئے، یعنی حضرت علی، حضرت عباس، حضرت ابو سفیان بن حارث اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔ (پھر) یہی ہوا، کہ ان چاروں کے سوا دشمن کو اپنی (پیٹھ دکھا کر پھر گئے) باقی (تم) سب کے سب۔

آنحضرت ﷺ اس روز خچر پر سوار تھے، جب دوستوں کو ہزیمت ہوئی، تو سب دشمن

حضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے۔آپ اپنی کمالِ شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے،اپنے خچر کو تیز کرتے اور دشمن کی طرف رخ کیے ہوئے حملہ کرتے،اور فرماتے تھے۔۔'میں نبی برحق ہوں۔۔میں یقیناً نبی ہوں۔۔۔اور حق میرے ہی ساتھ ہے۔۔نیز۔۔'میں فرزندِ عبدالمطلب ہوں۔۔۔میرے گھرانے کی شجاعت وشرافت جانی پہچانی ہے۔حضرت عباس اور حضرت ابو سفیان خچر کی رکاب اور لگام پکڑے ہوئے تھے،اور نہ چھوڑتے تھے،کہ حضرت ﷺ دشمنوں میں گھس جائیں۔

یہ صورت آپ ﷺ کی کمالِ شجاعت کی دلیل ہے،کہ ایسے دن میں خچر پر سوار ہوئے جو معرکہءِ جنگ میں کچھ کروفر نہیں رکھتا،اور بے فوج ولشکر،بے یار ومددگار،کافروں سے لڑنے کو مستعد ہوکر اپنا نسب،بطور رجز بیان فرماتے تھے۔۔الغرض۔۔جب حضرت عباس نے آنحضرت ﷺ کو نہ چھوڑا،کہ آپ تنہا کفار کے لشکر میں جاکر لڑیں،تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا،کہ اصحاب کو پکارو۔چونکہ حضرت عباس بلند آواز تھے،تو انہوں نے آواز لگائی،کہ 'اے اللہ کے بندو! رسول اللہ ﷺ یہاں ہیں۔اے اصحابِ شجرہ! اے اصحاب سورۂ بقرہ! یعنی اے وہ لوگو جنہوں نے درخت کے نیچے رسول سے وفاداری کی بیعت کی ہے،اور جن کی شان میں سورۂ بقرہ کی آیات کا نزول ہوا'۔

اس آواز پر مسلمان پھرے اور جنگ کی طرف واپس لوٹے،جن میں سے ۹۰ آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ،آنحضرت ﷺ سے آملا اور برابر کافروں کے حملے اٹھانے لگا۔اسی اثناء میں اللہ کے رسول یہ دعا،'اے اللہ تیرے ہی واسطے حمد ہے،اور تیری ہی طرف شکوہ ہے،اور تجھی سے مدد کی خواہش ہے'،عرض کرتے ہوئے خچر پر سے اتر پڑے۔۔یا۔۔اُسی پر سوار ایک مٹھی بھر خاک اور سنگریزے زمین سے اٹھالیے۔۔یا۔۔اصحاب سے طلب کرلیے اور 'خراب ہومنہ' کہتے ہوئے کافروں کی طرف پھینکے۔خدا کی قدرت سے کوئی ایسا نہ رہا،کہ اس کی آنکھ اور منہ میں سنگریزے بھر نہ گئے ہوں۔۔المختصر۔۔دشمنوں کو شکست ہوگئی،اور مومنوں کے دل کو تسکین ہوئی۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا

اس کے بعد اتارا اللہ نے سکون کو اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر۔اور اتارا ان لشکروں کو جن

لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶

کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اور عذاب بھیجا کفر کرنے والوں پر۔ اور یہ سزا ہے کافروں کی●

۔۔الحاصل۔۔تمہاری (اس) شکست خوردگی (کے بعد) جو تمہارے ہی گھمنڈ پر خدائی تنبیہ تھی، (اتارا اللہ) تعالیٰ (نے سکون کو اپنے رسول پر)۔ جبھی تو انہوں نے تنہا لڑنے کا ارادہ فرمایا، اور دشمنوں کی کثرت کا خیال نہیں کیا۔ (اور مسلمانوں پر) جبھی حضرت عباس کی آواز سن کر سب پلٹ پڑے (اور) ساتھ ہی ساتھ (اتارا ان لشکروں کو جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا)، مگر کافر دیکھتے تھے۔ اور وہ فرشتے تھے سفید کپڑے پہنے، سرخ عمامہ باندھے، عماموں کے سرے دونوں شانوں کے بیچ میں لٹکائے ہوئے ابلق گھوڑوں پر سوار۔ اور وہ پانچ[5]۔۔یا۔۔آٹھ[8]۔۔یا۔۔سولہ[16] ہزار تعداد میں۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ خفیہ عنایت فرمائی، (اور عذاب بھیجا کفر کرنے والوں پر)۔

۔۔چنانچہ۔۔ان میں سے اکثر قتل ہوئے اور ان کے اہل وعیال میں سے چھ ہزار[6000] کو لونڈی غلام بنایا اور چوبیس ہزار[24000] اونٹ اور چار ہزار[4000] اوقیہ چاندی اور چالیس ہزار[40000] بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ (اور یہ) سب کچھ دُنیا ہی میں (سزا ہے کافروں کی)۔ اور اسی پر بس نہیں، بلکہ آخرت میں انہیں دردناک اور رُسوا کن عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بچ کر بھاگنے والوں کے لیے، ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، تو۔۔۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۷

پھر توبہ قبول فرمالے اللہ اس کے بعد جس کی چاہے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے●

(پھر توبہ قبول فرمالے اللہ) تعالیٰ (اس) جنگ (کے بعد) سچی اور کھری توبہ کرنے والوں میں سے (جس کی چاہے) اپنے فضل و کرم سے۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہوا بھی۔ جنگِ حنین کے بعد قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف کے بعض افراد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ (اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (غفور) یعنی توبہ کرنے والوں کے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے)، اس لیے توبہ کے بعد مواخذہ نہ کرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ

اے وہ جو ایمان لاچکے! مشرکین نرے ناپاک ہیں، تو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد

الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ

حرام کے، اس سال کے بعد۔ اور اگر تمہیں ڈر ہے محتاجی کا، تو جلد دھنی بنادے گا تم کو اللہ

مِنْ فَضْلِهٖٓ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾

اپنے فضل سے، انشاء اللہ۔ بے شک اللہ دانا حکیم ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے!) اِس مقام پر یہ بھی ذہن نشین کرلو، کہ **(مشرکین نرے ناپاک ہیں)** اپنے خبثِ باطنی اور عقیدہ کی ناپاکی کے سبب سے۔۔ علاوہ ازیں۔۔ یہ نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتے اور نہ ہی جنابت سے غسل کرتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ یہ مستقل ناپاک ہی رہتے ہیں، **(تو)** تمہاری یہ ذمہ داری ہوتی ہے، کہ تم نگرانی کرتے رہو، تاکہ یہ عُمرہ وحج کے ارادے سے **(نزدیک نہ آنے پائیں مسجد حرام کے، اِس سال کے بعد)**۔

جو کہ سن برأت ہے اور وہ ہجرت سے نواں برس تھا۔۔ یا۔۔ حجۃ الوداع کا سال، کہ دسواں برس تھا۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت سے مراد کافروں کو حج وعُمرہ سے منع کرنا ہے۔ تو اس سے مسجد حرام اور دوسری مسجدوں کے اندر آنے کی ممانعت مقصود نہیں۔ حج وعُمرہ کے لیے نہ آنے دینے سے اس بات کا بھی اشارہ ہے، کہ حرم کی سرزمین پر انہیں متمکن نہ ہونے دیا جائے، اور انہیں وہاں کسی طرح کی طاقت وزور میسر نہ آنے دیا جائے۔

اب اگر تم یہ سوچو، کہ کافروں کا ایک گروہ موسمِ حج میں خرید وفروخت کے واسطے کھانے پینے کی چیزیں لاتا تھا، تو اب کافروں کو نہ آنے دینے سے تجارت کا یہ سلسلہ بند ہوجائے گا، اور تم تنگدست اور فقیر ہوجاؤ گے۔ تو سن لو! **(اور)** یاد رکھو، کہ **(اگر تمہیں ڈر ہے محتاجی کا، تو جلد دھنی بنادیگا تم کو اللہ)** تعالیٰ **(اپنے فضل سے ان شاء اللہ)** تعالیٰ۔

۔۔ چنانچہ۔۔ اس نے اپنا وعدہ وفا فرمادیا۔ وہ اس طرح کہ ملکِ یمن کے دوشہر تبالہ اور جرش کے لوگ مسلمان ہوگئے، اور ہر سال جو کچھ کھانے کی چیزیں چاہیے تھیں، مکہ میں لیجاتے۔۔ یا یہ کہ۔۔ قِسم قِسم کے لوگوں کو جابجا کی زمینوں سے حرم کی طرف متوجہ کردیا، جو انواع واقسام کا مالِ تجارت وہاں لے جاتے رہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ **(دانا)** ہے، یعنی اپنے بندوں کا حال جاننے والا ہے اور **(حکیم ہے)** یعنی حکمت کرنے والا ہے، ان کی امیدیں برلانے میں۔ اگر ایک دروازہ بند کرتا ہے، تو دوسرا دروازہ

کھول دیتا ہے۔

سابقہ ارشادات میں بت پرستوں کی لڑائی کا ذکر فرما کر، اب حق تعالیٰ اہل کتاب سے محاربہ کرنے کا حکم فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ

قتل کردو جو نہ مانیں اللہ کو اور نہ پچھلے دن کو، اور نہ حرام جانیں

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ

جس کو حرام فرمادیا اللہ اور اس کے رسول نے، اور نہ قبول کریں دین برحق کو،

أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُونَ ﴿٢٩﴾

جن کو کتاب بھی دی گئی تھی، یہاں تک کہ دیں جزیہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر●

اے ایمان والو! (قتل کردو) ان کو اور لڑو ان لوگوں سے، (جو نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو) وحدہ لاشریک۔ جیسے یہود جو دو خدا کے قائل ہیں اور نصاریٰ جو تین خدا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ (اور نہ) ہی (پچھلے دن کو) تسلیم کریں، جیسا کہ تسلیم کرنا چاہیے۔۔۔چنانچہ۔۔۔یہودیوں کا کہنا ہے، کہ بہشت میں کھانا پینا نہ ہوگا اور نصاریٰ 'معادِ روحانی' کا اثبات کرتے ہیں۔۔۔الختصر۔۔۔روزِ قیامت اور اس کے مابعد امور کا ایمان جیسا چاہیے، یہود و نصاریٰ کو ویسا نہیں۔ (اور نہ حرام جانیں) اور نہ حرام جیسا سلوک کریں اس کو (جس کو حرام فرمادیا اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول نے)، یعنی جس کی حرمت کتاب وسنت سے ثابت ہوئی، اُسے حرام نہیں جانتے۔۔۔مثلاً: شراب وخنزیر وغیرہ۔

(اور نہ) ہی (قبول کریں دین برحق) یعنی اسلام (کو) مسلمان ہو کر۔۔۔یا۔۔۔کم از کم درجے میں، اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے، اور اس کی سیاسی ماتحتی قبول کر کے، جو ان لوگوں میں سے ہیں (جن کو کتاب بھی دی گئی تھی)۔ تو ایسے کتابیوں سے تم جنگ کرو، (یہاں تک کہ دیں جزیہ) یعنی ان میں سے جس کسی کی نسبت جو خراج مقرر ہو جائے، وہ دیا کریں (اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر)۔ یعنی اپنے ہاتھ سے لائیں اور بھیجیں نہ، جب تک جزیہ سپرد نہ کردیں۔۔۔یا۔۔۔مسلمان ان سے لے نہ لیں۔

۔۔الختصر۔۔۔لانے والا خراج کی رقم خود لائے، کسی کے ہاتھ نہ بھیجے اور پیدل آئے سواری سے نہ آئے، اور کھڑے کھڑے پیش کرے، جبکہ وصول کرنے والا بیٹھے بیٹھے وصول کرے،

اور وہ بھی اس کی گردن پر تھپڑ لگائے، اور اس کا دامن کھینچ کر کہے، اے ذمی جزیہ نکال
۔۔الحاصل۔۔اس سے ذلت آمیز سلوک کرے، تاکہ اُسے احساس رہے کہ اسلام کو نہ قبول
کرکے، اس نے خود ہی اپنی بے عزتی کا سامان فراہم کیا ہے۔
مگر یہ طرزِ عمل ایسے ہی لوگوں کے ساتھ مناسب ہے، جو اپنی بے غیرتی اور بے شرمی کی
انتہا کو پہنچ چکے ہیں، کہ ان کے ساتھ ایسا نہ کیا جائے، تو انہیں اپنی ذلت کا احساس بھی نہ ہو۔
رہ گئے وہ، جو بڑی حساس طبیعت رکھتے ہیں، صرف جزیہ دیتے رہنا ہی، ان کی نظر میں ان
کے لیے کمالِ ذلت کی بات ہے۔ تو پھر ایسوں کو ذلت کا احساس دلانے کے لیے
تھپڑ مارنے، سخت کلامی کرنے اور ان کے دامن و گریبان کو کھینچنے کی ضرورت نہیں
۔۔الحاصل۔۔ ہر فرد کے ساتھ اس کے مزاج وطبیعت کے مناسب سلوک کیا جائے۔
اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ قرآن کریم نے آیات زیرِ تفسیر میں جزیہ ادا کرنے
کو، حکم قتال کی غایت کے طور پر پیش کیا ہے۔ سببِ قتال نہیں قرار دیا ہے۔ سبب وغایت میں
فرق یہ ہے کہ سبب اپنے وجود میں مقدم ہوتا ہے، اور غایت اپنے وجود میں موخر ہوتی ہے۔۔
الحاصل۔۔سببِ قتال ہے اسلام کو قبول نہ کرنا، اور اس قتال کی انتہاء اس وقت ہو جائے گی جب
وہ جزیہ ادا کرنا منظور کرلیں گے۔ جزیہ کن کافروں سے لیا جائے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

☆۔۔ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں، عرب کے مشرکین کے سوا سب مشرکوں سے جزیہ لینا چاہیے۔ رہ گئے عرب کے مشرکین، تو ان کا حکم یا تلوار ہے یا اسلام۔ ان کے لیے جزیہ والی تیسری شکل نہیں۔

☆۔۔امام شافعی کہتے ہیں، کہ اہل کتاب کے سوا اور کسی سے جزیہ نہ لیں۔

☆۔۔امام مالک کا کہنا ہے، کہ مرتد کے سوا سب کافروں سے جزیہ لینا ہے۔ مرتد سے اس لیے نہیں، کہ اُسے قتل کردینے کا حکم ہے۔

اب آگے کے ارشاد میں اہل کتاب کی بدعقیدگیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔
ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ

اور ڈینگ لی یہود نے، کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور جھک مارا عیسائیوں نے، کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ

یہ ان کی زبانی گپیں ہیں۔ برابری کررہے ہیں بات میں ان کی جو کافر تھے پہلے۔

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٠﴾

خدا ان کو غارت کرے! کہاں اوندھائے ہیں●

بکواس کی (اور ڈینگ لی یہود نے، کہ عزیر اللہ) تعالیٰ (کے بیٹے ہیں اور جھک مارا عیسائیوں نے، کہ مسیح اللہ) تعالیٰ (کے بیٹے ہیں)۔ ابھی ابھی جو مذکور ہوا (یہ) سب (ان) سب (کی زبانی گپیں ہیں)۔ یعنی ایسی مہمل باتیں ہیں، جو کچھ بھی اصلیت اور حقیقت نہیں رکھتیں۔ دراصل یہ (برابری کررہے ہیں بات میں ان کی جو کافر تھے) ان سے (پہلے)۔ یعنی اپنے سے پہلے کافروں کی نقل کررہے ہیں۔

--- چنانچہ--- بنومدلج نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا--- یوں--- بعض عرب کافروں نے اللہ تعالیٰ کو لات وعزیٰ کا باپ قرار دیا۔ تو جس طرح وہ سب خدا کو وحدہ لاشریک نہ مان سکے، اسی طرح یہ بھی توحید سے انکار کر بیٹھے، تو دونوں ہی وحدہ لاشریک نہ ماننے میں ایک ہی طرح رہے۔

تو (خدا ان کو غارت کرے) اور ان پر اپنی لعنت برسائے۔ ذرا دیکھو تو، کہ کیوں کر پھیرے جاتے ہیں راہِ حق سے باطل کی طرف، اور (کہاں اوندھائے) جارہے (ہیں) یعنی منہ کے بل الٹائے جارہے ہیں، اور ذلت ورسوائی کا شکار ہورہے ہیں۔ ان کی بداعمالیوں کا حال یہ ہے، کہ---

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ

بنا رکھا ہے اپنے پادریوں اور اپنے پوپوں کو اللہ کو چھوڑ کر رب، اور مسیح ابن

مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

مریم کو، اور وہ مامور نہیں کئے گئے، مگر یہ کہ پوجیں معبود کو جو ایک ہے۔

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾

نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا اس کے، پاک ہے وہ اس سے جس کو شریک بناتے ہیں●

(بنا رکھا ہے اپنے پادریوں اور اپنے پوپوں کو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور اس سے باغی ہو کر،

ایک ہی نہیں، بلکہ بہت سارے (رب)۔۔چنانچہ۔۔حرام اور حلال کرنے میں ان کی فرمانبرداری کرتے ہیں، اور جیسے خدا کا حکم ماننا چاہیے، بالکل ویسا ہی ان کے احکام کو مانتے ہیں، یہاں تک کہ ان کا سجدہ بھی کرتے ہیں (اور)۔۔یونہی۔۔(مسیح ابن مریم کو) بھی خدا ٹھہراتے ہیں۔حالانکہ یہ سارے **اَحْبَارُ وَرُهْبَانُ** (اور) ان کے ماننے والے (وہ) سب اپنی کتابوں میں (مامور نہیں کیے گئے) تھے، (مگر یہ کہ پوجیں معبودِ) برحق اللہ تعالیٰ (کو، جو) صرف (ایک) ہی (ہے) اور (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا اس کے، پاک ہے وہ اس سے)، کہ اس کا شریک ہو، وہ (جس کو) یہ مشرکین اس کا (شریک بناتے ہیں)۔دراصل یہ یہود ونصاریٰ۔۔۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ

چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کا نور اپنی پھونک سے، اور اللہ کو نامنظور ہے، مگر یہ کہ پورا کر دکھائے اپنا نور،

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾

گو برا مانیں کافر لوگ●

(چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ) تعالیٰ (کا نور)۔یعنی نورِ ہدایت قرآن کریم۔۔یا۔۔نورِ نبوتِ محمدی۔۔یا۔۔ان دلائل و براہین کی روشنی، جس نے اللہ تعالیٰ کے زن و فرزند سے پاک ومنزہ ہونے کو اظہر من الشمس کر دیا۔اور وہ بھی کیسے بجھائیں؟ (اپنی پھونک سے)۔یعنی اپنی اس تکذیب سے جو اپنی زبان پر لاتے ہیں۔۔المختصر۔۔کافروں کی کوشش تو یہی ہے، کہ مذکورہ بالا انوارِ خداوند اور چراغ ہائے الٰہی کو گل کر دیں اور بے اثر کر دیں، (اور اللہ) تعالیٰ (کو) سب (نامنظور ہے)۔

ہاں (مگر) اسے صرف (یہ) منظور ہے (کہ پورا کر دکھائے اپنا نور)۔یعنی اپنے دین روشن کی روشنی دُنیا کے گوشے گوشے میں پہنچادے، اور ہر طرف توحید کے نشان کا پرچم لہرادے۔دنیا کے چپے چپے سے اُس کی توحید اور اُس کی کبریائی کے ترانوں کی صدائیں آئیں، کوئی ایسا کان نہ ہو جو اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز نہ سن سکے، (گو برا مانیں کافر لوگ)، اور انہیں اس آواز سے کراہت ہو، مگر اس سے کیا ہوتا ہے، طوعاً و کرہاً انہیں بھی اذان کی آواز تو سننی ہی ہے۔

اب رب کریم آگے اس بات کی وضاحت فرمارہا ہے، کہ وہ کس طرح اپنے مذکورہ بالا نور کو منزل کمال تک پہنچائے گا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے، کہ وہ ذات عزیز وجلیل۔۔۔

هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ

وہی ہے کہ بھیجا اپنے رسول کو ہدایت، اور دین برحق کے ساتھ، تاکہ غالب فرمادے اسے

عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳۳﴾

سارے دینوں پر، گو تلملا اٹھیں مشرک لوگ●

(وہی ہے، کہ) جس نے (بھیجا اپنے) مخصوص (رسول) محمد عربی ﷺ (کو) سراپا (ہدایت) قرآن کریم (اور دین برحق) اسلام (کے ساتھ، تاکہ) ظاہرو (غالب فرمادے اُسے سارے دینوں پر) اور سب دینوں کے احکام منسوخ کردے، (گو) اگرچہ دین اسلام کا یہ عروج دیکھ کر (تلملا اٹھیں) کفر پر کفر کرنے والے (مشرک لوگ)۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی رسالت اور بعثت کا ذکر فرمایا۔ رسالت دلائل ومعجزات سے ثابت ہوتی ہے، اور آپ کے دلائل ومعجزات سب رسولوں سے زیادہ تھے۔۔ بلکہ۔۔آپ جمالِ صورت اور کمالِ سیرت کے اس انتہائی مقام پر تھے، جہاں مخلوقات میں سے کسی اور کی رسائی عقلاً محال ہوگئی۔۔المختصر۔۔آپ کی ذاتِ مبارکہ خود ہی سراپا معجزہ ہوگئی۔اس سے ظاہر ہوگیا، کہ آپ سب سے عظیم اور کامل رسول ہیں۔

۔۔نیز۔۔فرمایا، آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا۔یعنی آپ کا دین اور آپ کی شریعت متوازن اور معتدل ہے۔فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے۔آپ کا کوئی حکم خلافِ عقل نہیں۔ اور آپ کی تعلیم میں دین اور دنیا کی بے شمار حکمتیں ہیں۔واضح ہوا کہ آپ کی شریعت ہی کامل ہے۔ پھر فرمایا، تاکہ آپ کا دین ہر دین پر غالب ہوجائے، اور غلبہ سے مراد دلائل و حجت کے اعتبار سے غلبہ ہے، تو تمام ادیان کے مقابلہ میں اسلام کے دلائل غالب ہیں، اور اسلام کے آنے سے ہر دین پر عمل منسوخ ہوگیا۔

اور اگر اس سے مراد مادی غلبہ ہو، تو یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوگی، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور امام مہدی کا ظہور ہوگا۔کیونکہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، تو ہر یہودی اور ہر عیسائی مسلمان ہوجائے گا، حتیٰ کہ بکریاں بھیڑیوں سے مامون ہوجائیں گی، اور گائے شیروں سے، اور انسان سانپوں سے۔یہاں تک کہ چوہا جراب کو نہیں کترے گا۔اور جزیہ موقوف ہوجائے گا۔اور صلیب توڑ دی جائے گی۔اور خنزیر قتل کردیے جائیں گے۔۔۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کی مذموم صفات بیان فرمائی تھیں، کہ وہ اپنے آپ کو عام لوگوں سے برتر سمجھتے تھے اور تکبر کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ اب اس آیت میں یہ فرمایا جارہا ہے، کہ اس تکبر کے باوجود وہ لوگوں سے مال لینے میں بہت حریص تھے، اور لوگوں سے ناجائز طور پر مال حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مختلف طریقے اپنار کھے تھے:

اوّلاً:۔۔وہ رشوت لے کر شرعی احکام میں تخفیف کر دیتے تھے۔ اگر تورات میں رجم۔۔یا۔۔ کوڑوں کی سزا ہو، تو وہ صرف جرمانہ عائد کر کے چھوڑ دیتے تھے۔

ثانیاً:۔۔انہوں نے عام لوگوں کے ذہن میں یہ بٹھادیا تھا، کہ انہیں آخرت میں نجات اُسی وقت ملے گی، جب وہ اُن کی خدمت اور اطاعت کریں۔

ثالثاً:۔۔تورات میں نبی ﷺ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، وہ اُن کی ایسی باطل تاویل کرتے، جو نبی کریم ﷺ پر منطبق نہ ہوتی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کے عوام اُن سے کٹ کر نبی ﷺ کے مطیع ہوجائیں اور اُن کے نذرانے شکرانے بند ہوجائیں۔

رابعاً:۔۔انہوں نے لوگوں کو باور کرادیا تھا، کہ صحیح دین یہودیت یا عیسائیت ہے، اور اس دین کی تقویت اُسی وقت ہوگی، جب اِس دین کے حاملین کی مالی خدمت کی جائے۔۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ

اے وہ جو ایمان لاچکے! بے شک بہتیرے پادری اور جوگی، کھاجاتے ہیں

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ

لوگوں کے مال کو ناحق، اور روکیں اللہ کی راہ سے۔ اور جو لوگ

يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

اکٹھا کریں سونا اور چاندی کو، اور نہ خرچ کریں اسے اللہ کی راہ میں۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾

تو خبر دے دیجئے انہیں دکھ دینے والے عذاب کی●

(اے وہ جو ایمان لاچکے!) غور سے سن لو اور سمجھ لو، کہ (بے شک بہتیرے پادری اور جوگی) یعنی یہود و نصاریٰ کے عالموں اور زاہدوں کی یہ روش ہے، کہ (کھاجاتے ہیں)، یعنی اپنے استعمال میں لاتے ہیں (لوگوں کے مال کو ناحق)، یعنی رشوت وغیرہ کے ذریعہ۔۔الختصر۔۔لوگوں کو طرح طرح کا فریب دیکر مال اکٹھا کرتے ہیں اور اس کو ہضم کرلیتے ہیں۔(اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے، کہ (روکیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)، یعنی اسلام میں داخل ہونے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔

تو اے محبوب! اہل کتاب (اور) ان کے سوا (جو لوگ اکٹھا کریں سونا اور چاندی کو، اور) ہدایت کردہ ضابطے کے مطابق (نہ خرچ کریں اسے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)، یعنی سال بسال اس کی زکوٰۃ نہ نکالیں، (تو خبر دے دیجیے انہیں دکھ دینے والے عذاب کی)، اور آگاہ کردیجیے ان سب خزانہ رکھنے والوں اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کو، اُس دن کی۔۔۔

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ

جس دن وہ سب تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں، پھر داغ دیے جائیںگے اس سے انکی پیشانیاں، اور انکی کروٹیں،

وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور انکی پشت یہ ہے، کہ جس کو خزانہ بنایا تھا تم نے اپنا، اب چکھو جو اکٹھا کیا کرتے تھے●

(جس دن وہ سب) سارے کا سارا خزانہ (تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں، پھر داغ دِیے جائیں گے اس) خزانے کے درہم و دینار (سے ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پشت)۔وہ پیشانیاں، جن پر فقیروں کو دیکھ کر بل ڈالتے تھے، اور وہ کروٹیں، جن کے ذریعہ ناداروں سے پہلو تہی کرتے تھے۔۔نیز۔۔وہ پیٹھیں، جو محتاجوں کو دیکھ کر پھیر لیتے تھے۔

داغنے کے لیے مذکورہ بالا ان تین چیزوں کا انتخاب اس حکمت کے پیش نظر بھی ہوسکتا ہے، کہ اعضاء میں پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو ایک طرح کی شرافت حاصل ہے۔اس لیے کہ اعضائے رئیسہ، یعنی دماغ، دل، جگر، انہی کے اندر ہیں۔۔الختصر۔۔اس دن داغ کر عذاب کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا، دیکھو۔۔۔

(یہ ہے کہ جس کو خزانہ بنایا تھا تم نے اپنا)۔تم نے سوچا تھا، کہ یہ تمہیں فائدہ پہنچائیں گے اور آج یہ تمہارے ضرر کا باعث ہوگئے ہیں۔تو (اب چکھو جو اکٹھا کیا کرتے تھے)، یعنی اب اپنے جمع

رنے کا مزا چکھو۔ بہتری اور اچھائی ان کے لیے ہے، جو مال کا نہیں، بلکہ نیک اعمال کا ذخیرہ کرتے ہیں، اور وہ اسبابِ فانی کے کنوز کو نہیں ڈھونڈ ھتے۔۔بلکہ۔اسرارِ باقی کے رموز کی تلاش میں رہتے ہیں۔

سابقہ بعض آیتوں میں یہود ونصاریٰ کے عالموں اور زاہدوں، یعنی ان کے اَحْبَارَ وَرُهْبَانَ کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور ان کے بعض معمولات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عبادات ہوں۔۔یا۔۔معاملات، ان میں اوقات کو ملحوظِ خاطر رکھا ہی جائے گا اور کسی نہ کسی تقدیم کا اعتبار کیا ہی جائے گا۔۔چنانچہ۔۔عربوں میں ماہ وسال کے تعلق سے جو اصول و ضابطے معروف تھے، اسی کو برقرار رکھا گیا ہے، اور عبادات ومعاملات میں قمری تقدیم کو معتبر قرار دیا گیا ہے۔اور عجمیوں، رومیوں، قبطیوں اور ہندیوں کے نزدیک جو مہینے معروف تھے، ان کا پاس ولحاظ نہیں کیا گیا ہے۔

غیر عرب کے نزدیک مہینہ تیس[٣٠] دنوں سے زیادہ کا بھی ہوتا ہے اور عرب کے نزدیک مہینے کا اعتبار چاند کے حساب سے ہوتا ہے، اور ایک مہینہ تیس[٣٠] دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا، البتہ تیس[٣٠] دن سے کم کا ہوسکتا ہے۔۔المختصر۔۔کوئی مہینہ نہ انتیس[٢٩] دن سے کم کا ہوگا، اور نہ ہی تیس[٣٠] دن سے زیادہ کا۔اور یہ بھی متعین نہیں ہے، کہ کون سا مہینہ؟ کب؟ اور کتنے دنوں کا ہوگا؟ اس کا سارا معاملہ چاند کی رفتار سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان بارہ[١٢] مہینوں کو مقرر کیا اور ان کے نام رکھے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر جو کتابیں نازل کیں، اُن میں اِن مہینوں کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے مراد 'لوحِ محفوظ' بھی ہوسکتی ہے۔۔الحاصل۔۔ مسلمانوں کے اکثر اعمال کی بنا قمری مہینوں پر رکھی گئی ہے۔اور روزے، زکوٰۃ، حج اور عدت وغیرہ کے احکام اسی کے ساتھ مرتب کیے گئے ہیں۔ تو اس کے عدد کے بارے میں ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

بے شک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں کتاب الٰہی میں۔ جس دن سے پیدا فرمایا تھا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۵

آسمانوں کو اور زمین کو، ان میں سے چار محترم ہیں۔ یہ ہے سیدھا قانون۔۔

فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ وَ قَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ كَآفَّةً كَمَ

تو اندھیر نہ کرو ان مہینوں میں اپنے اوپر، اور جہاد کرو مشرکین سے سب، جس طرح

یُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۶﴾

وہ جنگ کرتے ہیں تم سے سب۔ اور جان لو کہ اللہ اپنے ڈرنے والوں کے ساتھ ہے●

(بے شک مہینوں کا شمار اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک بارہ[12] مہینے ہیں کتاب الٰہی میں)، یعنی آ کتابوں ۔یا۔ لوح محفوظ ۔یا۔ خدائی حکم قدیم میں ۔اور خدا نے یہ حکم لکھا ہے اور طے فرمادیا ہے اسی د سے، (جس دن سے پیدا فرمایا تھا آسمانوں کو اور زمین کو)، کہ (ان) بارہ[12] مہینوں (میں سے چار محتر ہیں)، جن میں تین[3] مہینے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم متواتر ہیں ۔اور چوتھا قبیلہءِ مضر کا رجب، جو جما الاخری اور شعبان کے درمیان ہے ۔مہینوں کی گنتی کے تعلق سے (یہ ہے) صاف (سیدھا) اور وا خداوندی (قانون، تو) ان مہینوں کا احترام کرو اور (اندھیر نہ کرو ان مہینوں میں اپنے اوپر)۔

ہر چند کہ کسی بھی مہینے میں ظلم کرنا اور اندھیر مچانا جائز نہیں، لیکن یہ مہینے چونکہ حرمت والے ہیں، اس لیے ان مہینوں میں گناہ کرنا زیادہ شدت سے ممنوع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی ایک وجہ سے عظمت اور حرمت مقرر فرماتا ہے، تو وہ ایک وجہ سے محترم اور مکرم ہو جاتی ہے ۔اور جس چیز کی دو ۔یا۔ دو سے زیادہ وجہ سے حرمت اور عظمت مقرر فرماتا ہے، تو وہ دو ۔یا ۔دو سے زیادہ وجہ سے مکرم و محترم ہو جاتی ہے ۔پس اس میں برے کاموں پر عذاب بھی دوگنا چوگنا ہو جاتا ہے، جس طرح اس میں نیک کاموں کا اجر و ثواب بھی دوگنا چوگنا ہوتا ہے۔

سو جو شخص حرمت والے مہینے ۔۔مثلاً: ذوالحجہ ۔یا۔ حرمت والی جگہ ۔۔مثلاً: مکہ مکرمہ ۔یا۔ مسجد حرام میں عبادت کرے گا، اس کا اجر و ثواب دوسرے اوقات اور دوسری جگہوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوگا، اور جو شخص اس حرمت والے مہینے اور حرمت والی جگہ پر بُرے کام کرے گا، اس پر مواخذہ بھی دوگنا چوگنا ہوگا ۔ان مہینوں میں گناہ کرنا گویا ایسا ہی ہوگا، جیسے کوئی حرم شریف میں یا حالتِ احرام میں گناہ کرلے ۔ان مہینوں کی حرمت کا خیال کرتے ہوئے پہلے ان مہینوں میں قتال کرنا جائز نہیں تھا، لیکن جب کفار زیادتی پر آگئے اور ان مہینوں کی حرمت کا پاس و لحاظ نہیں کیا اور جنگ و جدال پر آمادہ ہوگئے، بالآخر لڑائی کر بیٹھے، تو اس حکم کو منسوخ فرمادیا گیا ۔۔۔

(اور) ارشاد فرمادیا گیا، کہ (جہاد کرو مشرکین سے سب) کے سب مل کر، خواہ وہ حرمت والا
نہ ہو۔۔یا۔۔نہ ہو (جس طرح وہ جنگ کرتے ہیں تم سے سب) کے سب اکٹھا ہو کر اور مقام و مہینے
پاس ولحاظ نہیں کرتے۔ تو تم بھی ایسوں سے جنگ کرنے میں کوئی تامل نہ کرو، اور نہ ہی ان سے
زدہ ہو۔ (اور) اچھی طرح (جان لو، کہ اللہ) تعالیٰ کی حفاظت و نصرت اس کے (اپنے ڈرنے
الوں کے ساتھ ہے) جو خشیتِ الٰہی والے اور خدا اور رسول کی مخلصانہ اطاعت کرنے والے ہیں۔۔۔
رہ گیا کافروں اور نافرمانوں کا طرزِ عمل، جو اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر مہینوں کو ان کے اصل
م سے ہٹا دیتے ہیں، تو ان کا یہ۔۔۔

انما النسیٓءُ زیادۃٌ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما و
مہینہ کو ٹالنا، صرف نہ ماننے میں بڑھ جانا ہے، اس سے گمراہ کیا جاتا ہے ان کو جو کافر ہیں، کہ حلال قرار دیں ایک برس اور

یحرمونہ عاما لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ فیحلوا ما حرم
حرام جانیں دوسرے برس، تاکہ برابر کر دیں چار کی گنتی کو جنھیں حرمت دی اللہ نے، کہ حلال کرلیں جسکو حرام کیا

اللہ زین لھم سوٓء اعمالھم واللہ لا یھدی القوم الکفرین ﴿۳۷﴾
اللہ نے۔ انھیں اچھی لگی اپنی بداعمالی۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا کافر قوم کو●

ع ۱۱

(مہینہ کو ٹالنا صرف نہ ماننے میں بڑھ جانا ہے)۔ کافر تو تھے ہی، یہ کام کر کے اپنے کفر کو اور
ں بڑھا دیا۔ (اس) طریقے (سے گمراہ کیا جاتا ہے ان کو جو کافر ہیں) اور ساتھ ہی ساتھ پرلے درجے
ے بیوقوف اور نادان بھی ہیں۔ اسی لیے تو ان کے لیڈروں کی یہ شاطرانہ چال ہے، (کہ حلال قرار
یں ایک برس اور حرام جانیں دوسرے برس، تاکہ برابر کر دیں) ان (چار کی گنتی کو جنہیں حرمت دی
للہ) تعالیٰ (نے)۔ صرف حرمت والے مہینوں کی گنتی کا خیال کیا، کہ چار سے کم نہ ہونے پائیں، لیکن
ن کے صحیح اوقات کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔۔الختصر۔۔انہوں نے کھلے طور پر نافرمانی کی، کیوں (کہ حلال
رلیں جسکو حرام کیا اللہ) تعالیٰ (نے)۔۔الختصر۔۔ وسوسۂ شیطانی کے سبب (انہیں اچھی لگی اپنی
ماعمالی) یعنی انہوں نے جو کیا اس کو بہت ہی اچھا اور دانشمندانہ کام تصور کیا، اس طرح وہ بھٹک گئے
اور) بے راہ ہو گئے۔ بے شک (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا) جنم کی (کافر قوم کو)۔

اوپر کافروں کی جس حرکت کی طرف اشارہ کیا گیا، اس کا مختصر سا خلاصہ یہ ہے، کہ مشرکین عرب لوٹ مار اور قتل و غارت کرنے والے لوگ تھے، اور ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم یہ تین ۳ مہینے متواتر حرمت والے تھے۔ ان تین مہینوں میں صبر کرنا مشرکین عرب کے لیے بہت مشکل اور دشوار تھا۔ انہیں جب محرم کے مہینے میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی، تو وہ محرم کے مہینے کو موخر کر دیتے اور صفر کے مہینے کو محرم قرار دیتے، اور اصل محرم کے مہینے میں قتال کر لیتے۔

اسی طرح وہ ہر سال محرم کے مہینے کو ایک ماہ موخر کرتے رہتے، حتیٰ کہ جس سال نبی کریم ﷺ نے حج کیا۔ اس سال گیارہ ۱۱ مرتبہ محرم کا مہینہ موخر ہو کر اپنی اصلی ہیئت پر آچکا تھا، جس ہیئت پر وہ اسوقت تھا، جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔۔۔

سابقہ آیات میں غزوۂ حنین کے تعلق سے ذکر تھا۔ اب آگے کے ارشاد میں غزوۂ تبوک کے متعلق تشریح فرمائی۔ تبوک ایک مقام ہے جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس جگہ پر جنگ لڑی گئی ہے، اسی لیے اس جنگ کو غزوۂ تبوک سے موسوم کرتے ہیں۔ اُسے 'غزوۃ العسرۃ' بھی کہا جاتا ہے۔۔ نیز۔۔ اس کا نام 'غزوۃ الفاضحہ' بھی ہے، اس لیے کہ اس جنگ میں بہت سے منافقین کے حالات کھل کر عوام کے سامنے آگئے، جن سے منافقین کو سخت رسوائی ہوئی، اسی بنا پر اسے 'فاضحہ' یعنی 'رسوا کرنے والی' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے جب مکہ معظمہ کو فتح فرما کر، ہوازن و ثقیف، حنین واوطاس وغیرہ سے جنگ کی اور پھر طائف کا محاصرہ فرمایا، تو ان تمام غزوات سے فتح یاب ہو کر جعرانہ سے عُمرے کا احرام باندھا۔ عُمرے سے فراغت پا کر مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ تھوڑے عرصے کے بعد حکم فرمایا، کہ غزوۂ روم کو چلو۔ یہ جنگ رجب ۹ھ میں واقع ہوئی، جبکہ آپ کو خبر پہنچی کہ رومیوں نے اسلام کے خلاف بہت بڑے جنگجو جمع کیے ہیں، بلکہ مقام بلقاء تک بھی پہنچ چکے ہیں۔

غزوۂ تبوک ایسے موسم میں ہوا، جب لوگوں کی معاش نہایت تنگ تھی اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اِدھر مدینے کی کھجوریں پک کر اپنے شباب کو پہنچی ہوئی تھیں، اور مدینہ طیبہ سے تبوک تک کا سفر بھی طویل تھا۔ اس لیے بعض لوگوں کو غزوۂ تبوک پر جانا گراں لگا۔ ان کی طبیعت کے اضمحلال کو دیکھ کر، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انْفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ

اے وہ جو ایمان لا چکے! تمہیں کیا ہوا کہ جب کہا گیا تم کو کہ چل پڑو اللہ کی راہ میں،

اللّٰهِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ‌ ؕ اَرَضِيۡتُمۡ بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا مِنَ

تو بوجھ بن کر زمین پر گر پڑتے ہو۔ کیا تم پسند کرتے ہو دنیاوی زندگی کو

الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ فَمَا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيۡلٌ ﴿۳۸﴾

آخرت سے، تو دنیاوی زندگی کی پونجی آخرت میں محض تھوڑی سی ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے)!

اس طرح پیارے خطاب سے مخاطب فرما کر اُن کی دِلدہی کی، اور اُن کی حوصلہ افزائی کی، اور پھر فرمایا، کہ اے میرے چاہنے والو!

(تمہیں کیا ہوا، کہ جب) کلمہ دین کو بلند کرنے کو **(کہا گیا تم کو، کہ چل پڑو اللہ)** تعالیٰ **(کی راہ میں)** اور دین کے دشمنوں پر جہاد کرو، **(تو بوجھ بن کر زمین پر گر پڑتے ہو)**، یعنی کاہلی کی وجہ سے زمین چھوڑنا نہیں چاہتے۔۔۔یا۔۔۔اپنے کھیتوں اور پھلوں کی طرف طبعی میلان کے سبب شہر سے نکلنا نہیں چاہتے، گویا تم زمین سے چپک گئے ہو۔ اب تمہیں فیصلہ کرو **(کیا تم پسند کرتے ہو دنیاوی)** ناپائدار **(زندگی کو)**، اور اُسے بہتر سمجھتے ہو **(آخرت)** کی قائم رہنے والی اور لازوال نعمتوں والی زندگی **(سے، تو)** اچھی طرح سن لو، کہ **(دنیاوی زندگی کی پونجی آخرت میں محض تھوڑی سی ہے)** اور وہ بھی حقیر۔ اور کوئی عقلمند، بڑی چیز کو چھوٹی چیز کے واسطے نہیں کھوتا۔ اور یہ بھی سن لو! کہ۔۔۔

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ

اگر تم لوگ کوچ نہ کرو گے، تو عذاب دیگا تم کو دکھ والا عذاب۔۔۔ اور لے آئیگا تمہارے بدلے دوسری قوم تمہارے سوا،

وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـئًـا‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۳۹﴾

اور نہ بگاڑ پاؤ گے اسکا کچھ۔ اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اگر تم لوگ کوچ نہ کرو گے) اس لڑائی کے واسطے جس کا تمہیں حکم ہوا ہے، **(تو)** بھی تم بچ نہ سکو گے، اس لیے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ **(عذاب دے گا تم کو، دکھ والا عذاب)**۔ اور اِس گمان

میں بھی نہ رہنا، کہ اگر تم جہاد میں شریک نہ ہو، تو خدا کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکے گی، اور دین الٰہی کا فروغ نہ ہو سکے گا۔ اس لیے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ اپنی شانِ قدرت دکھائے گا (اور لے آئے گا تمہارے بدلے دوسری قوم، تمہارے سوا) یمن اور فارس وغیرہ سے، جو حکم ماننے والی ہوگی۔

تو یقین کرلو، کہ جنگ میں اپنی عدم شرکت (اور) کنارہ کشی سے تم (نہ بگاڑ پاؤ گے اس کا کچھ)۔ نہ تم خدا کو نقصان پہنچا سکتے ہو، اس لیے کہ وہ بے نیاز ہے اور نہ ہی رسول کریم کو، اس لیے کہ رسول عصمتِ الٰہی اور حفاظتِ خداوندی کی پناہ میں ہیں۔ (اور) جان لو (اللہ) تعالیٰ اس تغییر و تبدیل ۔۔بلکہ۔۔ (ہر چاہے پر قادر ہے)۔ اور اچھی طرح سے سن لو، کہ اگر تم لوگ مدد نہ دو گے اس کے پیغمبر کو، تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے اور آئندہ اُسے چھوڑ نہ دے، جیسے سابق میں اسنے اسے نہیں چھوڑا۔ پھر کان کھول کر سن لو! کہ۔۔۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ

اگر تم لوگ نبی کی مدد نہ کرو گے، تو بیشک انکی مدد تو اللہ نے کی ہے، جبکہ انکو نکالنے کی سازش کی تھی جنھوں نے کفر کیا تھا، دو جان،

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ

جبکہ دونوں غار میں ہیں، جب کہتے ہیں اپنے صحابی سے کہ رنج نہ کرنا، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اتار دیا

اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ

اللہ نے اپنی تسلی کو ان پر، اور مضبوط کر دیا ان کو ان لشکروں سے جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا، اور کر دیا

كَفَرُوا السُّفْلٰی ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

کافروں کے بول کو نیچا۔ اور اللہ ہی کا بول بالا ہے۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(اگر تم لوگ نبی کی مدد نہ کرو گے، تو) وہ تمہاری مدد کے محتاج نہیں، کیونکہ (بیشک ان کی مدد تو) ہمیشہ (اللہ) تعالیٰ (نے کی ہے)۔ یاد کرو (جبکہ ان کو) شہر مکہ سے (نکالنے کی سازش کی تھی) ان لوگوں نے، (جنھوں نے کفر کیا تھا)، اور حق تعالیٰ نے انہیں نکل جانے کی اجازت دی تھی، تو خوف کفار سے نہیں، بلکہ حکمِ الٰہی کی وجہ سے نکل پڑے (دو) مبارک (جان) والے، جن میں ہر ایک کو، دو کا دوسرا کہا جا سکتا ہے، لیکن راجح یہی ہے ثَانِیَ سے مراد ذاتِ پیغمبر ہے۔ اس حال میں (جبکہ دونوں غار میں ہیں) یعنی غارِ ثور میں۔

اور وہ غار جبل ثور کی چوٹی پر ہے، جو مکہ معظمہ کی داہنی طرف تھوڑے فاصلے پر ہے۔اس وقت وہاں کوئی نہیں پہنچتا تھا۔تو آنحضرت ﷺ پنج شنبہ کی شب یکم ربیع الاوّل کو مکہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مکان سے ان کے ساتھ نکلے، اور غار کے منہ پر پہنچے، اور حق تعالیٰ نے اُسی شب ببول کا درخت غار کے منہ پر اُگا دیا۔اور یہ بھی روایت ہے، کہ جنگلی کبوتر کے جوڑے کو حکم فرمادیا اور اس نے وہاں گھونسلہ بنالیا اور انڈے دیے۔اور مکڑی کو حکم دیا، اس نے غار کے منہ پر جالا لگالیا۔

غرضیکہ کفار غار کے منہ پر پہنچے اور چونکہ ان حالات سے یہ معلوم ہوتا تھا، کہ حضرت سیّد انام ﷺ یہاں نہیں ہیں۔۔لہٰذا۔۔وہ کفار ضلالت شعار اس غار کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کہتے تھے، کہ یارسول اللہ کہ اگر ان مشرکین میں ایک بھی اپنے قدم کے نیچے نگاہ کرے، تو ضرور ہمیں دیکھ لے گا۔حضرت خواجۂ کائنات ﷺ نے فرمایا، کہ۔۔۔

'کیا گمان ہے تیرا، ان دو کے متعلق جن کا تیسرا خدا ہے'

۔۔۔حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر یہ حدیث اور یہ صحبت اور یہ مدد واضح دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ اس حال سے خبر دیتا ہے، کہ یاد کرو اس وقت کو۔۔۔

(جب) پیغمبر (کہتے ہیں اپنے صحابی سے، کہ) کفار کو غار کی چوٹی پر اپنے قریب دیکھ کر **(رنج نہ کرنا، یقیناً اللہ)** تعالیٰ اپنی تمام تر مہربانیوں کے ساتھ **(ہمارے ساتھ ہے)**، وہ ہماری مدد فرمائے گا اور ہمیں بچائے گا۔**(تو)** مزید اطمینان وسکون کے لیے، **(اتار دیا اللہ) تعالیٰ (نے اپنی تسلی کو ان پر)**، یعنی نبی کریم پر۔'سکینہ' ہر وہ خصوصی چین ہے، جس سے قلوب کو اطمینان وقرار نصیب ہوتا ہے۔اس سے وہ رحمت مراد ہے، جس سے قلوب آرام اور چین پاتے ہیں۔**(اور مضبوط کردیا ان کو) فرشتوں کے (ان لشکروں سے جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا)** اور جو حضور ﷺ کی مدد کے لیے بدر، احزاب اور حنین میں حاضر ہوئے، تاکہ آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ ہو۔

(اور) اللہ تعالیٰ نے اس طرح (کردیا کافروں کے بول کو نیچا) یعنی شرک کو ابد الآباد تک کے لیے مقہور ومغلوب کردیا۔**(اور)** ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ **(اللہ) تعالیٰ (ہی کا بول بالا ہے)**۔۔الختصر۔۔کلمۂ شہادت۔۔یا۔۔دعوتِ اسلام۔۔یا۔۔توحید، ہی عالی قدر اور رفیع الشان ہیں، جن کا پرچم قیامت تک شان وشوکت کے ساتھ بلند رہے گا۔سن لو **(اور)** یاد رکھو! کہ **(اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا)** ہے، جو موحدوں کو عزت کی مسند عطا فرماتا ہے، اور **(حکمت والا ہے)**، یعنی دانا ہے مشرکوں کو ذلیل وخوار کرتا ہے۔

غزوۂ تبوک کے حکم کے درمیان میں غار کا قصہ بیان کرنے سے مقصود یہ ہے، کہ۔۔۔

اے جہاد سے کراہت کرنے والو! اگر تم ہمارے پیغمبر کو مدد نہ دوگے، تو ہم اس کی مدد کریں گے، اس طرح جیسے وہاں پر ہم نے اس کی مدد کی اور دشمنوں میں سے صحیح وسلامت نکال لائے، جہاں اس کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا، اور قریش کے تمام سردار اُسے قتل کرنے کے ارادے سے کھڑے ہوگئے تھے۔ تو مدد کی کنجی ہمارے ہی قبضۂ قدرت میں ہے، تو۔۔۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کوچ کرو خواہ ہلکے پھلکے اور خواہ بھرے بھرے، اور جہاد کرو اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾

یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر بوجھو●

(کوچ کرو خواہ ہلکے پھلکے) یعنی پیادے۔یا۔بیمار۔یا۔بوڑھے۔یا محتاج۔یا۔نہتے۔یا۔بے جورو۔یا۔دبلے۔یا۔تنہا ہو، (اور خواہ بھرے بھرے) یعنی سوار۔یا۔تندرست۔یا۔جوان۔یا۔مالدار۔یا۔ہتھیار والے۔یا۔جورو والے۔یا۔موٹے۔یا۔خدمتگار والے۔ الختصر۔ مذکورہ بالا حالات میں تمہاری جو بھی حالت ہو، پیادے ہو یا سوار، بیمار ہو یا تندرست، بوڑھے ہو یا جوان محتاج ہو یا مالدار، نہتے ہو یا ہتھیار والے، بے جورو ہو یا جورو والے، دبلے ہو یا موٹے، تنہا ہو یا خدمتگار والے۔ یونہی۔۔ فیضانِ طاعت سے سُبک روح ہو چکے ہو۔یا۔کسی اور وجہ سے گراں خاطر وگراں بار ہو، جب رسول جہاد کے لیے نکل پڑے اور تم کو بھی نکلنے کا اِذن دے دیا، تو اب کچھ پس وپیش مت کرو، بلکہ نکل پڑو (اور جہاد کرو اپنے مال وجان سے، اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)۔ یاد رکھو، کہ (یہ) نکلنا اور لڑنا (تمہارے لیے بہتر ہے)، خلاف کرنے اور جہاد نہ کرنے سے، (اگر بوجھو) تم جہاد کرنے کے ثواب اور نہ کرنے کے عذاب کو۔

جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو غزوۂ تبوک کا حکم فرمایا، تو وہ لوگ تین گروہ ہوگئے۔

ایک گروہ نے تو جلدی کی اور حکم سنتے ہی قبول کرلیا، اور وہ بڑے بڑے مہاجر وانصار تھے۔

اور بعضے ضعیف مومنوں کو گراں گزرا، مگر خدا اور سول کے حکم کو خواہش نفس پر مقدم رکھا اور اختیار کیا۔ اور بعضوں نے مکان پر رہنے اور خلاف کرنے کی اجازت چاہی، اور وہ منافق لوگ تھے۔ تو ان کے تعلق سے یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ

اگر ہوتا آس پاس کا مال اور سفر معتدل، تو وہ سب ساتھ ہوتے تمہارے۔ لیکن دور لگی انھیں

الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ

دشوار مسافت، اور بہت جلد قسم کھائینگے اللہ کی، کہ اگر ہم سکت رکھتے تو ضرور نکلے ہوتے تمہارے ساتھ۔ وہ تباہ کررہے ہیں

اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿۴۲﴾

اپنے آپ کو۔ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں●

ع ۵/۱۲

(اگر ہوتا) وہ جن کی طرف انہیں بلایا گیا ہے، (آس پاس کا مال) یعنی نزدیک ہی حاصل ہوجانے والا دنیاوی مال، جس کو حاصل کرنے کے لیے زیادہ تگ ودو کی ضرورت نہ ہوتی، (اور) اگر اس کے لیے (سفر) بھی کرنا پڑتا، تو وہ سفر (معتدل) یعنی زیادہ دشواریوں والا نہ ہوتا۔۔بلکہ۔۔درمیانہ اور آسان ہوتا، (تو وہ سب ساتھ ہوتے تمہارے) مال کی لالچ میں، (لیکن دور لگی انہیں دشوار مسافت) یعنی ایسی مسافت جو بغیر مشقت طے نہیں کی جاسکتی۔۔چنانچہ۔۔وہ اس کے لیے اپنے کو تیار نہ کرسکے، اور نہ جانے کے مختلف بہانے ڈھونڈنے لگے، (اور) اپنے کو بے سکت ثابت کرنے لگے۔

اے محبوب! آپ کی بارگاہ میں یہ لوگ (بہت جلد قسم کھائیں گے اللہ) تعالیٰ (کی، کہ اگر ہم سکت رکھتے، تو ضرور نکلے ہوتے تمہارے ساتھ) اور رِفاقت کرنے میں موافقت کرتے۔ درحقیقت اپنے اس طرزِ عمل سے (وہ تباہ کررہے ہیں اپنے آپ کو)، اور اپنی ذات کو عذاب کا مستحق بنارہے ہیں۔ یہ جھوٹے کس خواب وخیال (اور) کس خوش فہمی میں ہیں، وہ یقین کرلیں، کہ بے شک! (اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں) اور جہاد میں نہ شریک ہونے کے لیے جو عذر پیش کررہے ہیں، وہ صحیح نہیں، تو۔۔۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

اللہ معاف کرے، تم نے کیوں چھٹی دے دی انھیں، کہ آخر کھل جاتے سچے،

وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور پہچان لیتے جھوٹوں کو●

(اللہ) تعالیٰ (معاف کرے)۔

یہ جملہ، لوگوں کی عادت کے مطابق ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ لوگوں میں یہ بات معروف ہے، کہ اس شخص کے واسطے عفو ورحمت اور بخشش ومغفرت کی دعا کرتے ہیں، جس سے کچھ خطا سرزد نہ ہوئی ہو۔ جیسے کوئی پیاسے کو پانی پلاتا ہے اور پیاسا کہتا ہے غَفَرَاللّٰہُ لَکَ ۔۔ اللہ تیری مغفرت فرمائے۔۔ یا۔۔ جسے چھینک آتی ہے، اور وہ اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ کہتا ہے، تو اس کے جواب میں یَرۡحَمُکَ اللّٰہ کہتے ہیں۔۔ کہ اللہ تم پر رحم فرمائے۔۔ وغیرہ۔ تو یہاں بھی عام اسلوبِ گفتار کی رعایت کرتے ہوئے، کلمۂ محبت استعمال فرمایا گیا ہے، جس سے کسی سرزد گناہ کی معافی مقصود نہیں۔

ویسے بھی اِذن دینا۔ یا۔ نہ دینا، یہ دونوں باتیں حضور ﷺ کے اختیار میں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی اِذن دینے سے روکا نہیں تھا۔ اور عذر قبول کرلینا رَحۡمَۃٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کی رحمتِ عامہ کے مناسب تھا۔۔ الغرض۔۔ حضور کا اِذن دینا کسی لغزش کے خانے میں نہیں آتا، پھر وہ گناہ کے خانے میں کیسے آسکتا ہے۔۔۔ لیکن رب قدیر کو نبی کریم کے مقامِ رفیع کے پیشِ نظر، ایک سوال کرنا تھا، تو کہیں اس کو عتابِ الٰہی نہ سمجھ لیا جائے، اس لیے کلمۂ محبت عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ کو پہلے ارشاد فرمایا اور سوال بعد میں کیا، تاکہ لوگوں کا ذہن بھٹکنے نہ پائے اور اگر کوئی آپ کے اِذن کو آپ کی شان کے پیشِ نظر، خلافِ اولیٰ بھی قرار دے، تو اس کو بھی جواب مل جائے، کہ یہ وہ خلافِ اولیٰ ہے، جسے سوال کرنے سے پہلے عفو ومغفرت کی خداوندی سند دی جاچکی ہے۔ یہ بھی میرے محبوب کی شانِ محبوبیت کا کرشمہ ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا، کہ

اے محبوب! اللہ معاف کرے (تم نے) ان منافقین کا عذر کیوں سن لیا، اور ان کے حیلوں پر کیوں توجہ دی، اور پھر بہ عجلت (کیوں چھٹی دے دی انہیں)۔ یہاں تک تو آپ ٹھہرتے (کہ آخر کار (کھل جاتے) عذر کرنے میں جو (سچے) تھے، (اور پہچان لیتے جھوٹوں کو)، یعنی جھوٹ بولنے والے اور جھوٹا عذر کرنے والے آپ پر ظاہر ہوجاتے۔۔۔ اے محبوب! جنگ میں نہ جانے کی اجازت چاہنا ہی ان کے دل کے کھوٹ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر یہ سچے اور مخلص ہوتے، تو رسول کریم کی مرضی کے خلاف عمل کرنے کی اجازت ہی کیوں چاہتے؟ منافقین کا نفاق ان سے حیلے اور بہانے کراتا رہے گا، لیکن۔۔۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا

چھٹی تم سے نہ لیں گے جو مانتے ہیں اللہ کو اور پچھلے دن کو،

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

اپنے مال و جان سے جہاد کرنے سے، اور اللہ جانتا ہے اپنے ڈرنے والوں کو●

(چھٹی تم سے نہ لیں گے، جو مانتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کو)، اور تحقیق اور یقین کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، (اور) مانتے ہیں (پچھلے دن کو، اپنے مال و جان سے جہاد کرنے سے۔ اور اللہ) تعالیٰ خوب (جانتا ہے اپنے ڈرنے والوں کو)، یعنی پرہیزگاروں کو جنہوں نے خلاف کرنے سے پرہیز کیا۔

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

چھٹی وہی مانگتے ہیں جو نہ اللہ کو مانیں، نہ قیامت کو مانیں،

وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

شک میں پڑے ہیں ان کے دل۔ تو وہ اپنے شک میں ہچکولے لیتے ہیں●

ان کے برخلاف (چھٹی وہی مانگتے ہیں، جو نہ اللہ) تعالیٰ (کو مانیں) اور (نہ) ہی (قیامت کو مانیں۔ شک میں پڑے ہیں ان کے دل)۔ یعنی وہ حقیقتِ اسلام میں متردد ہیں، (تو وہ اپنے شک میں ہچکولے لیتے ہیں) اور سرگرداں و حیران پھرتے ہیں۔ ان کی عقل کام نہیں کر رہی ہے، بلکہ ایک طرح سے ناکارہ ہو چکی ہے۔۔ چونکہ۔۔ یہ منافقین شریکِ جنگ ہونا ہی نہیں چاہ رہے تھے، اسی لیے انہوں نے رخصت حاصل کر لینے کا پروگرام بنا لیا۔۔۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ

اور اگر جانا چاہتے تو اس کا سامان کرتے، لیکن اللہ ہی کو ان کا اٹھنا منظور نہ تھا، تو انھیں احدی کر دیا،

وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور کہہ دیا گیا کہ معذوری سے بیٹھنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو●

(اور اگر) وہ غزوۂ تبوک میں (جانا چاہتے، تو اس کا سامان کرتے)، اور سامانِ سفر تیار کر لیتے جس کی وہ استطاعت رکھتے تھے۔۔ الغرض۔۔ باوجود مکمل استطاعت کے، انہوں نے جہاد میں

شریک ہونا نہیں چاہا۔ اور رخصت چاہ لی۔ یہ تو ظاہری پہلو تھا۔ (لیکن) حقیقت تو یہ تھی، کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کو ان کا) غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے (اٹھنا منظور نہ تھا)، اسی لیے (تو انہیں احدی کر دیا) اور ان پر ڈر اور سستی غالب کر دی۔۔ نیز۔۔ ان کے دلوں میں بات ڈال دی (اور) ان سے (کہہ دیا گیا، کہ معذوری سے بیٹھنے والو) یعنی عورتوں، بچوں، بیماروں اور اپاہجوں (کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات خود آنحضرت ﷺ نے ان سے ناراض ہو کر فرمائی۔۔ یا یہ کہ ۔۔ ان میں سے بعض بعض سے کہتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے، کہ یہ مضمون بطور تشبیہ و تمثیل ہے۔۔ مثلاً: امر آمر کے بعد ان کے دلوں میں کراہت ڈالے جانے کو گھروں میں بیٹھنے والوں کے بیٹھنے سے تشبیہ دی ہے۔

ان منافقین کے سردار عبد اللہ ابن ابی نے یہ تماشہ بھی کیا، کہ اپنے غول کے ساتھ ایسا نکلا، گویا وہ جنگ میں شریک ہونے جا رہا ہے، پھر مقام زیاب کے سامنے ٹھہرا۔ جب لشکر ظفر پیکر ثنیۃ الوداع روانہ ہو کر دوسری منزل کی طرف کوچ کر گیا، تو پھر یہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ الٹا پھر آیا۔ یہ خبر رسولِ مقبول کو پہنچی، تو فرمایا، کہ اس میں کچھ بھلائی ہوتی، تو ہمارا ساتھ دیتا۔ شکر کرو، کہ شریروں کے شر سے تم بچ گئے۔ اور حق ﷻ نے جناب رسالت مآب کے قول کے موافق، یہ آیت بھیجی۔ جس سے یہ بھی واضح ہو گیا، کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کے لیے منافقین کے نکلنے کو کیوں ناپسند فرمایا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا۔۔۔

لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ

وہ لوگ اگر نکلتے تم میں، تو نہ بڑھاتے تم میں سوا نقصان کے، اور ضرور گپیں اڑاتے تم میں، چاہتے کہ تم میں فتنہ پڑ جائے۔

وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾

اور تم میں ان کی بات سننے والے ہیں۔ اور اللہ دانا ہے ان ظالموں کا●

(وہ لوگ اگر نکلتے تم میں، تو نہ بڑھاتے تم میں سوا نقصان کے) یعنی تباہی، برائی اور بے وفائی ہی کا مظاہرہ کرتے، (اور ضرور گپیں اڑاتے) اور وضع کرتے سخن چینی، غمازی و چغل خوری اور فساد (تم میں)۔ یعنی تمہارے درمیان۔ اور (چاہتے کہ تم میں فتنہ پڑ جائے)، یعنی تم میں مخالفت اور پھوٹ ڈال دیتے اور تمہیں رومیوں کی لڑائی سے ڈراتے۔ (اور) حال یہ ہے، کہ (تم میں ان کی بات سننے والے

ہیں)۔یعنی ان کے جاسوس ہیں، جوتمہاری خبریں انہیں پہنچاتے ہیں۔توہوشیار ہوجاؤ(اور)یقین رکھو، کہ(اللہ)تعالیٰ(دانا ہے)جاننے والا ہے(ان)نفاق والے(ظالموں کا)،اوران کے جاسوسوں کا۔

مذکورہ بالا اجمالی بیان کی مختصر تفصیل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا اوران کا جہاد کے لیے نکلنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت تھا،اوراس کے رسول ﷺ کی اتباع تھا،اورآپ کی اور مومنین کے لیے نصرت تھی،اوران کا یہ عمل محبوب اور پسندیدہ تھا۔ لیکن اللہ ﷻ کو یہ علم تھا، کہ اگر یہ جہاد کے لیے نکلے،توان کی نیت اللہ کی رضا جوئی،اس کے رسول کی اتباع،اور مسلمانوں کی نصرت نہیں ہوگی، بلکہ ان کا نکلنا اس لیے ہوگا، کہ وہ راستہ میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں۔ادھر کی اُدھر لگائیں، اور مسلمانوں میں فساد ڈالنے کی کوشش کریں۔

اوران کا مطمح نظر یہ ہوگا، کہ کسی طرح رسول اللہ ﷺ کا مشن ناکام کیا جائے،اوراس جہاد میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار کیا جائے۔اس لیے اُن کا جہاد کے لیے نکلنا اگرچہ بظاہر اللہ کی اطاعت اوراس کے رسول کا اتباع تھا،لیکن دراصل اُن کا نکلنا رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی بدخواہی پر مبنی تھا۔اوراُن کا نکلنا اس چیز کو مستلزم تھا، جو اللہ کے نزدیک مکروہ اور مبغوض تھی۔سواُن کا نکلنا اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ تھا۔

اورجس اعتبار سے مسلمان جہاد کے لیے نکلے تھے،اس اعتبار سے ان کا نکلنا محبوب اور پسندیدہ تھا۔اوراللہ کو علم تھا، کہ منافقین کا اسی اعتبار سے جہاد کا نکلنا تھا، جو اللہ کو ناپسندیدہ اور مبغوض ہے،اس لیے اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا ناپسند تھا اوراللہ تعالیٰ نے ان کی اس لیے مذمت کی، کہ جس طرح ان کو جہاد کے لیے نکلنا چاہیے تھا،اس طرح جہاد کے لیے نہیں نکلے۔اور ان کے اس طرح نہ نکلنے اور بیٹھے رہنے کی وجہ سے ان کو عذاب دے گا۔

اس بناپر جواب میں یہ کہا جائے گا، کہ ان کو جہاد کے لیے جس طرح نکلنا چاہیے تھا،اس طرح ان کا نہ نکلنا اللہ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔اوراس کی ضد ہے جہاد کے لیے اس طریقہ سے نکلنا، یہ اللہ کو پسندیدہ ہے،لیکن وہ اس طرح نہیں نکلنا چاہتے تھے۔وہ بربناء فساد جہاد کے لیے نکلنا چاہتے تھے، اور یہ نکلنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ تھا۔ غرض یہ کہ ان کا جہاد کے لیے نکلنا بھی ناپسندیدہ تھا،اورنہ نکلنا بھی حکم کی خلاف ورزی اور موجب عذاب تھا۔۔الحتصر۔۔ان فتنہ پروروں کی،فتنہ پروری کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتّٰى

بے شک انہوں نے فتنہ مچانا چاہا پہلے، اور الٹا کیے تمہارے کاموں کو، یہاں تک کہ

جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُونَ ﴿٤٨﴾

حق آیا اور اللہ کی مرضی ظاہر ہوگئی، اور وہ ناک بھوں چڑھائے ہیں●

(بے شک انہوں نے فتنہ مچانا چاہا) تھا (پہلے) بھی جنگِ اُحد اور جنگِ خندق کے موقع پر۔ ان مواقع پر ان کی کوشش تھی، کہ اصحاب متفرق ہوجائیں اور پریشانیوں میں مبتلا ہوجائیں، اور خود حکم کی تعمیل میں سستی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اگر جنگِ اُحد میں نبی کریم سے پھر گئے، تو جنگ خندق میں بول پڑے۔۔۔ 'اے یثرب والو! تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں'۔۔۔یعنی جنگ سے واپس چلو، کیونکہ کفار کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہے، (اور) اتنا ہی نہیں، بلکہ (الٹا کیے تمہارے کاموں کو)، یعنی تمہارے کاموں کو خراب کرنے کے لیے مکر و حیلے سے کام لیا، (یہاں تک کہ) نصرتِ خداوندی کی شکل میں (حق آیا اور اللہ) تعالیٰ (کی مرضی ظاہر ہوگئی) اور دین غالب و سربلند ہوگیا (اور وہ ناک بھوں چڑھائے ہیں)، یعنی وہ نہ چاہنے والے ہیں تیری نصرت اور دولت کو، مگر جب خدا چاہتا ہے، تو ان کے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟

وہ لوگ جنگ میں نہ جانے کے لیے کیا کیا بہانے تراشتے تھے، اس کی ایک مثال یہ ہے، کہ جب حضرت رسالت پناہ ﷺ نے جند بن قیس سے فرمایا، کہ 'شاید اہل روم کے قتال پر تو میل کرے اور ان سے حرمیں خوب اور لونڈیا مرغوب لے'۔ جند بن قیس بولا، کہ انصار جانتے ہیں، کہ عورت میری کمزوری ہے۔ ڈرتا ہوں، کہ رومیوں کی عورتوں کو دیکھ کر میں آپے سے باہر نہ ہوجاؤں اور فتنے میں مبتلا ہوجاؤں۔

۔۔الحاصل۔۔بہانے بناتے ہیں۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ

اور ان کے بعض کہتے ہیں کہ مجھے چھٹی دیجیے، اور فتنہ میں نہ ڈالیے۔ خبردار! وہ لوگ خود فتنہ میں

سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكٰفِرِينَ ﴿٤٩﴾

گر پڑے۔ اور بے شک جہنم کافروں پر گھیرا ڈالے ہے●

(اور ان کے بعض کہتے ہیں، کہ مجھے چھٹی) دے (دیجیے اور فتنہ) و آزمائش (میں نہ ڈالیے۔ خبردار) ان کی چکنی چپڑی باتوں پر دھیان نہ دیجیے، اس لیے کہ (وہ لوگ) تو (خود) اپنے نفاق کو ظاہر کر کے (فتنہ میں گر پڑے) ہیں، اور آزمائش میں ناکام ثابت ہو گئے ہیں۔ (اور) ان کے اسی منافقانہ کرتوت کی وجہ سے (بے شک جہنم کافروں پر گھیرا ڈالے ہے)۔ جہنم میں جانا اور اس کے گھیرے میں آنا، ان کا مقدر بن چکا ہے۔ ان کا حال عجیب ہے، اے محبوب! بعض لڑائیوں میں۔۔۔

إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا

اگر پہنچے تم کو خیریت، تو انھیں برا لگے۔ اور اگر پہنچے مصیبت، تو کہیں کہ بے شک

قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾

ہم نے بنا لیا تھا اپنا معاملہ پہلے ہی سے۔ اور منہ پھیرے بڑے خوش ●

(اگر پہنچے تم کو خیریت) یعنی بھلائی، فتح، غنیمت، جیسا کہ بدر میں ہوا، (تو انہیں برا لگے) کمالِ حسد کی وجہ سے۔ (اور اگر پہنچے) بعض لڑائیوں میں (مصیبت)۔۔ مثلاً: زخم، شدت، جیسے کہ جنگِ اُحد میں ہوا تھا، (تو) خود پرستی کی راہ سے مسرور ہو کر (کہیں، کہ بے شک ہم نے بنا لیا تھا اپنا معاملہ پہلے ہی سے)۔۔ چنانچہ۔۔ ہم نے دور اندیشی اور احتیاط سے کام لیا، جو اس لڑائی میں نہیں گئے ۔۔ چنانچہ۔۔ وہ خوشیاں مناتے ہوئے (اور) اپنی روگردانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، لوٹتے ہیں (منہ پھیرے بڑے) ہی (خوش)۔ اے محبوب! واشگاف انداز میں ان سے۔۔۔

قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ

کہہ دو، کہ "ہرگز نہ پہنچے گا ہمیں، مگر جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے۔ وہ ہمارا مولیٰ ہے"۔ اور اللہ ہی پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾

تو مسلمانوں کا بھروسہ ہے ●

(کہہ دو، کہ ہرگز نہ پہنچے گا ہمیں مگر جو لکھ دیا) لوحِ محفوظ میں (اللہ) تعالیٰ (نے ہمارے لیے)، وہ خواہ غنیمت ہو۔۔ یا۔۔ ہزیمت، خوشی ہو۔۔ یا۔۔ سختی، اور دولت ہو۔۔ یا۔۔ نکبت۔ ہم اس کی رضا پر راضی اور اس کی قضاء پر صابر و شاکر ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (وہ ہمارا مولیٰ ہے) یعنی والی، یار

اور کام بنانے والا ہے۔ (اور اللہ ہی پر)، اس کے غیر پر نہیں، (مسلمانوں کا بھروسہ ہے) اس واسطے، کہ خدا پر توکل کرنے کا نتیجہ، مُرادوں کا حصول، مہمات کی کفایت اور آفتوں سے بے خوفی ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ

کہہ دو کہ ہمارے لئے کیا انتظار کرتے ہو بجز دو بھلائیوں میں ایک۔ اور ہم تمہارا انتظار کرتے ہیں اس کا،

اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ

کہ مصیبت میں ڈالدے تمہیں اللہ، عذاب بھیج کر اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے،

فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

تو تم انتظار کرتے رہو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں●

اے محبوب! (کہہ دو، کہ ہمارے لیے کیا انتظار کرتے ہو بجز دو بھلائیوں میں سے ایک) یعنی ہماری فتح۔۔یا۔۔ہماری شہادت کے سوا ہمارے تعلق سے تم کسی اور بات کے امیدوار ہو، تو تمہاری یہ امید پوری ہونے والی نہیں، اس لیے کہ ہر معرکۂ حق و باطل کے نتیجے میں، ہمیں دو میں سے ایک چیز تو ملے گی ہی۔ اگر ہم قتل کریں گے، تو فتح و نصرت ہمیں ملے گی۔ اور اگر مقتول ہوں گے، تو شہادت ہمارا مقدر ہوگی۔

خیر تم ہمارے لیے مذکورہ بالا دو باتوں میں سے جس چیز کا بھی انتظار کرو (اور ہم)۔۔نیز۔۔ سارے اہل ایمان، (تمہارا انتظار کرتے ہیں اس کا) اور تمہارے تعلق سے صرف اس بات کے امیدوار ہیں، (کہ مصیبت میں ڈالدے تمہیں اللہ) تعالیٰ، خواہ (عذاب بھیج کر اپنے پاس سے) جیسے زلزلہ، زمین دھنسا دینا، تاکہ تم ہلاک ہو جاؤ (یا) تمہیں عذاب پہنچائے (ہمارے ہاتھوں سے)، کہ تمہیں تمہارے کفر کے سبب ہم قتل کریں۔ (تو تم انتظار کرتے رہو) اس چیز کا جو ہمارے لیے چاہتے ہو، اور (ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں) اس کے جو تمہارے واسطے چاہتے ہیں۔

اے محبوب! جند بن قیس کی اس احمقانہ گزارش کو تو دیکھیں، یہ آپ سے عرض کرتا ہے، کہ میں جنگِ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت چاہتا ہوں، اس واسطے کہ رومیوں کی لڑائی میں جانے سے معذور ہوں، مگر آپ کے لشکر کو اپنے مال سے مدد دیتا ہوں، تو اے محبوب! اس کے اور اس جیسے تمام منافقین کے تعلق سے۔۔۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ

فیصلہ کردو کہ تم لوگ خرچ کرو خوشی سے یا دباؤ سے، تم لوگوں سے قبول نہ کیا جائے گا۔

اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

بے شک تم نافرمان لوگ تھے●

(فیصلہ کردو) اور اس سے انہیں باخبر کردو، (کہ تم لوگ خرچ کرو خوشی سے یا دباؤ سے)، یعنی تم لوگ دینا چاہو خواہ رغبت سے۔۔یا۔۔کراہت ونفرت سے، کسی صورت میں بھی (تم لوگوں سے) مال (قبول نہ کیا جائے گا)۔ اس لیے کہ (بے شک تم نافرمان) یعنی دائرۂ اسلام سے باہر نکلے ہوئے (لوگ تھے)، اور کافروں کا خرچ قبول نہیں۔۔۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ

اور نہیں ہے کوئی رکاوٹ ان کی کہ قبول کرلیا جائے ان کا خرچ کرنا، مگر یہ کہ انھوں نے کفر کیا اللہ اور رسول کے ساتھ،

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور نہیں آتے نماز کو مگر بے جی کے، اور نہ خرچ کریں مگر دباؤ میں پڑ کر●

(اور نہیں ہے کوئی رکاوٹ ان کی، کہ قبول کرلیا جائے ان کا خرچ کرنا)، یعنی ان کے نفقات کو قبول کرنے میں کوئی اور شے مانع نہیں، (مگر) اگر کوئی مانع اور رکاوٹ ہے، تو وہ (یہ) ہے (کہ انہوں نے کفر کیا اللہ) تعالیٰ (اور) اس کے (رسول کے ساتھ)۔ اسی وجہ (اور) اسی سبب سے (نہیں آتے نماز کو، مگر بے جی کے، اور نہ) ہی (خرچ کریں، مگر دباؤ میں پڑ کر)۔۔الغرض۔۔چونکہ وہ دل سے اللہ و رسول پر ایمان نہیں لائے ہیں، اس لیے ان کا عمل اور ان کی ہر عبادت خواہ بدنی ہو۔۔یا۔۔مالی، سب کی سب منافقانہ ہے۔ جبھی ان اعمال کو انجام دینے میں ثواب کی امید نہیں رکھتے، اور انہیں ترک کردینے میں عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اب رہ گیا ان کا اموال واولاد والا ہونا، تو یہ چیز آپ کی امت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی آپ کے امتیوں کو اس پر متعجب ہونا چاہیے۔۔۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

تو تعجب میں نہ ڈالیں تم کو ان کے مال، نہ اولاد۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ عذاب دے

بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

ان چیزوں سے دنیاوی زندگی میں، اوران کا دم نکلے جب کہ وہ کافر ہی ہوں●

(تو تعجب میں نہ ڈالیں تم کو) اے وابستگانِ دامن نبوت (ان کے مال) اور (نہ) ہی ان کی (اولاد)، اس لیے کہ مال اور اولاد کی کثرت ان کے واسطے وبال ہے، کیونکہ (اللہ) تعالیٰ (یہی چاہتا ہے کہ عذاب دے ان چیزوں سے) ان کو ان کی (دنیاوی زندگی میں)۔ دنیا میں مال جمع کرنے کی تکلیف ومشقت اور اس کی حفاظت کے سبب سے، اور اولاد سے جو تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچتی ہیں، اس کی وجہ سے۔۔ الختصر۔۔ مذکورہ بالا اسباب اور وجہیں ان کے حق میں عذابِ الٰہی ہیں، جس سے انہیں پرسکون زندگی گزارنے کا موقع ہی میسر نہیں آسکتا۔ (اور) اللہ یہ بھی چاہتا ہے، کہ (ان کا دم نکلے اس حال میں (جبکہ وہ کافر ہی ہوں)، یعنی کفر ہی پر مریں۔ نہ ان کا مال ان کی دستگیری کرے، اور نہ ہی ان کی اولاد فریاد کو پہنچے۔۔۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ضرور ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝

سے نہیں۔ ہاں وہ تم سے ڈرتے ہیں●

(اور) ذرا ان کی دیدہ دلیری تو دیکھو، کہ (قسمیں کھاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی، کہ وہ تم میں سے ضرور ہیں) یعنی وہ مسلمان ہی ہیں، (حالانکہ وہ تم میں سے نہیں) ہیں۔ (ہاں وہ تم سے ڈرتے ہیں) کہ کہیں ان کے ساتھ قتل اور قید سے اس طرح نہ پیش آؤ، جیسے مشرکوں سے پیش آتے ہو۔ تو اس واسطے پیروی کے ساتھ یعنی مسلمانوں جیسا عمل کرکے اپنے کو اسلام والا ظاہر کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں سے اس قدر خوف زدہ ہیں، کہ وہ جلد سے جلد مسلمانوں کی پہنچ اور ان کی گرفت سے نکل جانا چاہتے ہیں۔۔ تو۔۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا

اگر پا جائیں کوئی پناہ گاہ، یا سرنگ، یا سوراخ، تو ادھر جھک پڑتے،

اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝

دوڑتے ہوئے●

(اگر) وہ (پا جائیں کوئی پناہ گاہ۔۔یا۔۔سرنگ۔۔یا۔۔سوراخ) جس میں وہ گھس سکیں، (تو ادھر جھک پڑتے دوڑتے ہوئے) منہ زور گھوڑے کی طرح، جورو کنے سے بھی نہ رکے۔جن منافقین کا ذکر ہو رہا ہے، ان کے طرزِ عمل سے واضح ہو گیا، ان کا مقصد صرف حصولِ دنیا ہے اور بس۔اور انہیں صرف اسی کی حرص ہے، کہ زیادہ سے زیادہ دنیاوی مال حاصل کرلیں۔حرصِ مالِ دنیا نے انہیں گستاخ وجری بنادیا ہے، تواے محبوب! ابولجواظ منافق، ابن خویصرہ، متعب بن قشیر۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا

اوران میں کوئی ہے، کہ نکتہ چینی کرتا ہے تم پر صدقات میں، چنانچہ اگر ان کو دیا گیا تو خوش ہو گئے،

وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور اگر نہیں دیا گیا تو خفا ہیں●

(اور) ان جیسا (ان) منافقین (میں کوئی) کوئی (ہے)، جو (کہ نکتہ چینی کرتا ہے تم پر صدقات) یعنی زکوٰۃ۔۔یا۔۔حنین کی غنیمتوں کی تقسیم کے بارے (میں)۔

۔۔چنانچہ۔۔ابوالجواظ نے کہا، کہ اے مسلمانو! اپنے یار کو دیکھو، کہ تمہارے صدقے بکریاں چرانے والوں کو دیتا ہے، اور گمان کرتا ہے کہ میں عدل کرتا ہوں۔۔یونہی۔۔جب نبی کریم نے تالیفِ قلب کے لیے نئے مسلمانوں کو زیادہ حصہ دیا۔۔یا۔۔یمن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا سونا سب کا سب شرفائے عرب میں سے، صرف چار آدمیوں کو دے دیا، تو ابن خویصرہ نے جرأت و بیباکی کر کے آنحضرت ﷺ سے کہا، کہ یارسول اللہ انصاف کیجیے، اور آپ نے اس کے جواب میں فرمایا، اگر میں نے انصاف نہیں کیا، تو کون شخص انصاف کرے گا۔آپ نے اس کا اور اس کی قوم کا نام 'مارقین' رکھا، یعنی ایمان سے خارج ہو جانے والے۔جنگِ نہروان میں رسول کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہی سے جنگ کی تھی اور ان کا قلع قمع کر دیا تھا۔۔المختصر۔۔حالات شاہد ہیں، کہ یہ مال کے حریص ہیں۔۔۔

(چنانچہ اگر) ان کی منشاء کے مطابق (ان کو) مال دے (دیا گیا، تو خوش ہو گئے اور اگر نہیں دیا گیا تو) ان کے چہرے سے صاف ظاہر ہو جائے گا، کہ وہ (خفا ہیں)۔۔۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

کاش وہ خوش ہو جاتے جو دیا تھا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور کہتے کہ کافی ہے ہمیں اللہ،

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾

ع ١٢

بہت جلد دے گا ہمیں اللہ اپنے فضل سے، اور اس کا رسول۔ بے شک ہم اللہ کی طرف راغب ہیں●

(کاش) ایسا ہوتا، کہ (وہ خوش ہو جاتے) اور راضی ہو جاتے اس پر، صدقہ۔۔۔یا۔۔۔غنیمت میں سے (جو دے دیا تھا ان کو اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول نے۔ اور) کمالِ سعادت کا مظاہرہ کرتے ہوئے (کہتے، کہ کافی ہے ہمیں اللہ) تعالیٰ، یعنی فضلِ الٰہی ہمارے لیے بس ہے۔ ہم رحمتِ خداوندی سے مایوس نہیں ہیں۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ (بہت جلد دے گا ہمیں اللہ) تعالیٰ (اپنے فضل) بے پایاں (سے اور) یونہی (اس کا رسول) عطا فرمائے گا اپنے کرمِ بے نہایت سے۔ (بے شک ہم اللہ) تعالیٰ (کی طرف راغب ہیں) یعنی اُسی کی طرف مائل ہونے والے اور اُسی سے امید رکھنے والے ہیں۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔اُن کا یہ کہنا ان کے واسطے بہتر ہوتا، اس لیے کہ قسمت پر راضی ہونا خوشی کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس میں ناراض ہونا، رنج و محنت کا سبب ہے۔ بے شک بقول حضرت ابراہیم ابن ادھم۔۔۔۔ جو شخص مقدرات پر خوش ہوا، وہ رنج و ملال سے چھوٹا۔۔۔۔ اب آگے حق تعالیٰ صدقات کے مصارف بیان فرما رہا ہے، تا کہ لوگ جان لیں، کہ آنحضرت ﷺ نے غنیمتیں تقسیم کرنے میں جو کچھ کیا، وہ عین صواب تھا۔ تو جان لو اور یاد رکھو، کہ۔۔۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

صدقات تو مالک بنا دینا ہے، صرف فقیروں کو، اور ناداروں کو، اور جو تحصیلنے کو عامل اس پر ہیں۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور جن کے دل کو لگائے رکھنا ہے، اور غلام کو آزاد کرنے میں، اور قرض داروں کو، اور اللہ کی راہ میں،

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾

اور حاجت مند مسافروں کو۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(صدقات تو مالک بنا دینا ہے صرف فقیروں کو)، یعنی ان کو جو کفافِ معیشت یعنی روزمرہ کا خرچ و وظیفہ رکھتا ہو، اس لیے سوال نہ کرتا ہو، (اور) مالک بنا دینا ہے (ناداروں کو) جو کفافِ معیشت

نہ رکھتا ہو، اس سبب سے سوال کرے، **(اور جو تحصیلنے کو عامل اس پر ہیں)**۔ یعنی جو اس کی تحصیل کرنے اور اس کو وصول کرنے میں کوشش کرنے کے لیے مقرر ہیں۔ **(اور)** ان کے لیے ہے **(جن کے دل کو لگائے رکھنا ہے)**۔ یعنی جن لوگوں نے اسلام تو قبول کیا، مگر ان کی نیتیں ابھی خالص نہیں، تو ان کی تالیف قلوب کے واسطے انہیں محظوظ کرنا چاہیے۔

اور مؤلّفِ قلوب اشرافِ عرب تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات پر نظر کر کے، کہ ان کے دلوں میں دینِ حق کی طرف اور اسلام قبول کرنے کی جانب الفت ہے، اُن ایسے لوگوں کو حنین کی غنیمتوں میں سے پورا حصہ عطا فرمایا، جیسے حضرات ابوسفیان عتبہ بن حصن اور اقرع بن حابس وغیرہ کو، اور چونکہ مؤلّفِ قلوب لوگوں کا حصہ ان غرضوں سے تھا جو مذکور ہوئیں، تو ظہورِ اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کے بعد صحابہ کے اجماع سے، یہ حصہ ساقط ہو گیا۔

(اور) ایسے ہی صدقات ہیں **(غلام کو آزاد کرنے میں)** یعنی جس غلام۔۔یا۔۔لونڈی نے اپنی آزادی کے لیے اپنے مالک سے کوئی رقم طے کر لی ہے، تو صدقہ کے مال سے ان کو وہ رقم دے کر ان کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔ **(اور)** ایسے ہی **(قرض داروں کو)** ان کے قرض سے چھٹکارا دلانے کے لیے ۔۔بشرطیکہ۔۔انہوں نے قرض اپنے واسطے لیا ہو اور اس کو گناہوں کے کام میں نہ خرچ کیا ہو۔۔الغرض۔۔ ایسے قرضداروں کو قرض ادا کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ **(کی راہ میں)**۔۔مثلاً: غازیوں، مجاہدوں اور ان کے لیے ہتھیار وغیرہ خریدنے کے لیے، اور ایسے کام کے لیے جس میں خدا و رسول کی خوشنودی ہو، یہ رقم لگائی جا سکتی ہے۔

(اور) اسی طرح **(حاجت مند مسافروں کو)** جو وطن سے دور ہونے کے سبب اپنے مال و اسباب سے دور ہوں، تو اگر ان کو ضرورت پڑ جائے، تو ان کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے۔۔المختصر۔۔ **(یہ اللہ)** تعالیٰ **(کی طرف سے مقرر ہے)**۔ مذکورہ بالا مصارف کے لیے، یعنی حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے واسطے زکوٰۃ فرض کی ہے۔ **(اور)** بے شک **(اللہ)** تعالیٰ **(علم والا)** ہے، وہ خوب جانتا ہے مستحقوں کو اور **(حکمت والا ہے)** یعنی حکم کرنے والا ہے، ایسے طور پر جس کی خوبیوں پر کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۷۱ میں فقراء کو زکوٰۃ دینے کو زیادہ بہتر فرمایا ہے، اور فقراء ایک صنف ہے۔ اور ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس صدقہ کا مال آیا، تو آپ نے اُسے صرف 'مولفۃ القلوب' کو عطا فرما دیا۔ پھر دوسری مرتبہ مال آیا، تو آپ

نے صرف مقروضوں کو دے دیا۔ اس میں یہ دلیل ہے، کہ صرف ایک صنف پر اقتصار کرنا جائز ہے۔ اور چونکہ جنس صدقہ کو، کسی صنف کی جنس پر خرچ کرنے کو بیان فرمایا ہے، اس لیے کسی صنف کے ایک فرد پر بھی زکوٰۃ کی پوری رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

سابقہ آیات میں منافقین کے تعلق سے ان کے بعض حالات سے باخبر کیا گیا اور اب آگے ان کی طرف سے ان اذیت رسانیوں کی وضاحت فرمائی جارہی ہے، جو وہ جان بوجھ کر رسول کریم ﷺ کو پہنچارہے ہیں۔ منافقین کا یہ طریقہ رہا ہے، کہ جب بھی وہ تخلیہ میں ہوتے، تو آپس میں رسول کریم ﷺ کی شان میں توہین آمیز گفتگو کرتے، اور آپ کی ذاتِ مبارکہ کی طرف ایسی ایسی لایعنی باتیں منسوب کرتے، جس کو وہ کھلے عام ظاہر میں کہنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ اس پر اگر کوئی ان کو ٹوکتا، کہ ایسی باتیں نہ کرو، اس لیے کہ اگر آپ ﷺ تک یہ باتیں پہنچیں گی، تو تم سب رسوا ہوجاؤ گے۔ یہ سن کر ان میں سے کوئی بولتا، کہ محمد ﷺ 'تو صرف 'کان' ہے، یعنی 'کان کے کچے ہیں'۔ ہم جو چاہیں کہیں اور جب ان کے سامنے جائیں اور قسم کھائیں، کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی، تو وہ باور کرلیتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے، کہ نبتل بن حارث برابر چغل خوری کیا کرتا اور مسلمانوں کے بھید دیگر منافقوں میں ظاہر کردیا کرتا، اور جب اُسے منع کرتے، تو کہتا، کہ محمد ﷺ 'تو بات سن لینے والے ہیں، ہم، ہاں نہیں، جو کہتے ہیں، وہ مان لیا کرتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ دل سے ایمان نہ لانے والوں۔۔۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ

اور ان میں کوئی ہیں کہ دکھ دیتے ہیں آنحضرت کو، اور کہتے ہیں "کہ وہ تو کان کے ہلکے ہیں"۔ جواب

خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دیدو "کہ تمہارے بھلے کو کان کے ہلکے ہیں"، مانتے ہیں اللہ کو اور مان جاتے ہیں ایمان والوں کی بات کو، اور سراپا رحمت

مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

انکے لئے جو ایمان لاچکے تم میں سے۔ اور جو دکھ دیں رسول اللہ کو، انکے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(اور ان) پیکرانِ نفاق (میں کوئی) کوئی (ہیں، کہ دکھ دیتے ہیں آنحضرت کو)، یعنی آپ

کے تعلق سے ایسی باتیں کرتے ہیں، جسے آپ اگر سنیں، تو آپ کو اذیت ہو۔اور جب انہیں کے لوگ انہیں روکتے ہیں، کہ ایسی لایعنی باتیں نہ کرو، جسے اگر وہ سن لیں تو غضب ناک ہو جائیں اور پھر اس سے ہماری رسوائی ہو، تو وہ جواب دیتے ہیں **(اور کہتے ہیں، کہ وہ تو کان کے ہلکے ہیں)**۔ان سے جو بھی کوئی کچھ کہتا ہے، تو وہ سن لیتے ہیں اور سچ سمجھ لیتے ہیں۔اے محبوب! ایسوں کو **(جواب دے دو، کہ تمہارے بھلے کو کان کے ہلکے ہیں)** یعنی وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سنتے ہیں، لیکن وہ اس طرح نہیں سنتے، جس طرح تم ان کے سننے کا بطورِ مذمت ذکر کرتے ہو۔ بلکہ وہ نیکی کی بات سنتے ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں۔

آپ کے نزدیک جس بات پر دلائل قائم ہوں، آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔مومنین کی باتوں کی آپ تصدیق کرتے ہیں، کیونکہ آپ کو ان کے خلوص کا علم ہے۔اس میں یہ تعریض ہے، کہ منافقین 'بُرے کان' ہیں۔وہ اللہ کی آیات سنتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے اور مسلمانوں کی باتیں سنتے ہیں اور ان کو قبول نہیں کرتے۔اور نبی کریم ﷺ ان کی باتیں ازراہِ شفقت سنتے ہیں، لیکن اس کو قبول نہیں کرتے۔منافقین میں سے جو ایمان کا اظہار کرتا ہے، اس کو گویا مان لیتے ہیں اور اس کا پردہ فاش نہیں کرتے۔

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ وہ تمہارے حال سے ناواقفیت کی بناپر تمہارے قول کو قبول نہیں کرتے۔۔بلکہ۔۔تم پر شفقت اور رحمت کی وجہ سے تمہاری باتوں کو قبول کر لیتے ہیں۔

تو اے منافقو! اِس خام خیالی میں نہ رہو، کہ میرا رسول تمہاری چکنی چپڑی باتوں پر یقین کر لیتا ہے، بلکہ ہمارے رسول **(مانتے ہیں اللہ)** تعالیٰ **(کو)**، یعنی اس کی ہر بات جو اس نے فرمائی۔۔یا۔۔فرماتا ہے، کی تصدیق کرتے ہیں۔**(اور مان جاتے ہیں ایمان والوں کی بات کو)** چونکہ وہ ان ایمان والوں کے خلوص سے واقف ہیں، اس لیے ان کی باتوں کو قبول فرما لیتے ہیں۔**(اور)** آپ ﷺ **'(سراپا رحمت)** ہیں **(ان کے لیے جو ایمان لاچکے ہیں تم میں سے)**۔۔الختصر۔۔تم اس خیال میں نہ رہو، کہ وہ تمہیں نہیں جانتا، بلکہ وہ تمہارا صدق اور کِذب سب جانتا ہے، مگر تمہارا پردہ فاش نہیں کرتا اور رحمت کی رو سے تم پر مہربانی اور نرمی کرتا ہے۔**(اور) سن لیں وہ لوگ (جو دکھ دیں)** اپنے قول وفعل سے **(رسول اللہ کو، ان کے لیے) آخرت میں (دکھ دینے والا عذاب ہے)**۔اے مسلمانو! یہ منافقین۔۔۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ

اللہ کی قسمیں تم سے کھاتے ہیں، کہ تم کو راضی کرلیں۔ اور اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہے

اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

کہ اس کو راضی کرتے، اگر مانتے ہوتے●

(اللہ) تعالیٰ (کی قسمیں تم سے کھاتے ہیں) اور تمہارے سامنے حلفیہ بیان دیتے ہیں، کہ وہ منافق نہیں ہیں، تا (کہ تم کو راضی کرلیں) اور اپنے سے خوش کرلیں۔ ان نادانوں کو یہ بھی خبر نہیں، کہ صرف مسلمانوں کو دھوکا دے کر خوش کردینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کو اگر راضی کرنا ہے (اور) خوش کرنا ہے، تو اچھی طرح سے سن لیں، کہ (اللہ) تعالیٰ (اور اس کا رسول زیادہ حقدار) اور سزاوار (ہے) اس بات کا (کہ اس کو راضی کرتے) اور اپنے قول وعمل سے اُسے خوش کرتے، (اگر) حقیقی معنوں میں (مانتے ہوتے) اور سچے، سراپا اخلاص مومن ہوتے۔ صرف اتنا کہہ دینے سے کام نہ چلے گا، کہ 'ہم مومن ہیں'۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ

کیا انھوں نے یہ نہ جانا، کہ جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی، تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے،

خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

ہمیشہ رہنے والا اس میں۔ یہ بڑی رسوائی ہے●

(کیا انہوں نے) یعنی ان منافقین نے (یہ نہ جانا کہ جو مخالفت کرے) خفیہ۔۔۔یا۔۔علانیہ (اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کی)، اور مخالفت میں حد سے گزر جائے، (تو) آخرت میں (اس کے لیے جہنم کی آگ ہے) اور وہ (ہمیشہ رہنے والا) ہے (اس میں)۔ ظاہر ہے، کہ (یہ) یعنی ہمیشہ دوزخ میں رہنا، بطور سزا رہنے والے کے لیے (بڑی رسوائی ہے)، جس سے کبھی رہائی نہیں مل سکتی۔

یہ منافقین بھی بڑے ہی بدبخت واقع ہوئے تھے، کہ نبی کریم ﷺ کو طرح طرح سے اذیت پہنچاتے رہتے تھے، اور آپ کے ارشادات کا اپنوں میں مذاق اڑاتے تھے، اس لیے کہ جونہی رسول ﷺ سے کوئی ایسی بات سنتے، جو آپ فرماتے کہ یہ حکم وحی الٰہی ہے، تو وہ استہزاء کے طور پر آپس میں کہتے، کہ یارو ڈرو، شاید محمد ﷺ پر کوئی ایسی وحی نازل ہوجائے،

جس سے ہمیں شرمساری اور رسوائی اٹھانی پڑے۔۔چنانچہ۔۔بطورِ استہزاء اپنے خوفزدہ اور ڈرنے والا ہونے کی نمائش کرتے۔ان کے قول وعمل سے ایسا لگتا، کہ گویا۔۔۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا

ڈرتے رہتے ہیں منافق لوگ، کہ اتاری جائے ان مسلمانوں پر کوئی سورت، جو بتادے انھیں جو منافقوں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

کے دل میں ہے۔ کہہ دو کہ اڑاؤ ٹھٹھا، بیشک اللہ سامنے لانے والا ہے وہ جس کو ڈرا کرتے ہیں●

(ڈرتے رہتے ہیں) یہ (منافق لوگ کہ اتاری جائے ان مسلمانوں پر کوئی سورت جو بتادے انہیں) ان باتوں کو (جو منافقوں کے دل میں ہے)۔۔الغرض۔۔یہ سب باتیں یہ لوگ بطور ٹھٹھا آپس میں ایک دوسرے سے کیا کرتے اور آپس میں ہنستے۔ یہ اپنے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار بھی بطورِ استہزاء ہی کرتے۔تو اے محبوب! ان کو دھمکی دے دو، اور ڈرا دو۔۔نیز۔۔(کہہ دو کہ اڑاؤ ٹھٹھا، بے شک اللہ) تعالیٰ (سامنے لانے والا ہے) ان سب کے، (وہ) رسوائی و ذلت یہ لوگ (جسکو ڈرا کرتے ہیں)، اگرچہ وہ اپنے خوف کو برنگ استہزاء پیش کرتے ہیں۔۔الختصر۔۔وحی آسمانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کی بری صفتوں اور برے اخلاق و کردار کو سب پر ظاہر فرما کے رہے گا۔

غزوۂ تبوک میں منافقین کا ایک گروہ آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گزرتا، تو اس گروہ کا رئیس اور گروہ کے دوسرے افراد سرکار کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے، کہ دیکھو یہی مرد ہے جو چاہتا ہے، کہ شام کے مکانات لے لے اور وہاں کے بادشاہوں کے محلوں میں مقام کرے۔ یہ بات نورِ نبوت سے آنحضرت ﷺ کے دل پر منکشف ہوگئی۔آپ نے حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ یہ گروہ جو آگے چلا گیا، اس کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو، کہ کیا کہہ رہے تھے۔اگر انکار کریں، تو کہہ دینا کہ تم نے یہ یہ کہا۔ حضرت عمار نے ان کے پاس جا کر سب کہہ دیا، تو وہ آنحضرت ﷺ کے سامنے آئے اور عذر کرنے لگے، کہ ہم نے یہ بات دل لگی کے طور پر کی ہے، جیسے کہ راہ چلتوں کی عادت ہوتی ہے، کہ ہنسی مذاق کرتے ہوئے چلتے ہیں، اس میں ان کی کوئی بری نیت نہیں ہوتی۔ان کے اس متوقع عذر کی خبر پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو دے دی تھی۔۔۔

وَلَىِٕنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَـقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ‌ؕ قُلۡ

اور اگر ان سے جواب طلب کرو، تو ضرور کہیں گے، "کہ ہم تو بس گپ لڑاتے اور کھیل رہے تھے"۔ حکم دیدو

اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾

"کہ کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کر رہے تھے؟" ●

(اور) فرما دیا تھا، کہ اے محبوب! (اگر ان سے جواب طلب کرو) گے، (تو ضرور) یہی (کہیں گے، کہ ہم تو بس) یونہی (گپ لڑاتے اور) آپس میں (کھیل) کے طور پر ایسا کر (رہے تھے)، تو ان کو (حکم دے دو) یہ فرماتے ہوئے، (کہ کیا اللہ) تعالیٰ (سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کر رہے تھے)۔ تو سنو!۔۔۔

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ‌ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآىِٕفَةٍ

بات نہ بناؤ بے شک تم کافر ہوگئے مسلمان ہونے کے بعد۔ اگر ہم معافی دیں

مِّنۡكُمۡ نُـعَذِّبۡ طَآىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۶۶﴾

تم میں سے کچھ کو تو عذاب بھی دیں گے بعض کو، کیوں کہ وہ اصل مجرم تھے ●

(بات نہ بناؤ، بے شک تم کافر ہو گئے) اور رسولِ کریم پر طعن کر کے اپنے کفر کو ظاہر کر دیا (مسلمان ہونے کے بعد)، یعنی اپنا اسلام ظاہر کر دینے کے بعد۔ تمہارے دلوں میں جو کفر چھپا ہوا تھا، جسے کلمہء اسلام کے اقرار کے پردے میں چھپا رکھا، تمہارے ہی کرتوتوں سے سب کے سامنے ظاہر ہوگیا۔ اب (اگر ہم معافی دیں تم میں سے کچھ کو)، یعنی ان کو جنہوں نے پرخلوص توبہ کر لی ۔۔یا۔۔ استہزاء کے ذریعہ اذیت نہ پہنچائی، (تو عذاب بھی دیں گے بعض کو) جو اپنے جرم پر اصرار کرنے والے تھے، اور توبہ کا نام تک نہ لیتے ۔۔یا۔۔ جرم کا ارتکاب کر کے جرائم وقصور سے بچنے کا نام تک نہ لیتے، (کیونکہ وہ اصل مجرم تھے) جو دوسرے مجرمین کی قیادت کر رہے تھے۔

اب آگے یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے، کہ جن منافقین کا اوپر ذکر ہو رہا ہے، ان کی عورتیں بھی نفاق میں اور اسلام کی دشمنی میں ان سے کم نہ تھیں۔۔ چنانچہ۔۔

اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ

منافق مرد وعورت سب ایک دوسرے سے ہیں۔۔۔ حکم دیں

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ

برائی کا، اور روکیں نیکی سے، اور بند رکھیں اپنی مٹھی۔

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾

وہ سب بھول گئے اللہ کو، تو اللہ بے پرواہ ہوگیا ان سے۔ بے شک منافق لوگ نافرمان ہیں●

(منافق مرد و عورت سب ایک دوسرے سے ہیں) یعنی نفاق میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

تعداد میں منافق مرد تین سو[۳] اور منافق عورتیں ایک سو ستر[۱۷۰] تھیں، لیکن اسلام دشمنی میں سب کی ذہنی کیفیت ایک جیسی تھی، اور سبھی کا یہی حال تھا، کہ۔۔۔

(حکم دیں برائی کا) یعنی کفر اپنانے۔یا۔ گناہ کرنے۔یا۔ نبی کریم کی تکذیب کا، (اور روکیں نیکی سے)، یعنی ایمان۔یا۔ طاعت۔یا۔ رسولِ کریم کی تصدیق اور آپ کی متابعت سے۔ (اور بند رکھیں اپنی مٹھی) یعنی خیرات وصدقاتِ واجبہ ادا کرنے کے لیے خرچ نہ کریں، اور عاجزوں اور محتاجوں کی مدد سے ہاتھ روکیں۔۔نیز۔۔ دُعا اور مناجات کے واسطے ہاتھ نہ اٹھائیں، اس میں اپنی کسرِ شان سمجھیں۔۔الغرض۔۔ان سبھوں نے چھوڑ دی خدا کی فرمانبرداری، گویا (وہ سب بھول گئے اللہ) تعالیٰ (کو، تو اللہ) تعالیٰ بھی (بے پرواہ ہوگیا ان سے) اور ان کو ان کی بھول میں پڑا رہنے دیا، اور اپنے فضل کو ان سے باز رکھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (بے شک منافق لوگ)، خواہ مرد ہوں یا عورت، سب کے سب (نافرمان ہیں) اور دائرۂ اسلام، سے باہر ہیں۔۔۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

وعدہ فرما لیا اللہ نے منافق مرد و عورت اور کافروں سے جہنم کی آگ کا، ہمیشہ رہا کریں اس میں۔

هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾

وہی انھیں کافی ہے۔ اور پھٹکار دیا انکو اللہ نے۔ اور انکے لئے دائمی عذاب ہے●

(وعدہ فرما لیا اللہ) تعالیٰ (نے) چھپے ہوئے کافروں، یعنی (منافق مرد و عورت اور) کھلے ہوئے (کافروں سے جہنم کی آگ کا)۔۔الغرض۔۔ان سب کو جہنم کی وعید سنا دی ہے، تاکہ باخبر ہوجائیں، کہ (ہمیشہ رہا کریں) گے (اس میں) اور (وہی) آگ (انہیں) عذاب کرنے کے لیے (کافی ہے اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ دنیا وآخرت میں (پھٹکار دیا ان کو)، اور اپنی رحمت سے دور کر دیا (اللہ)

تعالیٰ (نے، اور) طے فرما دیا، کہ (ان کے لیے دائمی عذاب ہے) جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ دنیا میں بھی وہ ہمیشہ نفاق اور حسد کے رنج میں مبتلائے عذاب رہیں گے۔۔۔ اے منافقو! تم ان لوگوں کی مانند ہو، اور بالکل اسی طرح ہو۔۔۔

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوٓا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَ

جس طرح وہ، جو تم لوگوں سے پہلے تھے، تم سے زیادہ زوردار تھے، اور زیادہ مال دار، اور

أَوْلَادًا ۖ فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ

اولاد والے، تو وہ رہے سہے اپنی تقدیر کے موافق، پھر تم رہنے سہنے لگے اپنی تقدیر کے موافق۔

كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي

جس طرح رہن سہن کی تھی تم سے پہلوں نے اپنی تقدیر بھر، اور تم نے گپیں اڑائیں جس طرح وہ گپ مار

خَاضُوٓا ۚ أُولَٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ

چکے۔ وہ ہیں کہ اکارت ہو گئے ان کے عمل دنیا و آخرت میں۔

وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾

اور وہی ہیں دیوالیہ مارے●

(جس طرح وہ، جو تم لوگوں سے پہلے تھے) یعنی گزری ہوئی امتیں، جو (تم سے زیادہ زوردار تھے)، یعنی ان کے بدن تم سے بہت قوی تھے، (اور زیادہ مالدار اور اولاد والے) یعنی ان کے اموال اور ان کی اولاد تم سے بہت زیادہ تھی۔ (تو وہ رہے سہے اپنی تقدیر کے موافق)، یعنی انہوں نے دنیا کی لذتوں میں سے اپنے نصیب کے حصے سے فائدہ اٹھایا، (پھر تم رہنے سہنے لگے اپنی تقدیر کے موافق، جس طرح رہن سہن کی تھی تم سے پہلوں نے اپنی تقدیر بھر)، یعنی اپنے سے پہلے والوں کی طرح تم نے بھی اپنے نصیب کے حصے سے فائدہ اٹھایا، اور فانی اور ختم ہو جانے والی آرزوں اور تمناؤں کے مطابق زندگی گزارتے رہے، (اور تم نے گپیں اڑائیں) اور فضول کاموں میں مشغول ہو گئے، (جس طرح وہ گپ مار چکے) تھے اور فضول کاموں میں مشغول ہو گئے تھے۔

یہ سب (وہ ہیں کہ اکارت ہو گئے) اور ضائع ہو گئے (ان کے عمل دنیا و آخرت میں)۔ ان کے اموال اور ان کی اولاد نے ان کے ساتھ وفا نہ کی، تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی، کہ وہی (اور)

بے شک (وہی ہیں دیوالیہ مارے) یعنی دونوں جہان میں نقصان اٹھانے والے۔

آگے کے ارشاد میں حق تعالیٰ نے چھ قوموں کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ عرب والوں کے پاس ان لوگوں کی خبریں آتی رہتی تھیں، وہ لوگوں سے بھی ان کے متعلق خبریں سنتے رہتے تھے، کیونکہ جن علاقوں سے متعلق یہ خبریں تھیں، وہ ان کے آس پاس تھے۔۔ مثلاً: شام اور عراق وغیرہ اور وہ ان علاقوں کے سفر میں ان کے آثار کا مشاہدہ کرتے تھے۔ تو ان کے حالات و واقعات سے انہیں سبق حاصل کرنا چاہیے تھا، اور اپنے کو ان غلطیوں کے ارتکاب سے بچانا چاہیے تھا، جن کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے سابقہ قومیں تباہ ہوگئیں۔۔ چنانچہ۔۔ بطور تقریر و تحذیر، ان کے تعلق سے ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ

کیا نہیں آئی ان تک خبر ان کی جو ان سے پہلے تھے، قوم نوح و عاد و ثمود۔۔ و قوم

وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

ابراہیم و اہل مدین، اور تہ و بالا کی گئیں بستیاں۔ اُن کے یہاں اُن کے رسول لے کر آئے

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

روشن دلیلیں، تو اللہ نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے، لیکن وہ

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے●

(کیا نہیں آئی ان تک خبر اُن کی جو اِن سے پہلے تھے)۔۔ مثلاً: (قوم نوح)، جن کو اللہ تعالیٰ نے طوفان میں غرق کردیا (و) قومِ (عاد)، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہولناک آندھی کے عذاب سے ہلاک کردیا تھا، (و) قومِ (ثمود)، جن کو اللہ تعالیٰ نے گرج اور کڑک کے عذاب سے ہلاک کردیا تھا، (وقوم ابراہیم)، اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہوئی نعمتیں ان سے چھین کر ان کو ہلاک کردیا تھا، اور نمرود کے دماغ میں ایک مچھر مسلط کردیا تھا (و) قومِ (اہل مدین)، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، ان کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح ہلاک کیا، کہ ان کے پاس سائبان کی طرح ایک اَبر آیا اور اس میں سے آگ برسی اور زمین میں زلزلہ آیا، جس سے سخت ہولناک آواز آئی اور پوری قوم تباہ ہوگئی۔ (اور) اسی طرح (تہ و

بالا کی گئیں) قوم لوط کی (بستیاں)، ان کی زمین کو اللہ تعالیٰ نے پلٹ دیا تھا۔ زمین کا نچلا حصہ اوپر، اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا تھا۔۔۔

سابقہ قوموں کے اِن حالات سے منافقین کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے تھی۔ ہر دور میں نافرمانوں اور منکرین کو سمجھا کر راہِ راست پر لانے کے لیے، (ان کے یہاں ان کے رسول لے کر آئے روشن دلیلیں) لیکن انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، تو اللہ تعالیٰ نے اُن قوموں پر عذاب نازل فرمایا، کیونکہ وہ اپنے ناجائز افعال کی وجہ سے اور انبیاء علیہم السلام کی بے حد تکذیب کرنے کی وجہ سے، اُس عذاب کے مستحق ہو چکے تھے۔ (تو) ظاہر ہو گیا کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے، لیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے) اور ایسی حرکتیں کرتے تھے، جن کی وجہ سے وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ہو جاتے تھے، تو درحقیقت خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفاتِ قبیحہ، ان کے عقائدِ فاسدہ، اور ان کے اعمالِ خبیثہ بیان فرمائے تھے، اور اب اس کے بعد کی آیات میں ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفاتِ حسنہ، ان کے عقائد صحیحہ، اور ان کے اعمالِ صالحہ بیان فرما رہا ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ پہلے منافقوں کی بداعمالیاں بیان فرما کر ان کی سزا کا بیان فرمایا تھا، اور اب مومنوں کے نیک اعمال بیان فرما کر ان کی جزاء کا ذکر فرمایا۔۔۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

اور سارے مسلمان مرد و عورت ایک دوسرے کے دوست ہیں۔۔۔ حکم دیں

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

نیکی کا اور روکیں برائی سے، اور قائم رکھیں نماز کو، اور دیں

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ

زکوٰۃ، اور کہا مانیں اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ وہ ہیں کہ بہت جلد رحمت فرمائے گا ان پر اللہ،

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱

بیشک اللہ غالب ہے حکیم ہے●

تمام وابستگانِ دامنِ رسالت (اور سارے مسلمان مرد و عورت ایک دوسرے کے) سراپا

خلاص (دوست) اور مددگار (ہیں) جن کی روش یہ ہے، کہ (حکم دیں نیکی کا اور روکیں برائی سے) ۔ چنانچہ۔۔وہ ایمان اور فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں اور کفر و نافرمانی سے روکتے ہیں۔ (اور) ان کا طریقہ یہ ہے کہ (قائم رکھیں) ہمیشہ کماحقہٗ ادا کرتے رہیں (نماز کو)، اس کی جملہ شرائط کے ساتھ۔ (اور دیں زکوٰۃ) سال بسال، اُن آداب کے ساتھ جو زکوٰۃ سے متعلق ہیں۔ (اور کہا مانیں اللہ) تعالیٰ (کا اور اس کے رسول کا)، یعنی خدا اور رسول کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں اور کتاب و سنت سے وابستہ رہیں۔ یہی (وہ) لوگ (ہیں)، کہ بہت جلد رحمت فرمائے گا ان پر اللہ) تعالیٰ۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غالب ہے) جو چاہے کرے اور (حکیم ہے) دانا ہے، ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتا ہے۔۔۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

وعدہ فرمالیا اللہ نے مسلمان مرد وعورت سے جنتوں کا، کہ بہتی ہیں جن

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ

کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہیں اس میں، اور پاکیزہ گھر کا، رہنے کے باغوں

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

میں۔ اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے●

جس رحمت کا ابھی اوپر ذکر ہوا، وہ یہ ہے، کہ (وعدہ فرمالیا) ہے اپنے فضل وکرم سے (اللہ) تعالیٰ (نے مسلمان مرد و عورت سے جنتوں کا، کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں، ہمیشہ رہیں اس میں اور پاکیزہ گھر کا)۔ یعنی وعدہ فرمالیا اچھے مکانوں کا (رہنے کے باغوں میں)۔

ہوسکتا ہے کہ پہلی قسم کی جنتیں مسلمانوں کی سیر و تفریح اور احباب سے ملاقات کے لیے ہوں، اور دوسری قسم کی جنتیں جنہیں جنّٰتِ عدن کہا گیا ہے، وہ مسلمانوں کی رہائش کے لیے ہوں۔ جنّٰتِ عدن بہشت میں ایک بہت بڑی پر فضا جگہ ہے، چشمہ تسنیم اُسی میں ہے۔ تسنیم جنت میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کناروں پر خوبصورت باغات ہیں۔ مذکورہ بالا انعامات کے سوا سب سے بڑا۔

(اور) عظیم انعام یہ ہے، کہ جنت میں (اللہ) تعالیٰ (کی رضامندی) اور اس کی خوشنودی حاصل رہے گی۔ اور حقیقت میں یہی نعمت ایمان والوں کے لیے (سب سے بڑی) نعمت (ہے)۔ اور

(یہی) ایمان والوں کی سب سے (بڑی کامیابی ہے)۔ دنیا کی ہر نعمت اس کے سامنے حقیر ہے۔
۔۔الغرض۔۔خدا کی رضامندی سے افضل کوئی نعمت ہے ہی نہیں۔۔ بلکہ۔۔ جنت کی نعمت بھی اس کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ 'رضوانِ الٰہی' اور 'دیدارِ الٰہی' میں کیا خوبصورت رابطہ ہے، کہ 'رضوانِ الٰہی'، 'دیدارِ الٰہی' کا سبب ہے اور 'دیدارِ الٰہی'، 'رضوانِ الٰہی' کی دلیل ہے۔
اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی قبیح صفات بیان کیں اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کو بیان فرمایا اور آخرت میں ان کی سزا کا ذکر فرمایا۔ پھر ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی نیک صفات اور آخرت میں ان کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا۔ اب پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور کافروں کا ذکر فرمایا، اور نبی ﷺ اور مسلمانوں کو کفار اور منافقین سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا، اور ارشاد فرمایا۔۔۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے آنحضرت! جہاد کرو کافروں سے اور منافقوں سے، اور سختی برتو ان پر۔

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٧٣

اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور بری جگہ ہے●

(اے آنحضرت)! یعنی نبی مکرم (جہاد کرو کافروں سے) تلوار سے (اور منافقوں سے)۔۔ بایں طور۔۔ کہ ان کے سامنے اسلام کی حقانیت پر دلائل پیش کرو، اور اب ان کے ساتھ نرم رویہ ترک کردو اور ان کو زجر وتوبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کرو، اور ان پر حدیں قائم کرو۔۔۔
۔۔الغرض۔۔ کافروں اور منافقوں سے جہادِ مطلوب کی نوعیت الگ الگ ہے۔ اس لیے کہ منافق اپنے کفر کو خفیہ رکھتا ہے، اور زبان سے کفر کا انکار کرتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، تو منافقین جب تک اپنے اقوال وافعال میں علانیہ اور کھلے عام اپنے کو مومنین سے علیحدہ وممتاز نہ کرلیں، اس وقت تک ان سے جہاد کی نوعیت الگ ہی رہے گی۔ ہاں اگر وہ علانیہ اپنے کفر کو ظاہر کرتے ہوئے، اور اپنے کو گروہِ مومنین سے الگ بتاتے ہوئے، تلوار لے کر مقابلے کے لیے سامنے آجائیں، تو ان کے ساتھ بھی جہاد کی نوعیت وہی ہوگی، جو کھلے ہوئے کافروں کے ساتھ ہے۔

۔۔الحتصر۔۔ مسلمانو تم ان کافروں اور منافقوں کی رعایت نہ کرو، (اور) وہ جس طرح کی سختی کے مستحق ہیں، اسی طرح کی (سختی برتو ان پر، اور) بالآخر (ان کا ٹھکانہ جہنم ہے) ہی۔ (اور) جہنم کس قدر (بری جگہ ہے) پلٹنے کی۔

منافقین چونکہ چھپے ہوئے کافر ہیں، اس لیے خاص طور پر ان کی پہچان کرانے کا اہتمام فرمایا جا رہا ہے۔ یہ منافقین پکے جھوٹے ہیں اور جھوٹ بولنے میں شرم وحیا کی تمام حدوں کو پار کر چکے ہیں۔ جب جب ان کا کوئی فرد کوئی نامناسب قول۔۔یا۔۔عمل کا مظاہرہ کرتا ہے اور پھر اس سے پوچھا جاتا ہے، تو صاف انکار کر دیتا ہے، کہ میں نے تو ایسا نہیں کہا، اور نہ ہی ایسا عمل کیا۔

۔۔چنانچہ۔۔غزوۂ تبوک ہونے کے موقع پر جلاس بن سوید ایک روز دراز گوش پر سوار قُبا کی طرف سے مدینے کو آتا تھا، تو اس نے لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے کہا تھا، کہ محمد ﷺ جو کچھ لائے ہیں، وہ اگر حق ہو، تو میں جس دراز گوش پر سوار ہوں اس سے بدتر ہو جاؤں۔ اس کی جورو کے بیٹے مصعب نے یہ بات رسولِ خدا ﷺ سے عرض کی، آپ نے جلاس کو طلب فرمایا اور مصعب کے سامنے پوچھا، کہ تو نے یہ کہا تھا؟ جلاس نے قسم کھائی، میں نے ہرگز نہیں کہا تھا۔ مصعب نے خدا سے دعا کی، اے اللہ اپنے رسول پر ایک آیت نازل فرما، تاکہ وہ میری بات کی سچائی ظاہر کر دے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کی شانِ نزول کے بارے میں یہ روایت بھی ہے، کہ ایک موقع پر عبداللہ ابن ابی نے کہا تھا، کہ اگر ہم مدینہ واپس آ گئے، تو ضرور عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے۔ اس قول میں منافق نے خود کو عزت والا اور مومنین کو ذلت والا قرار دیا۔ جب اس کی خبر رسولِ کریم ﷺ کو ہوئی اور آپ نے عبداللہ ابن ابی کو بلا کر دریافت کیا، تو اس نے صاف انکار کر دیا، کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں۔

اسی طرح ایک روایت کی روشنی میں کچھ منافق لوگوں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو تبوک کی واپسی میں راستے کی کسی گھاٹی سے، سواری سے گرا دینے کا پروگرام بنایا۔ اِسکا علم چاہنے والوں کو ہو گیا اور وہ یہ نہ کر سکے، لیکن جب بعد میں ان لوگوں کو طلب فرما کر ان کے اس ارادے کے تعلق سے باز پرس کی گئی، تو وہ سب مکر گئے اور انکار کر بیٹھے اور کہا، کہ ایسا تو ہم نے سوچا بھی نہیں۔۔الحتصر۔۔ان سارے منافقین کی عادت ہے، کہ۔۔۔

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا

قسم کھاتے ہیں اللہ کی، کہ کچھ خلاف بات نہیں کہی، حالانکہ ضرور بک دیا ہے کفر کی بولی، اور کافر ہو گئے اپنے

بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ

اسلام لانے کے بعد، اور قصد کیا اس کا جس کو پایا نہیں۔ اور نہیں برا لگا ان کو مگر یہی، کہ دھنی بنا دیا ان کو

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

اللہ نے، اور اللہ کے رسول نے، اپنے فضل سے۔ تو اگر توبہ کر ڈالیں تو ان کا بھلا ہوگا۔

وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

اور اگر منہ پھیریں، تو عذاب فرمائے گا ان پر اللہ، دکھ والا عذاب۔ دنیا و آخرت میں۔

وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

اور نہیں ہوگا ان کا ساری زمین میں کوئی یار و مددگار●

(قسم کھاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی، کہ کچھ خلاف بات نہیں کہی، حالانکہ ضرور بک دیا ہے کفر کی بولی اور کافر ہو گئے) یعنی اپنے چھپے ہوئے کفر کو ظاہر کر دیا (اپنے اسلام لانے) کو ظاہر کرنے (کے بعد، اور قصد کیا اس) چیز (کو) حاصل کرنے کا (جس کو پایا نہیں)، اور نہ ہی وہ اس کو پا سکتے تھے۔

تو ان کے سارے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ نہ وہ نبی کریم ﷺ کو مدینہ سے نکال سکے، نہ مہاجرین کو جلا وطن کر سکے، اور نہ ہی اپنے پروگرام کے مطابق، عبد اللہ ابن ابی کی تاجپوشی کر سکے۔ چونکہ دوسرے سارے منافقین اس کفر کی بولی سے متفق تھے، اس لیے صرف کسی ایک کی بولی اور اس کی قسم کو سارے منافقین کی بولی اور ان کی قسم قرار دے دیا گیا ہے۔ منافقین کی کینہ پروری کی اصل وجہ یہ تھی، کہ اہل مدینہ محتاج اور تنگ حال تھے۔ جب حضرت سید عالم ﷺ کا قدم مبارک وہاں پہنچا اور اس کی برکت سے، بہت غنیمتیں انہیں ہاتھ آئیں اور وہ مالدار ہو گئے، تو انہوں نے رسولِ مقبول کی عداوت کا موجب اور کچھ نہ پایا۔۔۔

(اور نہیں بُرا لگا ان کو مگر یہی کہ دھنی بنا دیا) اور مستغنی کر دیا (ان کو اللہ) تعالیٰ (نے اور اللہ) تعالیٰ (کے رسول نے اپنے فضل) مشترک (سے، تو اگر) منافقین (توبہ کر ڈالیں) اپنی گزشتہ حرکتوں

سے اور آئندہ کے لیے ایسی حرکتوں کو انجام دینے سے باز آئیں۔۔الغرض۔۔اپنی توبہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں، (تو) اس میں سراسر (اُن کا بھلا ہوگا)۔(اور اگر منہ پھیریں) گے توبہ سے، اور اَڑے رہیں گے نفاق پر، (تو عذاب فرمائے گا ان پر اللہ) تعالیٰ، (دکھ) دینے (والا عذاب دنیا وآخرت میں)۔ دنیا میں قتل کے سبب سے اور آخرت میں جلانے کے سبب سے۔(اور نہیں ہوگا ان کا ساری زمین میں کوئی یار ومددگار)، جو کہ ان سے عذاب روکے۔

جلاس نے یہ آیت نازل ہونے کے بعد توبہ کی، اور امت کے مخلصوں میں شامل ہو گیا۔
منافقین میں ایسے بھی لوگ تھے، جو خود اپنے عہد وپیمان کا پاس ولحاظ نہیں کرتے تھے۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

اور ان کے بعض نے منت مانی تھی، کہ اگر دیا ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے، تو ہم ضرور خیرات کریں گے،

وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہو جائیں گے لیاقت مند●

(اور ان کے بعض)۔۔مثلاً: ثعلبہ بن ابی حاطب، جو پکا منافق تھا، **(نے منت مانی تھی، کہ اگر دیا ہم کو اللہ)** تعالیٰ **(نے اپنے فضل سے، تو ہم ضرور خیرات کریں گے)** اور زکوٰۃ نکالیں گے **(اور)** صدقہ دے کر ہم **(ہو جائیں گے لیاقت مند)** اور نکوکار۔

اس مقام پر یہ خیال رہے، کہ عہد کرنے والا جو ثعلبہ ہے، وہ وہی ہے جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے، ثعلبہ بن ابی حاطب۔لہٰذا یہاں ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری مراد نہیں، اس لیے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری بدری صحابی تھے، اور جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔ثعلبہ کے لفظ سے اکثر مفسرین کو اشتباہ ہو گیا، تو انہوں نے غلطی سے ثعلبہ بن ابی حاطب کو ثعلبہ بن حاطب سمجھ لیا، اور یہ بھی خیال نہ کیا، کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری تو بدری صحابی تھے، جو غزوۂ اُحد ہی میں شہید ہو گئے تھے، اور ثعلبہ بن ابی حاطب تو حضرت عثمان کی خلافت کے دور میں مرا تھا۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ صرف کسی ایک منافق نے مذکورہ بالا عہد کر کے عہد شکنی نہیں کی تھی، بلکہ ثعلبہ بن ابی حاطب کے سوا نبتل بن الحارث، جد بن قیس اور معتب بن قشیر نے بھی ایسا ہی عہد کر کے یہ قسم کھائی تھی، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مال دے دیا، تو وہ ضرور

زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں مال دیا، تو انہوں نے بخل کیا اور زکوٰۃ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں ان کے دلوں میں تاحیات نفاق کو پختہ کردیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ عہد کرکے توڑ دینے والا شخص حاطب بن ابی بلتعہ تھا، جو بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص تھا، اس کا مال شام میں تھا۔ ایک بار اس مال کے پہنچنے میں دیر ہوگئی، اور اس نے بہت تنگی اٹھائی، تب اس نے قسم کھائی، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو وہ مال عطا کردیا، تو وہ ضرور صدقہ کرے گا اور نماز پڑھے گا۔ پھر جب اس کے پاس اس کا مال آگیا، تو اس نے بخل کیا اور اپنی قسم پوری نہیں کی ۔۔الختصر۔۔عہد کرنے والوں نے اپنے طور پر عہد کرلیا۔۔۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

تو جب اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے تو کنجوسی اس میں کی، اور پھر گئے منہ پھیرے●

(تو جب اللہ) تعالیٰ (نے ان کو دیا) مال (اپنے فضل) و کرم (سے، تو کنجوسی اس میں کی) اور زکوٰۃ دینے سے اعراض کیا۔۔الغرض۔۔اُس مال سے خدا کا حق نہ دیا، (اور پھر گئے) اپنے عہد و پیمان سے، تو وہ ہوگئے (منہ پھیرے) ہوئے حکم خداوندی سے۔۔۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ

تو اس کے پیچھے اللہ نے نفاق ڈال دیا ان کے دلوں میں، اس دن تک کہ اس سے ملیں گے۔ کیونکہ انھوں نے اللہ سے خلاف کیا،

مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

جو اس سے منت کرچکے تھے، اور اسلئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے●

(تو اس) بخل اور زکوٰۃ نہ دینے (کے پیچھے)، یعنی ان عہد شکنیوں کے بعد (اللہ) تعالیٰ (نے) بطورِ سزا (نفاق ڈال دیا ان کے دلوں میں اُس دن تک) کے لیے، جس دن (کہ) وہ اس کے حضور پیش کیے جائیں گے، اور (اُس سے ملیں گے)۔ ایسا اس لیے (کیونکہ انہوں نے اللہ) تعالیٰ (سے خلاف کیا، جو اس سے منت کرچکے تھے) اس منت کو پوری کرنے سے اعراض کیا۔۔الغرض۔۔ صدقہ دینے اور نیکی اختیار کرنے کا جو وعدہ کیا تھا، اس سے منہ پھیرلیا۔ (اور) یہ سزا (اس لیے) بھی (کہ وہ جھوٹ بولتے تھے) یعنی اپنے وعدے میں جھوٹے تھے۔۔۔

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَ نَجۡوٰىہُمۡ

کیا انھوں نے نہ جانا، کہ بے شک اللہ جانے ان کے بھید کو، اوران کی سرگوشی کو،

وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿ۚ۷۸﴾

اور بیشک اللہ سارے غیب کا بڑا جاننے والا ہے●

(کیا انہوں نے) یعنی اُن وعدہ خلاف لوگوں نے (نہ جانا، کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (جانے ان کے بھید کو) جو پوشیدہ ہے، یعنی عہد کے خلاف کرنے کے ارادے کو، (اوران کی سرگوشی کو)، جو وہ آپس میں کہتے ہیں، کہ زکوٰۃ جزیہ ہے۔ سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (سارے غیب) یعنی بھیدوں اور پوشیدہ باتوں (کا بڑا جاننے والا ہے)۔

بعض منافقین کی جس وعدہ خلافی کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، اس کی مختصر تفصیل یہ ہے، کہ غالباً ثعلبہ بن ابی حاطب حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور التماس کی، کہ آپ خدا سے درخواست کریں، کہ مجھے غنی کردے، جس سے میں زکوٰۃ بھی ادا کرتا رہوں گا اور نیکوکار وعبادت گزار بھی بنا رہوں گا۔ ہر چند حضور ﷺ نے اس سے کہا مجھ سے یہ دعا نہ کرائے، مگر وہ بضد رہا، تو سرکار نے اس کے لیے دعا فرمادی، کہ اللہ تعالیٰ اس کو خاطر خواہ مال عطا فرمائے۔

آپ کی دعا قبول ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت عطا فرمائی، اور وہ بکریاں اِس قدر ہوگئیں کہ مدینہ منورہ کے گِرد اُن کے چرنے کی جگہ نہ رہی۔۔ چنانچہ۔۔ وہ جنگل میں اپنی بکریاں لے کر گیا اور جمعہ اور جماعت سے محروم ہوگیا۔ پہلے تو فقط جمعہ کے لیے مدینہ میں آتا، آخر کو اس سے بھی محروم ہوگیا۔ اور جب حضور ﷺ کا فرستادہ اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے گیا اور زکوٰۃ طلب کی، تو مال کی محبت اس پر غالب ہوگئی، اور پھر اس کا یہ حال ہوا، کہ حکمِ نبوی سے انکار کرکے بولا، کہ یہ جو پیغمبر اسلام مجھ سے طلب کرتے ہیں، جزیہ ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اس نے زکوٰۃ نہ دی۔

جب یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی اور صحابہ ﷺ نے اُس کو سنا، تو وہ سب بہت تعجب میں پڑ گئے۔ پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، جس میں عہد شکنوں کی عہد شکنی کی تصویر کشی کی گئی ہے اور اس کے بھیانک نتائج سے منافقین کو خاص طور پر آگاہ کیا گیا ہے۔

منافقین کا بھی عجیب حال تھا، وہ ہر ہر بات میں خواہ مخواہ کی نکتہ چینیوں سے باز نہیں آتے تھے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ جب حضرت رسالت پناہ ﷺ نے اصحاب کو لشکر تبوک کے آراستہ کرنے میں خرچ کرنے اور مدد دینے پر رغبت دلائی، تو صحابۂ کرام نے دل کھول کر مدد کی اور جس سے جو ہو سکا، پُرخلوص انداز سے اپنا عطیہ پیش کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جو کچھ گھر میں مال و دینار تھے، سب اُٹھا لائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنا نصف مال لے آئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسباب سے لدے ہوئے تین سَو[۳۰۰] اونٹ پیش کیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار[۱۰۰۰] مثقال سونا حاضر کر دیا۔ مثقال، ساڑھے چار ماشہ وزن کا سونے کا ایک سکہ تھا، جو عرب میں رائج تھا۔۔۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس اوقیہ سونا۔۔۔ یا۔۔۔ چار ہزار دِرَم صدقہ دیے۔ ایک اوقیہ چالیس دِرَم کا ہوتا ہے اور ایک دِرَم کا وزن دو ماشہ ڈیڑھ رتی ہوتا ہے۔

حضرت عباس، طلحہ، سعد، عبادہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور ان کے سوا دیگر اصحاب، سب بہت بہت سا مال لائے اور سرکار کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ آخر میں عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سَو[۱۰۰] وسق خرمے لائے، جو کہ دو ہزار چار[۲۴۰۰] سو من ہوتے ہیں اور لشکر کے لیے پیش کر دیے۔ اسی اثناء میں حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ ایک صاع خرما لے کر حاضر ہوئے، اور عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آج کی رات صبح تک لوگوں کے واسطے کنویں سے میں نے پانی کھینچا، جس کی مزدوری دو[۲] صاع خرمے مجھے ملے، جس میں سے ایک صاع اپنی اہل و عیال کے لیے گھر پر چھوڑ آیا ہوں اور ایک صاع لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے جذبۂ اخلاص اور اپنے ہاتھ کی محنت سے حاصل کی ہوئی روزی کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے فرمایا، کہ یہ صاع بھر خرمے سب خرموں کے اوپر جو دیگر صحابہ لائے ہیں چُن دو۔

یہ منظر منافقین سے دیکھا نہ گیا اور وہ عیب چینی پر اتر آئے۔ جنہوں نے زیادہ مال دیا اس کے عمل کو ریا کاری اور دکھاوے پر محمول کرنے لگے اور جنہوں نے اپنی حیثیت کے پیش نظر کم مال پیش کیا، ان کا مذاق اڑانے لگے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے۔۔۔ مثلاً: ایک صاع کا محتاج نہیں تھا۔ انہوں نے تو یہ پیشکش اس لیے کی ہے، تاکہ مستقبل میں جب صدقات کی تقسیم کی جائے، تو انہیں محتاج سمجھ کر زیادہ دیا جائے۔ ان سب کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ

جولوگ پھبتی اڑاتے ہیں فرماں بردار ایمان والوں کی خیرات کرنے میں، اور

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ

ان کی جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت مزدوری بھر، تو ان سے مسخراپن کرتے ہیں۔

سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ؗ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

اللہ سمجھے ان کے مسخراپن کو۔ اور انکے لئے دکھ والا عذاب ہے●

(جولوگ پھبتی اڑاتے ہیں فرمانبردار ایمان والوں کی خیرات کرنے میں) اور زیادہ دولت پیش کرنے میں اور ان پر ریا کاری کی تہمت لگاتے ہیں۔ (اور ان کی) بھی پھبتی اڑاتے ہیں (جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت مزدوری بھر)، یعنی جو محنت مزدوری کے نتیجے میں حاصل کردہ تھوڑا مال لاسکے، ان کے تعلق سے کہتے ہیں، کہ ان کے مال کی خدا کو کیا ضرورت، اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ (تو) یہ ناعاقبت اندیش (ان سے مسخراپن کرتے ہیں)۔ (اللہ) تعالیٰ (سمجھے ان کے مسخراپن کو) اور جزادے ان کے مسخراپن کی۔ (اور) یہ تو طے ہے کہ اُن کی اِس ہنسی اور مذاق کے بدلے میں (اُن کے لیے دکھ والا عذاب ہے)، اور کسی طرح بھی یہ مغفرت وبخشش کے مستحق نہیں۔۔ چنانچہ۔۔ اے محبوب!۔۔۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ

ان کی نجات کے لئے تم شفاعت کرو یا نہ کرو۔ اگر ستر مرتبہ کروگے

مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

تو بھی اللہ نہ بخشے گا ان کو۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ

وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

اور اس کے رسول سے۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا سرکش قوم کو●

(ان کی نجات کے لیے تم شفاعت کرو، یا نہ کرو)، اور (اگر) بالفرض (ستر مرتبہ) بھی شفاعت (کروگے، تو بھی اللہ) تعالیٰ (نہ بخشے گا ان کو)۔ اور (یہ) یعنی دعائے مغفرت کا ان کے حق میں مقبول نہ ہونا، (اس لیے) ہے (کہ انہوں نے کفر کیا اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول سے)

۔۔نیز۔۔دونوں کے تعلق سے گستاخانہ روش اور توہین آمیز طریقے اپنائے۔انہوں نے اپنے کفر کو دشمنی ہی کی حد تک نہیں رکھا، کہ توبہ کی توفیق مل جانے کا اِمکان رہتا۔۔بلکہ۔۔یہ توہین و گستاخی پر اتر آئے ۔۔چنانچہ۔۔ان سے توبہ کی توفیق چھین لی گئی۔اور ظاہر ہے کہ بے توبہ مر جانے والے کی مغفرت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، کہ اس کے حق میں کسی کی سفارش کام آئے۔

۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے، کہ جب تک منافق کی نماز پڑھانے سے من جانب اللہ روکا نہیں گیا تھا، تو نبی کو اِس بات کا پورا اختیار تھا، کہ کسی مصلحت کے پیشِ نظر اور حکمتِ بالغہ کے تحت، وہ اگر چاہیں، تو کسی منافق کی نماز پڑھادیں۔۔چنانچہ۔۔نبی کریم نے ایسا کیا بھی، کہ باوجود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے روکنے کے، رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کی نماز پڑھادی ۔۔بلکہ۔۔عیادت کے وقت خود اس کی، اور مرنے کے بعد اس کے فرزند جو مخلص صحابیوں میں تھے، کی درخواست پر اپنی قمیص بھی اس منافق کے کفن میں شامل کرنے کے لیے دے دی۔۔۔اس میں کیا حکمت تھی، یہ خود سرکار کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا ہے، کہ:

'میری قمیص اس سے اللہ کے عذاب کو نہیں دور کر سکتی۔

مجھے امید ہے کہ اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام میں داخل کرے گا'۔

۔۔چنانچہ۔۔روایت ہے کہ خزرج کے لوگوں نے جب دیکھا، کہ ابن ابی آپ کی قمیص طلب کر رہا ہے، اور آپ سے نماز کی درخواست کر رہا ہے، تو ایک ہزار آدمی اسلام میں داخل ہو گئے۔تو یہ نماز خود رئیس المنافقین کی نجات و مغفرت کے لیے نہیں تھی، بلکہ جو لوگ اس کے دھوکے کا شکار ہو کر کفر کے جال میں پھنس گئے تھے، ان کو اس حال سے صحت و سلامتی کے ساتھ نکال کر مغفرت و بخشش کا مستحق بنانا تھا۔

ویسے بھی اگر نمازِ جنازہ کی دعا پر غور کیا جائے، تو اس میں صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ دعائے مغفرت ہمارے زندوں، ہمارے مُردوں، ہمارے حاضر، ہمارے غائب، ہمارے بڑے، ہمارے چھوٹے، ہمارے مرد، ہماری عورتیں۔۔الغرض۔۔ہمارے اپنوں کے لیے ہوتی ہے، تو رئیس المنافقین، رسولِ کریم ﷺ کے اپنوں میں کب تھا؟ کہ وہ دعائے رسول میں مذکور اپنوں اور ہماروں کے دائرے میں آجائے، اور رسولِ کریم ﷺ کی دعائے مغفرت اس کے لیے ہو جائے؟ تو اب اُس نماز کا مقصد صرف وہی رہا، جو اوپر مذکور

روایت سے ظاہر ہے۔۔۔

۔۔ہاں۔۔آگے کے لیے مسلمانوں کے لیے ہر منافق کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور پڑھانے کو حرام قرار دے دیا گیا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے جس حکمت کے پیشِ نظر نماز پڑھائی، اب وہ مفقود ہے اور منافقین کو ہمیشہ کے لیے اُس ظاہری اعزاز سے محروم کر دیا گیا ہے۔تو سن لو۔۔۔

(اور) یاد رکھو، کہ (اللہ) تعالیٰ منزلِ مقصود کی (راہ نہیں دیتا) اور منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا، (سرکش) اور گستاخ (قوم کو)، یعنی ان کافروں کو، جو اپنے کفر پر متمرد ہیں اور اَڑے ہوئے ہیں۔

اب آگے ان منافقین کی مذمت میں آیت نازل فرمائی جارہی ہے، جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے ساتھ نہیں گئے تھے اور پیچھے بیٹھے رہ گئے تھے، اور ان کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنا ناگوار ہوا تھا۔ اور بعض منافقین نے بعض سے کہا، کہ اس گرمی میں نہ نکلو، کیونکہ غزوۂ تبوک کی طرف روانگی سخت گرمی میں ہوئی تھی، اُس وقت پھل پک چکے تھے اور درختوں کا سایہ اور پھل اچھے لگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا، کہ ان سے کہیے کہ جہاد سے پیچھے رہنے کی وجہ سے، تم جس جہنم میں جانے والے ہو، وہ اِس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا

خوش ہوگئے جو پیچھے بیٹھے رہ گئے، رسول اللہ کے جانے کے بعد، اور ناگوار جانا

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا

اس کو کہ جہاد کریں اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں، اور بکنے لگے،

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾

''کہ گرمی میں کوچ نہ کرو'' کہہ دو، کہ ''جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے''، اگر سمجھیں●

(خوش ہوگئے جو پیچھے بیٹھے رہ گئے رسول اللہ کے جانے کے بعد، اور) عقیدۃً (ناگوار جانا اس کو کہ جہاد کریں اپنے مال وجان سے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے۔۔بلکہ۔۔ فراغت اور راحتِ جسمانی ڈھونڈی۔ اور بعض منافقین دوسرے بعض منافقین سے۔۔بلکہ۔۔مومنین

سے بھی کہنے (اور بکنے لگے کہ گرمی میں کوچ نہ کرو)۔۔الحاصل۔۔خود بھی نہیں گئے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہا۔اے محبوب! ان سے (کہہ دو، کہ) جس گرمی کے سبب تم شریکِ جہاد نہیں ہو رہے ہو، اس کی حقیقت کیا ہے (جہنم کی آگ) کے سامنے، جو اس سے کہیں (زیادہ گرم ہے)، جس کی گرمی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔اور یہ پیچھے رہ جانے والے اس حرارت میں جلنے کے لیے مستحق ہوگئے۔(اگر) عقل سے کام لیں اور (سمجھیں) کہ اُس جہان میں ان کا مآل آتشِ دوزخ ہے۔۔۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ

تو ہنسیں کم اور روئیں زیادہ۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

سزا ہے جو وہ کما چکے تھے●

(تو) چاہیے، کہ (ہنسیں کم، اور روئیں زیادہ)۔

یہ دراصل امر کے صیغے میں خبر ہے، جو اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ قیامت کے دن انہیں بہت زیادہ رونا لازم ہوگا، رہ گیا ہنسنا، تو وہ تو دنیا ہی کی زندگی میں میسر آسکتا ہے، تو ہنس لیں دنیا میں جتنا ہنسنا ہو۔دنیا کی زندگی ہی کتنی ہے، کہ انہیں بہت زیادہ ہنسنا نصیب ہو۔یہ بھی ممکن ہے کہ ہنسی اور رونا خوشی اور رنج سے کنایہ ہو، اور قِلت کو عدم پر محمول کریں۔ حاصل کلام یہ ہوگا، کہ قیامت کے دن انہیں غم ہی غم ہوگا بغیر خوشی کے۔

یہ سب کچھ (سزا ہے) اس کی (جو وہ کما چکے)، یعنی نفاق اور بُرے اخلاق۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بُرے کاموں اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کو بیان فرمایا تھا، اور یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ منافقین ان کے ساتھ کسی غزوے میں نہ جائیں، کیونکہ ان کا کسی غزوے میں شریک ہونا، انواع واقسام کے شر اور فساد کا موجب ہوتا ہے۔اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر آپ کو اللہ تعالیٰ منافقین کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے۔۔۔منافقین کے ایک گروہ کی قید اس لیے لگائی، کہ مدینہ میں مخلص مسلمان بھی موجود تھے، جو معذور تھے اور عذر کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں نہیں جاسکے تھے۔۔۔سو جب آپ مدینہ میں واپس آئیں

اور یہ منافقین آپ سے پھر کسی غزوۂ میں شریک ہونے کی اجازت طلب کریں، تو آپ فرما دیں، کہ تم اب کبھی بھی کسی غزوۂ میں میرے ساتھ نہیں جا سکو گے۔

یہ ارشاد ان کے نفاق کے اظہار، ان کی اہانت اور مذمت اور ان پر لعنت کرنے کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے جھوٹے حیلے بہانے کر کے آپ سے جہاد میں نہ شریک ہونے کی اجازت طلب کی، تو ان کا چھپا ہوا کفر ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ دین اسلام میں مسلمانوں کی جہاد کی طرف رغبت تو سب کو بداہتاً معلوم ہے، اور نبی ﷺ کا آئندہ ان کو جہاد میں شرکت سے منع فرمانا اس لیے تھا، کہ مسلمان اُن کے شر اور فساد اور اُن کے مکر و فریب اور اُن کی سازشوں سے محفوظ رہیں۔ اور چونکہ یہ پہلی بار، یعنی غزوۂ تبوک میں اس بات کو پسند کرتے تھے، کہ مدینہ میں معذوروں کے ساتھ بیٹھے رہیں، سو اب وہ آئندہ بھی اُسی کو پسند کریں۔

گویا جب ایک بار انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانا پسند نہیں کیا، تو اس کی سزا ان کو یہ دی گئی، کہ اب اگر آئندہ یہ آپ کے ساتھ جانا چاہیں گے، پھر بھی ان کو اجازت نہیں ملے گی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے، کہ کوئی شخص اس کے خلاف سازشیں کرتا ہے، تو وہ آئندہ اس کو اپنا رفیق اور مصاحب بنانے سے گریز کرے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ

پھر اگر واپسی فرما دی تمہاری اللہ نے ان میں سے کسی ٹولی کی طرف، پھر انہوں نے اجازت مانگی تم سے جہاد کیلئے نکلنے کی،

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ

تو جواب دینا کہ مت نکلو میرے ساتھ کبھی، اور مت جنگ کرو میرے ہمراہ کسی دشمن سے۔ تم پسند کر چکے

رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ﴿۸۳﴾

بیٹھے رہنے کو پہلی مرتبہ، تو اب بیٹھے رہا کرو مجبوروں کے ساتھ●

تو اے محبوب! (**پھر اگر واپسی فرما دی تمہاری اللہ**) تعالیٰ (**نے**) مدینہ طیبہ میں (**ان**) جہاد سے پیچھے رہ جانے والے منافقین (**میں سے کسی ٹولی کی طرف، پھر انہوں نے اجازت مانگی تم سے**) غزوۂ تبوک کے بعد کسی اور (**جہاد کے لیے نکلنے کی، تو جواب دینا کہ مت نکلو میرے ساتھ کبھی**) کہیں باہر جہاد کے لیے، (**اور مت جنگ کرو میرے ہمراہ کسی دشمن سے**)۔۔ الختصر۔۔ میرے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے اور میری معیت میں جہاد کرنے کی تمہیں کبھی اجازت نہیں دی جا سکتی، کیونکہ (**تم پسند کر چکے**)

ہو (بیٹھے رہنے کو) اور خلاف کرنے کو، (پہلی مرتبہ) ہی غزوۂ تبوک کے موقع پر، (تو اب بیٹھے رہا کرو مجبوروں کے ساتھ)، یعنی عورتوں بچوں اور بیماروں کے ساتھ۔ جہاد تم جیسے نامردوں کا کام نہیں۔۔ بلکہ۔۔ یہ مضبوط دل گردے والوں اور مبارزانِ میدانِ نبرد اور ایمانی حرارت والوں کا کام ہے۔

اب اس کے بعد اگلی آیت میں منافقین کی مزید تذلیل اور اہانت کا حکم دیا گیا، اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمادیا گیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے۔۔۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ

اور نماز جنازہ، ان میں سے کوئی مرجائے، تو کبھی نہ پڑھنا، اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا۔

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨٤﴾

بے شک انھوں نے کفر کیا اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مرے نافرمان●

(اور) حکم فرمادیا گیا ہے، کہ اے محبوب! (نماز جنازہ ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی نہ پڑھنا اور نہ) دعا واستغفار کے لیے (ان کی قبر پر کھڑے ہونا)، اور یہ اس لیے کہ (بے شک انہوں نے کفر کیا اللہ) تعالیٰ (سے) کہ اس کا شریک ٹھہرایا (اور اس کے رسول سے)، کہ دل سے ان کی فرمانبرداری نہ کی اور آپ کی اطاعت کے منکر ہوئے، (اور) پھر اپنے اسی کفر پر تاحیات رہ گئے، اور (مرے نافرمان) و کافر ہوکر۔

ان آیات میں خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے، مگر جملہ وابستگانِ دامن نبوت مخاطب ہیں۔ اگلی آیت میں بھی خطاب کا رخ ذاتِ رسول کی طرف ہے، مگر مُرادامت رسول ﷺ ہے، تو اے رسول پر ایمان لانے والو!۔۔۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا

اور تم کو ان کے مال و اولاد پر تعجب نہ ہو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں ڈالے اس سے انھیں

فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾

دنیا میں، اور ان کا دم نکلے اور وہ کافر ہوں●

(اور) آپ کی غیر مشروط اطاعت کا عہد کر لینے والو! (تم کو ان) منافقین اور کافرین (کے

مال واولاد پر تعجب نہ ہو)، اور اُن کو اُن کی خوش بختی کی علامت نہ سمجھو، اس لیے کہ یہ بھی ان کے لیے ایک ذریعۂ عذاب ہے، اور (اللہ) تعالیٰ (یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں ڈالے اس) کے سبب (سے انہیں دنیا میں) اور وہ اس کے جمع کرنے اور حفاظت کرنے کے سبب ہمیشہ رنج وتعب میں رہیں اور اولاد کے احوال کو اچھا بنانے اور ان کی معاش کے اسباب کو جمع کرنے کے واسطے، ہر وقت محنت ومشقت کھینچتے رہیں، (اور) پھر حسرت ویاس کے عالم میں (ان کا دم نکلے)، اور خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جائیں (اور) وہ بھی اس حال میں کہ (وہ کافر ہوں)، یعنی ان کی موت کفر پر ہو جائے۔ دنیا سے تو خالی ہاتھ گئے ہی تھے، آخرت میں بھی کچھ ہاتھ نہ لگے۔ اور وہاں بھی خالی ہاتھ ہی رہیں۔

اس مضمون کی تکرار محض اموال واسباب سے نفرت دلانے کی تاکید کے لیے ہے، تاکہ سننے والے کی اموال واسباب کی خرابیوں سے توجہ ہٹ نہ جائے، بلکہ ناصح پر لازم ہوتا ہے، ایسے امور کے لیے اپنے کلام کے اثناء میں اس کے متعلق یاد دہانی کرائے، بالخصوص جب دو کلاموں کے درمیان کافی فاصلہ ہو، اس لیے کہ انسان فطری طور پر اموال واسباب کی طرف متوجہ رہتا ہے، اور اس کا متمنی ہوتا ہے اور اُس حرص میں رہتا ہے، کہ خدا کرے اموال واسباب حاصل ہوں۔

اس مقام پر یہ نکتہ ذہن نشین رہے، کہ اموال واسباب مومن کامل کو خدا اور رسول سے غافل نہیں کرتے، تو یہ سب ان کے لیے رحمتِ الٰہی اور فضل خداوندی ہیں۔ اور یہی اموال واسباب کافر کو خدا کا باغی بنا دیتے ہیں، تو اب یہ مال ودولت کافروں کے لیے عذابِ الٰہی ہے، تو اب ضابطہ یہ بنا، کہ جو چیز خدا سے غافل نہ ہونے دے اور خدا اور رسول کا مطیع وفرمانبردار بنائے رکھے، وہ فضل الٰہی اور رحمتِ خداوندی ہے۔ اور اس کے برعکس جو چیز خدا اور رسول کا باغی بنا دے اور خدا و رسول سے غافل کر دے، وہ عذابِ الٰہی اور خدائے ذوالجلال کی طرف سے ڈھیل ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے، جسے آخرت کا نیک انجام نصیب نہیں، اُسے دنیا کے منافع سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور آخرت سے وہ نفع نہ پا سکے گا، جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاعت نہیں کرتا ۔۔۔ الختصر۔۔ مومن وہ ہے، جو عبادات مالیہ سے آخرت کا سامان تیار کرتا ہے۔۔۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ

اور اتاری گئی جب کوئی سورت، کہ مان جاؤ اللہ کو اور جہاد کرو اس کے رسول

اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُن مَّعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٨٦﴾

کے ہمراہ، تو چھٹی مانگنے لگے ان میں سے مقدور والے، اور بولے کہ ہم کو چھوڑ دیجئے مجبوروں کے ساتھ●

(اور) اس کے برخلاف منافقین کا حال یہ ہے، کہ ان کی ہدایت کے لیے (اتاری گئی جب کوئی سورت) خواہ مکمل۔۔۔یا۔۔۔بعض حصہ، کیونکہ دونوں پر سورت کا اطلاق ہوتا ہے، اور پھر ان سے کہا گیا (کہ مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (کو اور) اس کے جملہ احکام کو، جس میں ایک عظیم الشان حکم یہ بھی ہے، کہ اعزاز دیں اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے (جہاد کرو اس کے رسول کے ہمراہ)، یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ مل کر یہ کام انجام دو۔

(تو) خواہ مخواہ کا عذر پیش کر کے (چھٹی مانگنے لگے ان میں سے مقدور والے)، جن میں جہاد کرنے کی پوری استطاعت ہے اور ان کے پاس جہاد کرنے کے ساز وسامان کی کمی نہیں ہے۔ مگر وہ لوگ استطاعت (اور) قدرت کے باوجود (بولے، کہ ہم کو چھوڑ دیجیے مجبوروں کے ساتھ)

۔۔چنانچہ۔۔

رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾

ان کی خوشی ہے کہ پسماندہ عورتوں کے ساتھ ہوں، اور مہر کر دی گئی ہے ان کے دلوں پر، تو وہ سمجھتے ہی نہیں●

لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ

لیکن رسول اور ان کے ساتھی سارے مسلمانوں نے جہاد کیا، اپنے مال وجان سے۔

وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾

اور انھیں کیلئے بھلائیاں ہیں۔ اور وہی کامیاب ہیں●

(ان کی خوشی) اسی میں (ہے، کہ پسماندہ عورتوں کے ساتھ ہوں) یعنی وہ ان عورتوں کے ساتھ ہوں جو جنگ پر نہ جانے کے سبب گھروں میں بیٹھی ہیں۔۔۔الغرض۔۔۔انہیں اہم امور کی طرف بلایا گیا، تو وہ ان کے لیے تیار نہ ہوئے اور انہوں نے اپنے کو ایسا بنا لیا جس میں کسی قسم کی اچھائی اور بھلائی نہ ہو۔ (اور مُہر کر دی گئی ہے ان کے دلوں پر) یعنی ان کے فہم وادراک کے محل ومرکز پر، اسی لیے (تو وہ سمجھتے ہی نہیں)، کہ ایمان باللہ کیا ہے؟ اور اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے بچنا اور رسول اللہ ﷺ

کی موافقت اوران کے ساتھ جہاد پر جانے کے منافع کیا ہیں؟ اور انہیں معلوم نہیں، کہ امورِ مذکورہ بالا کے خلاف کرنے کا کتنا نقصان ہے۔ ان نادانوں اور بے عقلوں نے اپنی دنیا وآخرت کی بدبختی کا تو پورا سامان کرلیا۔۔۔

(لیکن رسول اوران کے ساتھی سارے مسلمانوں نے جہاد کیا اپنے مال وجان سے)، تو ان کے (اور) صرف (انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں) دونوں جہان کی۔ دنیا میں غنیمت اور نُصرت اور عقبیٰ میں بہشت اور کرامت۔ (اور وُہی کامیاب ہیں) یعنی فلاح پانے والے اوراپنے مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ

تیار فرمادیا اللہ نے انکے لئے جنتیں، کہ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اس میں۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۸۹﴾ ع

یہی بڑی کامیابی ہے●

ع ۱۱/۹/۱۷

(تیار فرمادیا اللہ) تعالیٰ (نے ان کے لیے جنتیں، کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں کے (نیچے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اس) بہشت (میں)، یعنی انہیں جناتِ مذکورہ میں ان کا ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ (یہی) یعنی جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ فلاں فلاں شے نیک بندوں کے لیے تیار فرمائی ہے، بہت (بڑی کامیابی ہے) کہ اس کے مقابل اور کوئی کامیابی نہیں، یعنی وہ لوگ بہشت اور اس کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور جہنم اوراس کی آگ سے نجات پا جائیں گے۔

اس سے پہلی آیتوں میں مدینہ میں رہنے والے منافقوں کے احوال بیان فرمائے تھے،

اب مدینہ کے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں کا حال بیان کیا جارہا ہے۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِیُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِیْنَ

اور آئے بات بنانے والے دیہاتی، کہ ان کو چھٹی دی جائے، اور بیٹھ رہے جنھوں نے جھٹلایا

كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۰﴾

اللہ اور اس کے رسول کو، بہت جلد پہنچے گا ان کافروں کو دکھ والا عذاب●

(اور) فرمایا جارہا ہے، کہ (آئے بات بنانے والے دیہاتی، کہ ان کو) بھی جہاد سے (چھٹی دے (دی جائے)۔

یہ عذر کرنے والے لوگ اسد غطفان کے لوگ تھے، جنہوں نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے وقت حضور سرورِ عالم ﷺ سے جنگ میں نہ جانے کی اجازت چاہی اور عذر پیش کیا، کہ ہم میں جنگ میں جانے کی طاقت نہیں ہے، اس لیے کہ ہم معاشی لحاظ سے تنگ ہیں اور عیالداری سوا ہے، وغیرہ وغیرہ۔۔یا۔۔معذرت کرنے والے عامر بن الطفیل کا ایک گروہ ہے، جنہوں نے معذرت یوں کی، کہ اگر ہم آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک کو چلیں تو ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال اور گھروں پر ہمارے مخالفین یعنی طے کے اعرابی حملہ کردیں گے، وہ ہمارے جانوروں کو لے جائیں گے اور گھروں کو لوٹ لیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا:

'مجھے تمہاری ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے، تم جاؤ گھروں میں آرام کرو'

۔۔۔ان معذرت کرنے والوں میں کچھ تو ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو منافق ہوں، اور منافقت کی وجہ سے جنگ میں نہ جانا چاہتے ہوں، اور کچھ ایسے بھی ہوسکتے ہیں، جو صرف کاہلی اور سستی کی وجہ سے جنگ سے گریز کررہے ہوں۔

اب جو منافق ہیں ان کے کافر ہونے میں کیا شک ہے۔ہاں جو صرف کاہلی اور سستی کی وجہ سے ایسا چاہ رہے ہوں، تو ان کے بھی فاسق ہونے میں کوئی شک نہیں، اور ان کی بھی جس قدر مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ان دونوں سے ہٹ کر، وہ بادیہ نشین منافقین، جنہوں نے جنگ کی حاضری کی نہ حامی بھری اور نہ ہی کوئی عذر کیا، اور نہ ہی حضور سے اجازت طلب کی۔۔۔

(اور) ڈھٹائی سے اپنے گھروں میں (بیٹھ رہے) اور جنگ پر نہیں گئے، ان کے اس طرز عمل سے واضح ہوگیا، کہ یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں (جنہوں نے جھٹلایا اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کو)، اگرچہ بظاہر ایمان واسلام کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں۔تو (بہت جلد پہنچے گا ان کافروں کو) جن کی اجازت طلبی صرف منافقت کی وجہ سے تھی، نہ کہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے، اور پھر جو اپنے کفر پر مرتے دم تک قائم بھی رہے، (دکھ والا) یعنی دردناک (عذاب) دنیا میں قتل وقید سے اور آخرت میں جہنم کی آگ سے۔

مذکورہ بالا معذرت چاہنے والوں سے ہٹ کر، رہ گئے وہ مومنین ومخلصین اور دین کے سچے خیر خواہ، جن میں سستی اور کاہلی بھی نہیں، لیکن وہ واقعی حقیقی معذور ہیں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ۔۔۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ

نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ بیماروں پر، اور نہ ان پر،

لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

جو نہ پائیں وہ جس کو خرچ کریں، کوئی الزام، جبکہ وہ خیر خواہ رہیں اللہ اور اس کے رسول کے۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾

مخلص لوگوں پر کوئی گرفت نہیں۔ اور اللہ غفور رحیم ہے●

(نہیں ہے ضعیفوں پر) جو بوڑھے۔۔یا۔۔ ہاتھ لنجے اور پاؤں لنگڑے ہیں، (اور نہ بیماروں پر، اور نہ ان پر جو نہ پائیں وہ، جس کو خرچ کریں) یعنی فقر و فاقہ کی وجہ سے مال و دولت نہیں رکھتے جسے خرچ کرسکیں، جیسے مزینہ وجہینہ اور بنی عذرہ کے لوگ، تو ایسے معذوروں پر نہیں ہے (کوئی الزام) اگر وہ جنگ میں نہیں جاسکے۔ لیکن ان کے لیے بھی ایک شرط ہے۔ ان پر کوئی الزام نہ ہونا اسی صورت میں ہے، (جبکہ وہ خیر خواہ رہیں اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کے)۔

یعنی جب وہ جنگ میں نہیں جاسکے، تو کم ازکم ان کے دل میں اسلام کی خیر خواہی ہو۔۔ چنانچہ ۔۔وہ اگر غازیوں کے متعلق کوئی کمزوری سنیں، تو اُسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں، اور نہ ہی فتنہ انگیزی کریں۔ اور ان کے گھریلو امور کی خبر گیری کریں۔۔ بلکہ۔۔ ان کے گھریلو کام میں ہاتھ بٹائیں اور ان کے گھر والوں کو ان کی خیر کی خبر سنائیں۔۔ الحاصل۔۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ پر ایمان لاکر، ان کے جملہ احکام کی فرمانبرداری کا عزم رکھیں۔۔ لہٰذا۔۔ فوری طور پر ان ضروری امور کو انجام دیں، جن کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

۔۔المختصر۔۔ (مخلص لوگوں پر کوئی گرفت نہیں)، یعنی نیکی کرنے والوں پر کوئی گناہ اور نہ ہی کسی قسم کی منجانب اللہ زجر و توبیخ ہوگی۔ (اور اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے، جو عذر کی سبب سے لڑائی پر نہ جاسکے اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے کہ معذوروں کو گھر بیٹھنے کی رخصت دیتا ہے۔۔ الغرض۔۔ نہ تو مذکورہ بالا معذوروں کو جنگ میں نہ جانے کی وجہ سے کوئی الزام ہے۔۔۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ

اور نہ انھیں پر، جو تمہارے پاس آئے تھے کہ انھیں سواری دیجیے، تم نے جواب دیا تھا "کہ میرے پاس سواری نہیں"۔

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ﴿۹۲﴾

وہ لوٹے اوران کی آنکھیں بہتی ہیں آنسو سے، غمگین اس پر، کہ نہیں پاتے جو خرچ کریں●

(اور نہ) ہی (انہیں پر) جنگ میں نہ شریک ہوسکنے پر کوئی الزام ہے۔اے محبوب! (جو تمہارے پاس آئے تھے، کہ انہیں سواری دیجیے) تاکہ وہ بھی تمہارے ساتھ شریکِ جنگ ہوسکیں، تو (تم نے جواب دیا تھا، کہ میرے پاس سواری نہیں)۔وہ آنے والے خواہ، وہ انصار کے معقل بن یسار، صخر بن الخنساء، عبداللہ بن کعب، سالم بن عمیر، ثعلبہ بن غمنہ، عبداللہ بن مغفل اور علیہ بن زید ہوں ۔۔یا۔۔بنومقرن کے سات بھائی ہوں، جن کو یہ شرف بھی حاصل تھا، کہ وہ ساتوں بھائی حضور ﷺ کے صحابی تھے، مطلوبہ سواری نہ مل سکنے کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوسکنے کے سبب، ان پیکرانِ اخلاص کا عالم یہ تھا، کہ (وہ) اس حال میں (لوٹے) کہ ان کا دل پژمردہ (اوران کی آنکھیں بہتی ہیں آنسو سے) اور وہ سب (غمگین اس) مجبوری (پر، کہ نہیں پاتے) آلاتِ حرب اور جنگی ساز وسامان (جو خرچ کریں)، یعنی جنہیں جنگ میں استعمال کرسکیں۔

حضور ﷺ نے بھی انہیں جواباً لطف بھرے کلام سے نوازا، جس سے ان کا دل ٹھنڈا ہوگیا۔گویا حضور ﷺ نے انہیں فرمایا، کہ تمہاری سوال کردہ شے فی الحال موجود نہیں، لیکن جونہی موجود ہوئی اور تم نے سوال کیا، تو فوراً دے دی جائے گی۔ایک روایت کی روشنی میں حضرت ابن عمر اور حضرت عباس نے زادِراہ اور جنگی سامان اور سواری کا انتظام ان کے لیے کردیا، اِس طرح وہ حضرات بھی جنگ میں شریک ہوئے۔۔المختصر۔۔مذکورہ بالا بے سروسامانی کے عذر کے سبب بھی، اگر کوئی جنگ میں شریک نہ ہوسکے، تو اس پر کوئی الزام نہیں۔۔۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ

پکڑ کی راہ ان پر ہے، جو چھٹی مانگیں تم سے اور خود مالدار ہیں۔وہ خوش ہیں کہ

يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

رہ جائیں پردہ والی عورتوں کے ساتھ۔اور چھاپ لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر، تو وہ جانتے ہی نہیں●

(پکڑ کی راہ ان پر ہے) اور ایسے لوگ الزام سے بری نہیں ہوسکتے، (جو) جنگ میں شریک

نہ ہونے کے لیے (چھٹی مانگیں تم سے اور) وہ (خود مالدار ہیں)۔ اُن کے پاس جنگی سامان مکمل طور پر موجود ہے اور وہ تندرست بھی ہیں اور ان سب کے باوجود، (وہ خوش ہیں کہ وہ رہ جائیں پردہ والی عورتوں کے ساتھ)۔ گویا وہ عورتوں کی طرح پردہ نشینی اور نسوانیت کا مظاہرہ کر کے، اپنی خِفّت و ذِلّت سے راضی ہیں، اور وہ اُسے خود پسند کر رہے ہیں، (اور) اُس کی اصل اور حقیقی وجہ یہ ہے، کہ (چھاپ لگا دی اللہ تعالیٰ (نے اُن کے دلوں پر) اور انہیں ذلیل و خوار بنا دیا، کہ وہ اپنے انجام سے بالکل غافل ہو گئے، (تو وہ جانتے ہی نہیں) اپنا انجام اور اپنی عاقبت اور وہ عقوبت، جو اس نافرمانی کا نتیجہ ہے۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج

۱۵ ربیع النور شریف ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲ مارچ ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ دسویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے باقی پاروں کی

تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ ﷺ وَ بِرَحْمَتِكَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

يَعْتَذِرُوْنَ

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۱۶ اپریل ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ گیارہویں پارے کی تفسیر کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے، اور یونہی پورے

قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی سعادت سے سرفراز فرمائے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰہٰ وَ یٰسٓ

وَبِحُرْمَةِ حَبِیبِكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ

سابقہ اِرشادات میں دوگروہوں کا ذِکر تھا: ایک وُہ، جو جہاد میں شرکت سے محروم ہونے کی وجہ سے شدّتِ غم سے رورہے تھے۔۔اور۔۔دوسرے وہ، جو مالدار اور صاحبِ اِستطاعت ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ سے رُخصت طلب کررہے تھے، تاکہ اُنہیں جہاد میں شریک ہونے سے چھٹی مل جائے اور پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ گھروں میں رہیں۔تو اُن میں پہلا گروہ تو قابلِ تعریف اور لائقِ مدح وثناء ہے، لیکن دوسرا گروہ وہ ہے، اللہ تعالیٰ نے جن کے دِلوں پرمُہر لگادی ہے، تو اُنہیں خود اپنے اچھے بُرے کی خبر نہیں۔اِسی دوسرے گروہ کے تعلق سے ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ۔۔۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ

تاویلیں گڑھیں گےتم سے، جب تم لوٹو گےان تک۔کہہ دینا،"کہ بات نہ بناؤ، ہم تمہاری ایک

لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ

نہ مانیں گے، کہ بے شک ہمیں بتادی ہیں اللہ نے تمہاری ساری خبریں"۔اور بہت جلد تمہارے عمل کو اللہ اور اس کا رسول دیکھ لے گا۔پھر

تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾

لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف، تو وہ تم کو بتادے گا جو تمہارے کرتوت تھے●

اَے مسلمانو! یہ منافقین تمہارے سامنے بہانے بنائیں گے اور (تاویلیں گڑھیں گے تم سے، جب تم) غزوۂ تبوک سے فارغ ہوکر مدینہ (لوٹو گے ان تک)۔اَے رسولِ مکرم! ﷺ ان سے صاف صاف لفظوں میں (کہہ دینا)، اور ارشاد فرمادینا (کہ بات نہ بناؤ)، اور جھوٹے اور بے جا عذر پیش کرنے سے باز آؤ، اور اچھی طرح سے جان لو، کہ (ہم تمہاری ایک نہ مانیں گے)۔تم ہمیں اپنی دِلی کیفیات سے بےخبر نہ سمجھو، اِس لیے (کہ، بے شک ہمیں بتادی ہیں اللہ) تعالیٰ (نے تمہاری ساری خبریں) اور تمہارے تعلق سے ساری باتیں، کہ تم کس واسطے شریکِ جہاد نہیں ہوئے اور تمہارا قصد کیا تھا؟

تم کسی خام خیالی میں نہ رہو (اور) جان لو، کہ (بہت جلد تمہارے عمل کو اللہ) تعالیٰ (اور اُس کا رسول دیکھ لے گا)، کہ تمہارا رویہ کیا رہتا ہے؟ تم نفاق سے توبہ کرتے ہو؟۔۔یا۔۔اُسی کو اختیار کیے رہتے ہو؟ (پھر لوٹائے جاؤ گے) قیامت کے دن (عالم الغیب والشہادہ کی طرف)، جو ہر ہر غیب اور

ہر ہر ظاہر کا جاننے والا ہے۔غیب وظاہر کا علم کلی اُسی کے پاس ہے۔سارے موجودات میں سے جس کو جتنا علم عطا فرماتا ہے، وہ اتنا ہی جان سکتا ہے۔اس کے سوا کسی کا علم ذاتی نہیں، بلکہ سب اسی کی عطا ہے۔۔المختصر۔۔'عالم الغیب والشہادۃ علی الاطلاق' صرف اُسی کو کہا جاسکتا ہے۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ سب کی ظاہری اور دِلی باتوں سے باخبر ہے، (تو وہ تم کو بتادے گا جو تمہارے کرتوت تھے) یعنی پوشیدہ طور پر نفاق اور ظاہری طور پر موافقت کرنے کی تمھیں بھرپور سزا دے گا اور عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

ان منافقین کی بے شرمی بھی حددرجہ بڑھی ہوئی تھی، کہ ایک طرف تو وہ غزوۂ تبوک میں نہ جانے کے متعلق جھوٹے بہانے بناتے تھے، تو دوسری طرف اس دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے تھے، کہ وہ اپنے ان بہانوں کو قسموں کے ساتھ موکد کرتے تھے۔۔چنانچہ۔۔

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ

بہت جلد قسم کھائیں گے اللہ کی تم سے، جب تم لوٹو گے ان کی جانب، کہ ان سے چشم پوشی کرو۔

فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ

تو ہٹے رہوان سے۔ بے شک وہ ناپاک ہیں، اوران کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾

سزا جو انھوں نے کمائی کی●

(بہت جلد قسم کھائیں گے اللہ) تعالیٰ (کی تم سے، جب تم لوٹو گے) اپنے جہادی سفر سے فارِغ ہوکر (اُن کی جانب)۔

۔۔چنانچہ۔۔قرآن کریم نے بطورِ اعجاز جس بات کی خبر دے دی تھی، ویسا ہی ہوا۔اور جند بن قیس اور اس جیسے دوسرے منافقین نے رسولِ کریم کی مراجعت کے بعد مسجد میں آکر آپ ﷺ کے حضور قسم کھائی، کہ ہم لڑائی کے واسطے نکلنے پر قادر نہ تھے۔

یہ قسم اِس لیے کھائی، تا (کہ) تم (ان سے چشم پوشی کرو) اوران پر غصہ کرنے اور ملامت کرنے سے باز رہو۔اے نبی مکرم! ﷺ یہ منافقین کسی التفات وتوجہ کے لائق ہی کب ہیں؟ (تو ہٹے رہوان سے)، یعنی ان سے منہ پھیر لو اور انھیں چھوڑ دو۔(بے شک وہ ناپاک ہیں) یعنی اُن کا باطن خبیث اور نجس ہے، اور اُن کی رُوح ناپاک ہے۔اور جس طرح جسمانی نجاستوں سے اِحتراز کرنا واجب ہے

اسی طرح روحانی نجاستوں سے اِحتراز کرنا واجب ہے۔ تاکہ اُن کی نجاستیں اِنسان میں سرایت نہ کر جائیں، اور تاکہ اُن کے برے کاموں کی طرف اِنسان کی طبیعت راغب نہ ہو۔۔ الختصر۔۔ تہدید اور ملامت جو توبہ کی طرف میلان کا سبب ہوتی ہے، اُن کے حق میں کچھ مفید نہیں پڑتی۔ اِس واسطے، کہ اُن کا باطنی خبث پاکی وطہارت قبول کرنے والا نہیں، (اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے) جہاں وہ مبتلائے عذاب و عتاب ہوں گے۔ اور یہ عذابِ جہنم دراصل (سزا) ہے اُن کے کفر و نفاق آمیز کرتوتوں کی (جو اُنہوں نے کمائی کی)۔

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ

تم سے قسم کھائیں گے کہ تم لوگوں کو راضی کرلیں اپنے سے۔ تو اگر تم لوگ ان سے راضی ہوئے، پھر بھی اللہ

لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾

نہیں راضی ہوتا نافرمان قوم سے ●

یہ منافقین (تم سے قسم کھائیں گے) جس کا مقصد ہوگا (کہ تم لوگوں کو راضی کرلیں اپنے سے) اور خوش کرلیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ عبداللہ ابن ابی نے حضرت فاروق اعظم کے سامنے قسم کھائی تھی، کہ اب کسی سفر میں بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہ کروں گا، تاکہ فاروق اعظم خوش ہوجائیں۔ چونکہ اُن کی قسمیں مومنین کی خوشنودی کے لیے ہوا کرتی تھیں، نہ کہ خدا کی خوشنودی کے لیے۔۔۔

(تو اگر تم لوگ) بالفرض (اُن سے راضی) بھی (ہوئے، پھر بھی اللہ) تعالیٰ (نہیں راضی ہوتا نافرمان قوم سے)۔ اور ظاہر ہے خدا کے غصہ کے ساتھ اُن سے تمہارا بظاہر خوش ہوجانا، اُن کے حق میں کچھ مفید نہیں۔

اِس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ اُن سے راضی نہ ہوں اور نہ ہی اُن کے باطل عذروں کے سبب فریب کا شکار ہوجائیں۔ اوپر جن نافرمانوں کا ذکر ہوا ہے۔۔۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ

گنوار، بڑے سخت ہیں کفر و نفاق میں، اور اسی لائق ہیں کہ انھیں پتہ ہی نہ ہو ان قوانین کا،

مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝

جو اتارا اللہ نے اپنے رسول پر۔ اور اللہ دانا ہے حکیم ہے●

انہی مدینے کے منافقین سے دوستی رکھنے والے جو لوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں، اُن غیر مہذب، تعلیم وتربیت سے ناآشنا اور وحشیانہ زندگی بسر کرنے والوں میں سے بعض (گنوار)، یعنی بنوتمیم بنواسد، غطفان اور اطرافِ مدینہ میں رہنے والے بعض دیہاتی، (بڑے سخت ہیں کفرونفاق میں)، یعنی اُن کا کفرونفاق اہل شہر کے کفرونفاق سے بہت بڑھا ہوا ہے، اِس واسطے، کہ وہ لوگ وحشی اور سخت دِل ہیں۔ اُنہوں نے اہل علم کے پاس نشست وبرخاست نہیں کی اور اصحابِ علم ودانش کی صحبتوں کے فوائد سے تہی دامن رہے، (اور) ظاہر ہے کہ جب وہ ایسے جاہل ہیں، کہ علم واہل علم سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے، تو (اسی لائق ہیں کہ اُنہیں پتا ہی نہ ہو اُن قوانین کا، جو اُتارا اللہ) تعالیٰ (نے اپنے رسول پر) شرع کے فرائض اور سنتیں، (اور اللہ) تعالیٰ (دانا ہے) اُن کے حال کا جاننے والا ہے اور (حکیم ہے) حکم کرنے والا ہے، حکمت کی رو سے اُنہیں مہلت دینے میں۔

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ

اور کچھ گنوار ہیں، کہ جو قرار دیتے ہیں اسے جو خرچ خیرات کرتے ہیں، جرمانہ، اور تاکا کرتے ہیں

بِكُمُ الدَّوَآئِرَ‌ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝

تم پر گردشوں کے آنے کو۔ انھیں پر تباہی کی گردش ہے۔ اور اللہ سنتا جانتا ہے●

(اور) انہی دیہاتی منافقین میں سے (کچھ گنوار ہیں، کہ جو قرار دیتے ہیں اُسے جو خرچ خیرات کرتے ہیں، جرمانہ)، یعنی تاوان اور نقصان، یعنی اپنے صدقوں کو ڈنڈ اور رائگاں جانتے ہیں، اس واسطے، کہ اس پر ثواب کی امید نہیں رکھتے، اور ریا اور تقیہ کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، (اور تاکا کرتے ہیں تم پر گردشوں کے آنے کو) یعنی وہ اس بات کے منتظر ہیں، کہ دولتِ اسلام نکبت سے بدل جائے اور مسلمانوں کا زمانہ پلٹ جائے، تاکہ نفاق سے چھٹکارا پا جائیں۔ اُنہیں کیا خبر، کہ (اُنہیں پر تباہی کی گردش ہے)، یعنی اُنہیں کو ذلیل وخوار اور تباہ وبرباد ہو جانا ہے (اور اللہ) تعالیٰ (سنتا) ہے وہ بات جو وہ زبان پر لاتے ہیں اور (جانتا ہے) وہ بھید جو دل میں چھپاتے ہیں۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

اور بعض دیہاتی ہیں کہ مانیں اللہ کو اور پچھلے دن کو، اور سمجھیں جو کچھ خرچ خیرات کریں،

قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ

کہ اللہ کی عبادت ہیں اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ۔ "یقین مانو کہ یہ ان کی عبادت ہے"۔

سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

بہت جلد داخل فرمادے گا ان کو اللہ اپنی رحمت میں۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے●

(اور) اُن مذکورہ بالا دیہاتیوں کے برعکس (بعض دیہاتی ہیں)۔ مثلاً: قبیلہ اسد، جہینہ، اسلم اور غفار کے لوگ، جن کی شان یہ ہے (کہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن کو)، یعنی روزِ قیامت کو، (اور سمجھیں جو کچھ خرچ خیرات کریں، کہ اللہ) تعالیٰ (کی عبادت ہیں) اور قربِ الٰہی کا وسیلہ ہیں (اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ)۔ کیونکہ آپ ﷺ صدقہ دینے والوں کے واسطے ہمیشہ خیر و برکت کی دُعا کرتے ہیں اور اُن کی مغفرت چاہتے ہیں۔ تو (یقین مانو، کہ یہ اُن کی عبادت ہے)۔ یعنی یہ صدقے اور اُن کے لیے رسولِ کریم کی دعائیں، بارگاہِ عنایتِ ربانی میں اُن کے لیے سببِ قربت ہیں۔ (بہت جلد داخل فرمادے گا اُن کو اللہ) تعالیٰ (اپنی رحمت میں)، یعنی بہشت میں، جو اُس کی رحمت کے نازل ہونے کی جگہ ہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے صدقہ دینے والوں کو، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے قربت ڈھونڈنے والوں پر۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

اور اگلے پہلے مہاجرین و انصار اور جنھوں نے ان کی راہ اختیار کی

بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اخلاص کے ساتھ، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، اور مہیا فرمالیا ہے انکے لئے جنتیں، بہتی ہیں

تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ ہمیش رہنے والے اس میں۔ یہی بڑی کامیابی ہے●

اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی (اور) اُس کی قربت ڈھونڈنے والے (اگلے پہلے مہاجرین)،

وہ اَصحابِ بدر ہوں۔۔یا۔۔وہ ہجرت کے قبل ایمان لانے والے ہوں۔۔یا۔۔وہ جنہوں نے دوقبلوں کی طرف نماز پڑھی ہو۔۔یا۔۔وہ جنہوں نے بیعتِ رضوان کی ہو، **(وانصار)** یعنی وہ مسلمان جو مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں اور مکہ معظّمہ کے رہنے والوں کی انہوں نے مدد کی ہو۔

اس سے عقبہؑ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کی بیعت کرنے والے ستّر افراد مراد ہوں۔۔یا۔۔عقبہؑ ثانیہ کی بیعت سے پہلے حضرت مصعب ابن عمیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے لوگ مراد ہوں۔

(اور جنہوں نے ان) اگلوں (کی راہ اختیار کی اخلاص کے ساتھ)، یعنی پرخلوص ایمان و طاعت کے ساتھ۔

اُس سے سارے صحابہ مہاجر وانصار مراد ہیں، کہ انہوں نے اگلوں کی متابعت کی۔اور یہ بھی قول ہے، کہ جوکوئی قیامت تک اُن کی متابعت کرے، وہ متابعوں میں سے ہے۔

(اللہ) تعالیٰ (ان) سب (سے راضی) اور خوش ہوا اُن کی اطاعت قبول کر کے۔اس رضامندی میں اگلے، اور پچھلے سب داخل ہیں۔**(اور وہ) بھی (اللہ) تعالیٰ (سے راضی)** اور خوش ہوئے دین و دنیا کی نعمتیں پا کر۔**(اور مہیا فرمالیا ہے اُن کے لیے جنتیں، بہتی ہیں جن کے)** درختوں اور مکانوں کے **(نیچے نہریں، ہمیشہ ہمیش رہنے والے) ہیں (اس میں)**۔ان سب کے لیے **(یہی)** یعنی جنتوں میں ہمیشہ ہمیش کے لیے رہنا، **(بڑی کامیابی ہے)** اور جملہ مقاصد۔۔نیز۔۔تمناؤں اور آرزوؤں کا حاصل ہوجانا ہے۔

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے احوال بیان فرمائے۔اس کے بعد اعرابیوں اور بدویوں میں سے منافقین کا حال بیان فرمایا۔پھر اعرابیوں میں سے خالص مومنوں کا ذکر فرمایا۔پھر بیان فرمایا، کہ اکابر مومنین وہ ہیں جو مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین ہیں۔اور اب اِس اگلی آیت میں بیان فرمایا، کہ مدینہ کے اندر اور باہر دونوں جگہ منافقین ہیں ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا

اور بعض تمہارے جوار کے گنوار منافق ہیں۔اور بعض مدینہ والے۔۔۔اَڑ پڑے ہیں

عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ

نفاق پر۔۔انھیں ابھی تم نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔بہت جلد سزادیں گے انھیں دوبار،

ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾

پھر انجام کار جائیں گے بڑے عذاب کی طرف●

(اور) واضح فرما دیا جاتا ہے، کہ (بعض تمہارے جوار) یعنی مدینے (کے) آس پاس رہنے والے (گنوار)، ان پڑھ، غیر مہذب دیہاتی، (منافق ہیں)۔ اگرچہ وہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں اور نماز روزے کی پابندی دکھاتے ہیں اور ایسی قوم سے ہیں جن کے غالب اور اکثر افراد کی حضور ﷺ نے تعریف وتحسین فرمائی ہے، یعنی وہ جہینہ، اسلم اور غفار کے قبیلے سے ہیں۔۔ بااین ہمہ۔۔وہ منافق ہیں۔ (اور بعض مدینہ والے) بھی (چل پڑے ہیں) اور ڈٹ گئے ہیں اپنے (نفاق پر۔ انہیں ابھی تم) علم یقینی وقطعی سے (نہیں جانتے)، اس لیے کہ علمِ یقینی کا ذریعہ وحی الٰہی کے سوا دوسرا کوئی بھی نہیں، اور ابھی اُن کے تعلق سے تم پر وحی نہیں فرمائی گئی۔ رہ گیا علمِ ظنی جو علامتوں اور قرینوں سے حاصل ہوتا ہے، تو تم انہیں اس سے پہچان چکے ہو۔

۔۔الختصر۔۔ابتداءً اسی علمِ ظنی سے آپ منافقین کو پہچان لیتے تھے، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قطعیت کے ساتھ منافقین کی شناخت کرادی تھی اور اُن کا علم دے دیا تھا۔

۔۔الختصر۔۔نزولِ وحی سے پہلے تم اُن کی حقیقت سے بے خبر رہے، لیکن (ہم) اُن کو بخوبی (جانتے ہیں) اِس لیے کہ اُن کے دلوں کے بھیدوں پر ہمیں آگاہی ہے۔ (بہت جلد سزا دیں گے انہیں دوبار): ایک بار دُنیا میں ذلیل ورُسوا کر کے، علانیہ رسولِ کریم کے ذریعہ ایک ایک منافق کا نام لے لے کر مسجد سے نکال کر، اور دوسری بار قبر میں عذاب کر کے۔

۔۔چنانچہ۔۔ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا: اے فلاں تو نکل جا، تو منافق ہے۔ اے فلاں تو نکل جا، تو منافق ہے۔ آپ نے منافقوں کا نام لے لے کر اُن کو مسجد سے نکال دیا اور اُن کو رسوا کر دیا۔ اُس دن کسی کام کی وجہ سے اُس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں نہیں پہنچے تھے۔ جس وقت حضرت عمر آئے وہ مسجد سے نکل رہے تھے، اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چھپ رہے تھے، اُن کا یہ گمان تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حقیقتِ حال کا پتا چل گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا آپ کو خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے اِن منافقین کو رُسوا کر دیا۔

یہ ان پر عذابِ اوّل تھا اور عذابِ ثانی، عذابِ قبر ہے۔ اسی دن سے یہ ضابطہ بن گیا،

کہ منافقوں، بدمذہبوں، بے دینوں، گمراہوں اور گمراہ گروں کو مسجد سے نکال باہر کردینا، صاحبِ خلقِ عظیم رسولِ کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو اس سنت کے خلاف ہو، وہ بدعتِ سیۂ یعنی 'بدعتِ ضالہ' ہے۔ آگے ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ صرف یہی نہیں کہ ہم انہیں دوبار عذاب دے کر انھیں چھوڑ دیں گے، بلکہ اس کے بعد وہ سب۔۔۔

(**پھر انجام کار جائیں گے**) آتشِ جہنم کے (**بڑے عذاب کی طرف**)، اور حقیقت میں درگاہِ عزت سے ان کی دوری اور نورِ لقاء ورویت سے ان کی محجوبی ومہجوری بڑا عذاب ہے، کیونکہ نکبت حرماں اور مصیبتِ ہجراں سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔

روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے دس۱۰ آدمیوں نے بے عذر تخلف کیا تھا۔ جب ان ربانی تہدیدوں سے واقف ہوئے، جو تخلف کرنے والوں کے حق میں نازل ہوئیں، تو ان میں سے سات۷۔۔یا۔۔ تین۳ آدمیوں نے اپنے تئیں مسجد کے ستونوں میں باندھ کر قسم کھائی، کہ جب تک خدا کے حکم سے نہ کھولے جائیں گے، کسی کو نہ کھولنے دیں گے۔ جب آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس ہوکر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، تو اپنی عادت کے موافق مسجد میں تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو دیکھ کر پوچھا، یہ کون لوگ ہیں۔ ان کی کیفیت عرض کی گئی۔ پس سید عالم ﷺ نے فرمایا، کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں، کہ ان لوگوں کو نہ کھولوں گا، تاوقتیکہ حکم الٰہی نہ آئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ:۔۔۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا

اور کچھ اور لوگ ہیں، جنھوں نے اقرار کرلیا اپنے گناہوں کا، ملاجلا کردیا نیک کام اور دوسرے برے کام کو،

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰۲﴾

قریب ہے کہ اللہ توبہ قبول فرمالے ان کی۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(**اور کچھ**) دوسرے (**اور لوگ ہیں جنہوں نے اقرار کرلیا اپنے گناہوں کا**)۔۔الحاصل۔۔انھوں نے (**ملاجلا کردیا نیک کام اور دوسرے برے کام کو**)۔ رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ مل کر کافروں کے ساتھ لڑنا اُن کا نیک کام تھا اور پھر جنگِ تبوک میں نہ حاضر ہونا، اُن کا برا کام تھا۔ اعترافِ جرم اور احساسِ ندامت نے اُن کے برے کام کو اُن نیک کاموں سے ملادیا، جس نے انہیں مغفرتِ خداوندی کا مستحق

دیا، تو (قریب ہے کہ اللہ) تعالیٰ (توبہ قبول فرمالے اُن کی)۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اِس لیے، کہ، بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے، یعنی بخشنے والا ہے توبہ کرنے والوں کو، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے ان پر۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ گناہ کا اقرار کرنا نورِ استعداد باقی رہنے اور گناہوں کا ملکہ نہ راسخ ہوجانے کی جہت سے ہے، اور اس کے سبب سے دلیل پکڑ سکتے ہیں، کہ اقرار کرنے والے کے دیدۂ بصیرت کھل گئے، کہ اس نے گناہوں کی قباحت دیکھ لی، اس واسطے کہ اگر غفلت کی ظلمت جم جائے اور برائیاں طبیعت میں راسخ ہوجائیں، تو گناہ گار کسی گناہ کو بُرا نہیں جانتا۔۔ بلکہ۔۔ مناسبت کے سبب سے گناہ کو اچھا جانتا ہے اور عذابِ خذلان میں رہتا ہے۔

۔۔الغرض۔۔ یہ آیت نازل ہونے کے بعد حضرت ﷺ کے فرمانے سے وہ لوگ کھول دیے گئے۔۔ پھر۔۔ وہ چھوٹے ہوئے لوگ اس نعمتِ الٰہی کے شکرانے میں اپنے مال آنحضرت ﷺ کے حضور میں لائے اور عرض کی، کہ یارسول اللہ ہم لوگ انہیں مالوں کے سبب سے آپ کی دولتِ خدمت سے محروم رہے، یہ مال لیجیے اور راہِ خدا میں تصدق کیجیے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا، کہ مجھے تمہارا مال لینے کا حکم نہیں ہوا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اَے محبوب!۔۔۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ

لے لیا کرو ان کے مال سے صدقہ، کہ اس سے ان کو پاکیزہ اور ستھرا کرو۔ اور ان کے حق میں دعا کرو۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝١٠٣

بیشک تمہاری دعا انکے لئے تسلی ہے۔ اور اللہ سنتا جانتا ہے●

(لے لیا کرو ان کے مال سے صدقہ)۔ زکوٰۃِ فرض۔۔یا۔۔صدقات اُن کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر۔۔یا۔۔عام صدقات خواہ واجبہ ہوں یا نافلہ۔ تا (کہ اس سے ان کو پاکیزہ اور ستھرا کرو) گناہوں سے۔۔یا۔۔مال کی محبت سے، جو باعثِ معصیت ہوتی ہے۔۔یا۔۔نجاستِ بخل سے، اور زیادہ کر اور بڑھا ان کی نیکیاں اس صدقہ کے سبب سے، (اور ان کے حق میں دُعا کرو) کیونکہ (بے شک تمہاری دُعا اُن کے لیے تسلی ہے)، اس لیے کہ اپنے اعمال کی مقبولیت کا انہیں ویسا یقین نہیں ہوسکتا، جیسا کہ آپ کی دُعاؤں کی مقبولیت کا ہے۔ (اور) جان لو، کہ (اللہ) تعالیٰ (سنتا) ہے تیری دُعاؤں کو اور (جانتا ہے) کہ وہ اس کے مستحق ہیں۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمانے کی امید دلائی تھی، توبہ قبول فرمانے کی خبر نہیں دی تھی۔ اور اب اس آیت میں حتمی طور پر خبر دے رہا ہے اور فرما رہا ہے، کہ یہ توبہ کرنے والے لوگ۔۔۔یا۔۔۔جو لوگ توبہ نہیں کرتے۔۔۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ

کیا انھوں نے نہ جانا کہ بے شک اللہ، وہ قبول فرماتا ہے توبہ کو اپنے بندوں کی، اور لے لیتا ہے صدقات کو،

وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾

اور بیشک اللہ توبہ قبول فرمانے والا اور بخشنے والا ہے●

(کیا انہوں نے نہ جانا، کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (وہ) ہے جو (قبول فرماتا ہے توبہ کو اپنے بندوں کی)، (اور) اپنے رسول کے ذریعہ (لے لیتا ہے صدقات کو) اور انہیں قبولیت عطا فرماتا ہے ۔۔۔الغرض۔۔۔رسول کریم کا قبول کرنا ہی خدائے کریم کا قبول فرمالینا ہے۔ تاکہ بندے زیادہ ذوق وشوق اور رغبت سے صدقہ وخیرات کریں۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (توبہ قبول فرمانے والا) ہے، (اور توبہ کرنے والے کو (بخشنے والا ہے)۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ

اور تاکید کردو کہ عمل کی شان دکھاؤ، کہ اب تمہارے کردار کو دیکھے گا اللہ اور اسکا رسول اور سارے مسلمان۔ اور بہت جلد لوٹائے

إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

جاؤ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف، تو وہ بتادے گا تم کو جو تمہارے کرتوت تھے●

اے محبوب! توبہ کرنے والوں سے کہہ دو (اور تاکید کردو، کہ) جب اب تم توبہ کر چکے، تو پھر اس پر قائم رہ کر اپنے (عمل کی شان دکھاؤ)، کیوں (کہ اب تمہارے کردار) اور تمہارے نیک وبد (کو دیکھے گا اللہ) تعالیٰ (اور اُس کا رسول اور سارے مسلمان)۔

۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔حق تعالیٰ تہدیداً فرماتا ہے، کہ اے وہ لوگ جو توبہ نہیں کرتے، کرو جو تمہارا جی چاہے، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے نیک وبد کو ملاحظہ فرمائے گا اور اس کا رسول۔۔۔نیز۔۔۔ مومنین بھی دیکھیں گے۔

(اور) پھر موت کے ذریعہ (بہت جلد لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف)، جو

تمہارے ہر ظاہر و پوشیدہ کا جاننے والا ہے، (تو وہ بتادے گا تم کو جو تمہارے کرتوت تھے)۔ یہ آگاہی اس کی جزا دینے کے واسطے ہوگی۔ اس کے قبل مذکور ہوا، کہ جن دس مسلمانوں نے خلاف ورزی کی تھی، ان میں سے ان ساتوں کا ذکر ہوگیا، جنہوں نے اپنے کو ستون میں باندھ لیا تھا۔ باقی رہے تین آدمی، یعنی کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع، ان تینوں آدمیوں نے اپنے تئیں مسجد کے ستونوں سے نہیں باندھا تھا۔ مگر۔۔ جناب رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنے گناہ کا اقرار کیا اور آپ نے ان کے حق میں فرمایا کہ ان سے نہ کوئی مسلمان بات کرے اور نہ ہی ان کے پاس بیٹھے۔۔ الحتصر۔ اپنے کو ستون سے باندھ لینے والوں۔۔۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۗ

اور بعض اور لوگ ہیں گرفتار اسی میں، کہ امر الٰہی یا ان پر عذاب فرمائے، یا ان کی توبہ قبول کرے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰۶

اور اللہ دانا ہے حکیم ہے●

(اور) اعتراف جرم کرنے والوں کے سوا (بعض اور لوگ ہیں) جن کا ذکر ابھی اوپر ہوا، جو (گرفتار اسی میں) ہیں اور اسی سوچ وفکر میں ہیں، (کہ امر الٰہی یا ان پر عذاب فرمائے یا ان کی توبہ قبول کرے)۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ گناہ پر اڑے رہیں گے، تو عذاب کے مستحق ہوں گے اور اگر اپنے گناہوں پر دل سے نادم ہوں گے، تو اس لائق ہوں گے کہ اُن کی توبہ قبول فرمالی جائے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (دانا ہے)، جانتا ہے ان کا باز رہنا۔ اور (حکیم ہے)، حکم کرنے والا ہے انھیں باز رکھنے کا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جنھوں نے بنائی مسجد نقصان پہنچانے کو اور کفر کی بنا پر، اور مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کو،

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ

اور انتظار میں اس کے جس نے جنگ کی ہے اللہ اور اس کے رسول سے پہلے۔ اور ضرور قسم کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ

اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷

نیک ہی نیک ہے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں●

سابقہ آیات میں منافقوں کے کفر و نفاق کی شدت، ان کا اپنے نفاق پر ڈٹے رہنا، اور اپنی منافقانہ روش سے باز نہ آنا، وغیرہ کا ذکر تھا، اب ان کی دوسری خفیہ ریشہ دوانیوں کی وضاحت فرمائی جارہی ہے، جن کے تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ بارہ[12] منافقوں نے ابو عامر راہب کے کہنے سے مسجد قبا کے برابر ایک مسجد بنائی۔ صورت اس کی یہ ہوئی، کہ ابو عامر راہب قبیلہ بنی خزرج کے شرفاء میں سے تھا، توریت اور انجیل کے علم میں بڑی مہارت رکھتا تھا اور حضرت سید عالم ﷺ کی نعت اہل مدینہ کو برابر سنایا کرتا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو وہاں کے لوگ آپ کے جمال و کمال پر شیفتہ ہو کر، ابو عامر کی صحبت سے چلے آئے اور اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

ابو عامر کو حسد ہوا۔ اب حضرت ﷺ سے انکار میں مشغول ہوا اور جنگِ بدر کے بعد مدینہ منورہ سے بھاگ کر کفارِ مکہ کے ساتھ جاملا، اور جنگِ اُحد میں آیا۔ پہلے جس نے لشکر اسلام پر تیر مارا، وہ وہی تھا اور حضرت ﷺ نے اُس کا لقب 'فاسق' رکھا۔ اور جنگِ حنین میں بھی وہ آیا اور وہاں سے بھاگ کر وہ ہرقل کے پاس گیا، جو روم کا بادشاہ تھا اور چاہا کہ روم سے ایک لشکر آراستہ کر کے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے، اور وہاں سے منافقوں کے نام ایک نامہ لکھا، کہ تم مسجد قبا کے سامنے اپنے محلہ میں میرے واسطے ایک مسجد بناؤ، کہ میں جب مدینہ میں آؤں، تو اس مسجد میں بیٹھ کر درس دیا کروں۔

منافقوں نے مسجد بنائی اور آنحضرت ﷺ نے جب جنگِ تبوک کا قصد کیا، تو مسجد بنانے والے آپ کی خدمت عالی درجت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، کہ یارسول اللہ ﷺ ہم نے ضعیفوں اور بے چاروں کے واسطے جاڑے اور برسات کے لیے ایک مسجد بنائی ہے، اور ہم چاہتے ہیں، کہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ اِس سے اُن کی غرض یہ تھی، کہ حضرت ﷺ کی نماز کے سبب ہم اپنی مہم کو مضبوط کرلیں۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے جواب میں فرمایا، کہ اب تو میں لڑائی کی طرف متوجہ ہوں، اب واپسی کے بعد ہی کچھ سوچا جاسکتا ہے۔۔ چنانچہ ۔۔واپسی میں جب آپ منزل ذی آوان پر پہنچے جو مدینہ منورہ کے قریب ہے، تو مسجد والوں نے وہی استدعاء کی، اور جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لائے۔۔۔

(اور جنہوں نے بنائی مسجد نقصان پہنچانے کو) یعنی مومنوں کو ضرر پہنچانے اور ان سے مقابلہ کرنے کے واسطے **(اور کفر کی بنا پر)**، یعنی اپنے قلب میں چھپے ہوئے کفر کی تقویت کے لیے **(اور مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کو)**، تا کہ مسجد قبا میں جمع ہونے والے مومنین کے درمیان تفرقہ ڈال دیں، **(اور**

نظار میں اس) ابوعامر راہب (کے، جس نے جنگ کی ہے اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول سے پہلے)
ں، اُحد اور حنین کی لڑائی میں۔ ان دونوں مقامات پر وہ موجود تھا۔ یہ جھوٹے (اور) ریا کار منافق
ضرور قسم کھائیں گے کہ ہمارا اِرادہ) مسجد کی تعمیر سے (نیک ہی نیک ہے)۔ یعنی نماز، ذکرِالٰہی اور
عیفوں کی راحت کے سوا، ہمارا کوئی دوسرا اِرادہ نہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے، کہ یہ سب جھوٹے
ہیں)۔ تو اے محبوب۔۔۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ

اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہونا۔ ضرور وہ مسجد جسکی بنیاد رکھی گئی ہے خوفِ خدا پر، پہلے ہی دن سے، زیادہ مستحق ہے

اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ

کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں ایسے مرد لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ خوب پاک صاف رہیں۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور اللہ دوست رکھتا ہے خوب ستھروں کو●

(اس مسجد میں کبھی) بھی نماز کے لیے (کھڑے نہ ہونا)۔

۔۔چنانچہ۔آپ نے اُس کو مسمار کرا دیا اور اس میں آگ لگوا دی اور اس طرح منافقین کی سازشوں کے اڈے کو خاک میں ملوا دیا۔

۔۔ہاں۔۔البتہ (ضرور وہ مسجد) قبا (جس کی بنیاد رکھی گئی ہے خوف خدا پر پہلے ہی دن سے)، وہ (زیادہ مستحق ہے، کہ تم اس میں) نماز کے لیے (کھڑے ہو۔ اس میں ایسے مرد لوگ ہیں، جو) پاک طینت ہونے کے سبب سے (پسند کرتے ہیں، کہ) ہمیشہ نجاستوں اور خیانتوں سے (خوب پاک صاف رہیں)۔ وہ برابر طہارت ہی پر رہتے ہیں اور ناپاک سوتے نہیں۔ اور گناہوں اور بُری خصلتوں سے اپنے کو بچا کے رکھتے ہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے خوب ستھروں کو)، پاک وصاف زندگی گزارنے والوں کو۔

جس مسجد کا ابھی ابھی اوپر ذکر ہوا ہے، اس کے تعلق سے اشہر واظہر بات یہی ہے، کہ اس سے مراد مسجد قبا ہے، جو بنی عمرو اور بنی عوف کے محلے میں ہے۔ آنحضرت ﷺ پہلے جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے، تو محلہ قُبا میں اُترے، اور چودہ [۱۴] روز وہاں مقیم رہے، اور

انہیں دنوں میں آپ نے مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔۔ چنانچہ۔۔ مدینہ منورہ میں یہ پہلی مسجد ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت رسول کریم ﷺ ہر شنبہ کے روز سوار یا پاپیادہ مسجد قبا میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔ یہ بھی روایت ہے، کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ایک عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔۔ الختصر۔۔ 'مسجد ضرار' کی بنیاد نفاق پر ہے اور 'مسجد قبا' کی بنیاد اِخلاص وتقویٰ پر۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ

تو بھلا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی خوف خدا پر، اور مرضی مولیٰ پر، بہتر ہے

اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ

یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی گڈھے کے پھٹ پڑنے والے کرارے پر؟ چنانچہ پھٹ پڑا اس کو لے کر جہنم کی آگ میں۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا اندھیر مچانے والی قوم کو●

(تو بھلا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی)، یعنی اپنے امورِ دین کی عمارت کی، (خوف خدا پر اور مرضی مولیٰ پر)، یعنی خدا کی رضا وخوشنودی چاہنے پر (بہتر ہے، یا وہ) شخص (جس نے) اپنے امورِ دین کی عمارت کی (بنیاد رکھی اپنی) مذکورہ عمارت کی، ایسے (گڈھے کے پھٹ پڑنے والے کرارے پر)، یعنی ایسے گڑھے کے کنارے پر جو گرنے کے قریب ہے، (چنانچہ پھٹ پڑا اس کو لے کر جہنم کی آگ میں) یعنی اُسے لے کر جہنم کی آگ میں گر پڑا جو دریائے آتشیں ناپیدا کنار ہے۔

یہ مثال ہے ان لوگوں کے واسطے جو اپنے دین کی بنیاد امورِ باطلہ پر رکھتے ہیں، اور ان کے کاموں کا انجام دوزخ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا اندھیر مچانے والی قوم کو) تو وہ اپنی منزلِ مقصود پر نہیں پاتے، بلکہ ہوتا یہ ہے، کہ۔۔۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ

ہمیشہ اپنی تعمیر جو انھوں نے بنائی تھی کانٹا ہوگئی ان کے دلوں کا۔ مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں

ع ۱۳
۲

قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۱۰﴾ؑ

ان کے دل، اور اللہ علم وحکمت والا ہے●

(ہمیشہ) خود ان کی (اپنی تعمیر جو) فاسد اغراض ومقاصد پر (انہوں نے بنائی تھی، کانٹا ہوگئی) ود (ان کے) ہی (دلوں کا) شک ونفاق کے سبب، علاوہ اس شک اور نفاق کے جو وہ رکھتے تھے۔

اب اگر اس سے عمارت کی خرابی مراد لی جائے، تو اس کا پہلا واقعہ یہ سامنے آیا، کہ آنحضرت ﷺ جب جنگِ تبوک سے واپس تشریف لائے، تو مسجد ضرار بنانے والوں نے استدعا کی، کہ آپ ان کی مسجد میں جا کر نماز پڑھیں، اور ہوا یہ، کہ حکم الٰہی پا کر آپ کے حکم سے وہ مسجد ضرار کھود ڈالی گئی اور جلادی گئی، اور حکم ہوا کہ اس کو مدینہ کے لوگوں کا مزبلہ اور گھورا بنادیا جائے۔۔الغرض۔۔ ہمیشہ اُن کی عمارت کی خرابی، اُن کا شک اور نفاق زیادہ ہونے کا سبب ہوتی ہے۔یعنی یہ لوگ ہمیشہ غم وحسرت اور نفاق وشک ہی میں رہیں گے اور یہ سوچتے ہی رہیں گے، کہ ہم نے کیوں یہ عمارت بنائی، کہ اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوا، اور اس حسرت سے اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے۔۔الغرض۔۔اُن کے طرزِ عمل سے انھیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔۔۔

(مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اُن کے دل) اور کچھ سمجھنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔۔المختصر ۔۔انجام کار یہی ہونا ہے، کہ اُن کے دِل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، خواہ قتل کے سبب۔۔یا۔۔موت سے ۔۔یا۔۔قبر میں۔۔یا۔۔دوزخ میں۔۔یا یہ کہ۔۔وہ ہمیشہ ایسے امور انجام دیں گے، جس کی انجام دہی پر نھیں بار بار نادم ہونا ہے۔۔چنانچہ۔۔بار بار ظاہری توبہ واستغفار کر کر کے ان کے دِل ٹکڑے ٹکڑے وں گے۔(اور اللہ) تعالیٰ (علم) والا ہے اور جاننے والا ہے اُن کی عمارت کی بنیاد کو، کہ کس نیت سے تھی۔(وحکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے اس کی خرابی کا، حکمت کے ساتھ۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اُن برائیوں اور خرابیوں اور سازشوں کا ذکر فرمایا تھا جو غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے کی بنا پر انہوں نے کی تھیں، اور اِس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ جہاد کی فضیلت اور اُس کی ترغیب کو بیان فرما رہا ہے۔تا کہ ظاہر ہو جائے، کہ منافقین نے جہاد کو ترک کر کے کتنے بڑے نفع کو ضائع کر دیا۔

۔۔چنانچہ۔۔'لیلۃ العقبہ' کے موقع پر جس میں پچھتر ۷۵ مدینے والے شرف ایمان سے مشرف ہوئے، جب حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے خدا ورسول کے تعلق سے اپنا فرض جاننا

چاہا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ خدا کے واسطے تو میں یہ شرط کرتا ہوں، کہ تم اسی کی عبادت کرو اور اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اور اپنے واسطے یہ شرط کرتا ہوں، کہ اُن چیزوں سے میری حفاظت کرو جن سے تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ ان لوگوں نے عرض کیا، کہ ہم اس امر پر ثابت وقائم رہیں، تو ہماری جزا کیا ہے؟ فرمایا تمہاری جزا بہشت ہے۔ اس پر انصار بولے، یہ خرید وفروخت نہایت فائدہ والی ہے۔ ہم نے اس بیع میں فائدہ پایا اور ہرگز نقصان نہ اٹھائیں گے۔ تو حق تعالیٰ اُس بیع وشراء کی خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

بے شک اللہ نے خرید لیا مسلمانوں سے ان کی جان ومال کو، اس قیمت پر کہ انکے لئے جنت ہے۔

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا

جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں، تو مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔۔۔ اس پر وعدہ حقہ ہو چکا،

فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا

توریت وانجیل اور قرآن میں۔ اور جس نے پورا کر دیا اپنا اللہ سے عہد، تو خوشی کرو

بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

اپنی بکری سے، جو تم نے اس سے کی۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (نے خرید لیا مسلمانوں سے ان کی جان ومال کو) تاکہ وہ جہاد کریں اور مال راہِ خدا میں خرچ کریں (اس قیمت پر، کہ اُن کے لیے جنت ہے)۔

یہ تمثیل ہے مومنوں کو ثواب میں بہشت دینے اور ان کی جان اور مال قبول کر لینے کی۔ تو یہ درحقیقت مول لینا نہیں ہے۔ اِس واسطے، کہ بیع وشراء اُس جگہ واقع ہوتی ہے، جہاں مِلک مختلف ہو۔ یعنی چیز ایک کی مِلک ہو اور قیمت دوسرے کی مِلک ہو، اور یہاں صورتِ حال یہ ہے، کہ ہر چیز کی ہستی اور ہر آدمی کی ہستی حق تعالیٰ ہی کی مِلک ہے، بندہ اور اُس کا مال مولیٰ تعالیٰ کا ہی ہے۔ تو یہ رغبت دلاتا ہے لڑائی اور جہاد پر، یعنی اے [illegible] جان و مال قربان کرتا ہے اور مجھے انعام جنت دیتا ہے۔

جان سرمایہ شر وشرور ہے اور مال، سبب طغیان وغرور [illegible] اور [illegible] راہِ خدا میں فدا کر اور بہشت جو باقی اور ہر [illegible] اس کلام میں ایک

لطیف ونازک اشارہ رحمت بھی ہے، وہ یہ کہ جو شخص لونڈی غلام کا عیب جان بوجھ کر اُسے مول لیتا ہے، تو پھر اُسے پھیر نہیں سکتا۔ حق تعالیٰ نے ہمیں مول لیا اور ہمارے عیب وہ جانتا تھا۔ امید یہی ہے، کہ اپنی درگاہ سے نہ پھیرے گا۔ آگے کے ارشاد میں مول لینے کے بعد جس واسطے مول لیا، اُسے بیان فرماتا ہے اور ارشاد کرتا ہے، کہ یہ جان و مال قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والے۔۔۔

(جنگ کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ **(کی راہ میں)** خدا کی رضا و خوشنودی کے لیے، **(تو)** کبھی تو **(مارتے ہیں)** اور قتل کرتے ہیں دشمنوں کو **(اور)** کبھی **(مارے جاتے ہیں)** شہید کردیے جاتے ہیں دشمنوں کے ہاتھوں۔ **(اس)** خرید وفروخت **(پروعدہ حقہ ہوچکا، توریت وانجیل اور قرآن میں)**۔ ایسا وعدہ جو ثابت اور باقی رہنے والا ہے، اس میں خلاف ہونے والا ہی نہیں۔

اس وعدہ کا توریت وانجیل میں ہونا اس بات کی دلیل ہے، کہ اہل توریت اور اہل انجیل بھی قتال پر مامور ہوتے رہے ہیں۔۔ الختصر۔۔ جب خدائے تعالیٰ نے بہشت کا وعدہ فرمالیا ہے، تو وہ تو بہشت عطا فرمائے گا ہی۔ اس لیے کہ 'کون ہے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا'، اس لیے کہ کریم وعدہ کرکے اس کے خلاف نہیں کرتا اور وعدہ خلافی روا نہیں رکھتا۔

اے ایمان والو! تم نے بھی تو خدا سے اپنی جان و مال کی قربانی کا وعدہ کیا ہے، تو سن لو **(اور)** یاد رکھو! کہ تم میں سے **(جس نے پورا کردیا اپنا اللہ)** تعالیٰ **(سے)** کیا ہوا **(عہد)** اور حکم الٰہی پر اپنی جان و مال کی قربانی پیش کردی، **(تو)** تمہارے لیے لائق ہے کہ تم **(خوشی کرو)** اور مسرت کا اظہار کرو **(اپنی)** منفعت بخش **(بکری سے، جو تم نے اس)** کریم، صاحبِ فضل عظیم **(سے کی)** ہے، **(اور)** یاد **(رکھو بھی)** بیع اور اسی طرح کے لین دین میں **(بڑی کامیابی ہے)**، جس میں خود تمہاری جان و مال کے بیش قیمت ہونے کا اندازہ لگتا ہے۔ اَب اُسے بہشت ہی سے بیچو۔ دنیا کی پونجی جو فنا ہوجانے والی ہے، وہ اس لائق نہیں، کہ تمہاری جان و مال کا بدل ہوجائے۔ اس لیے کہ تمہاری قیمت تو نعمتِ جاودانی ہے، جو ہمیشہ باقی رہے۔

۔۔انتباہ۔۔ آیت **وَمَنْ اَوْفٰی**۔۔الآیۃ کا جو ترجمہ مترجم قدس سرہ نے کیا ہے، اس کو میں نے تفسیر میں بنیادی حیثیت دی ہے۔ رہ گیا وہ ترجمہ جو آیتِ کریمہ کا عام مترجمین نے کیا ہے، اس کا بھی ذکر میں نے اوپر کردیا ہے اور اس کو بھی اپنی تفسیر کا جزء بنادیا ہے۔۔۔ اوپر کے بیان سے مجاہدین فی سبیل اللہ کا بہشتی ہونا بالکل واضح ہوگیا۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

توبہ کرنے والے پجاری، حمد کرنے والے روزہ دار، رکوع سجدہ والے،

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

نیکی کے مبلغ، اور بدی سے روکنے والے،

وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اللہ کے حدود کی نگہبانی رکھنے والے۔ اور خوش خبری دے دو مسلمانوں کو●

۔۔یونہی۔۔وہ لوگ جو شرک و منافقت اور ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے (توبہ کرنے والے) سراپا اخلاص (پجاری) ہیں، یعنی اخلاص کے ساتھ شرائطِ خدمت پر قائم ہیں اور انھیں خوشی و مسرت پہنچے۔۔یا۔۔رنج وسختی، ہر حال میں خدا کی (حمد کرنے والے) ہیں اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پہچانتے ہیں۔۔نیز۔۔(روزہ دار) نفس کے چنگل سے نکلنے والے، طلبِ علم دین کے لیے سفر کرنے والے اور منزلِ انس کو پہنچنے والے ہیں۔۔نیز۔۔نماز میں (رکوع) اور درگاہِ بے نیاز میں خشوع کرنے والے۔۔اور۔۔رفیع الدرجات کے قرب کے طالب ہو کر خلوت میں (سجدہ) کرنے (والے) ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایمان و طاعت اور سنتِ حضرت خاتم الرسالۃ ﷺ اور ہر طرح کی (نیکی کے مبلغ اور بدی سے روکنے والے)، یعنی کفر و معصیت اور ارتکابِ بدعت سے باز رکھنے والے ہیں۔

(اور) مزید برآں (اللہ) تعالیٰ (کے حدود کی نگہبانی رکھنے والے) اور اس کے احکام کی حفاظت کرنے والے ہیں، تاکہ جن احکام خداوندی کا تعلق اعضاءِ ظاہری سے ہے اور جن کا دلوں اور روحوں سے ہے، سب کے سب اپنے اپنے مقام پر محفوظ رہیں۔۔الحاصل۔۔مذکورہ بالا یہ سارے حضرات بھی سب کے سب انہی مجاہدین کی طرح بہشتی ہیں، جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہوا، اگرچہ انہیں جہاد کا موقع نصیب نہ ہوا ہو، بشرطیکہ وہ جہاد کا جذبہ رکھتے ہوں اور جہاد کے عقیدے کے قائل ہوں۔اے محبوب! سنا دو (اور خوش خبری دے دو مسلمانوں کو) یعنی ان حضرات کو جو مذکورہ اوصاف سے موصوف ہیں۔

کس بات کی خوشخبری دے دیں؟ اس کو محذوف رکھا۔ اس سے اشارہ ہے، کہ وہ بہت ہی کثیر اور بڑی ہی عظیم چیز ہے۔ اتنی عظیم کہ انسانی فہم و عقل کے حیطۂ امکان سے باہر ہے اور نہ ہی اُسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اور بشارتوں میں سے اعلیٰ مرتبہ کی بشارت دارالسلام میں رویتِ باری تعالیٰ ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا

کہ نہیں ہے کام نبی کا، اور ایمان لانے والوں کا، کہ دعائے مغفرت کریں غیر مسلموں کیلئے، گو وہ

اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

قرابت دار ہوں، بعد اس کے کہ ان کو ظاہر ہو گیا، کہ وہ لوگ جہنم والے ہیں●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں اور منافقوں کے ترکِ تعلق اور محبت نہ رکھنے کا حکم دیا تھا، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مُردہ کافروں سے بھی اظہارِ براءت کرنے کا حکم دیا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔۔

(کہ نہیں ہے کام نبی کا) (اور) نہ ہی (ایمان لانے والوں کا، کہ دعائے مغفرت کریں غیر مسلموں کے لیے) جبکہ ان کا خاتمہ کفر پہ ہوا ہو۔۔یا۔۔اُن کے بارے میں ان کی زندگی میں بذریعہ وحی معلوم ہو گیا ہو، کہ وہ کافر ہو کے مریں گے۔ **(گو وہ قرابت دار ہوں، بعد اس کے کہ ان کو ظاہر ہو گیا، کہ وہ لوگ جہنم والے ہیں)۔**

جب مسلمانوں کو مشرک رشتہ داروں کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے روکا گیا، تو ان کو خیال ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے عرفی باپ آزر کے لیے استغفار کیا تھا، تو اس کا جواب ارشاد فرمایا گیا، کہ۔۔۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ

اور نہ تھی دعائے مغفرت ابراہیم کی اپنے بابا کے لیے، مگر ایک وعدہ کی بنا پر، جو خاص طور سے اس نے کیا تھا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

پھر جب انہیں ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہی رہا، تو ہٹ گئے اس سے۔۔بے شک ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے بردبار ہیں●

(اور نہ تھی دعائے مغفرت ابراہیم کی اپنے بابا) یعنی باپ کے بڑے بھائی، جن کو عرفاً باپ۔۔یا۔۔بابا۔۔یا۔۔بڑے ابو۔۔یا۔۔باباجان وغیرہ کہا جاتا ہے **(کے لیے، مگر ایک وعدہ کی بنا پر، جو خاص طور سے اس نے کیا تھا)۔**

آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا، کہ میں تجھ پر ایمان لاؤں گا، تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا، کہ میں تیرے واسطے دعائے مغفرت کروں گا۔۔الختصر۔۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے عرفی باپ آزر کے لیے استغفار کرنا، محض اس کے اسلام لانے کے وعدہ کی وجہ سے تھا۔

(پھر جب انہیں ظاہر ہوگیا) اور ان پر وحی الٰہی سے۔۔یا۔۔آزر کے کفر پر موت کی وجہ سے منکشف ہوگیا، (کہ وہ اللہ) تعالیٰ (کا) آخری وقت تک (دشمن ہی رہا) اور ایمان والا نہ ہوسکا، (تو ہٹ گئے اس سے) اور بیزار ہوگئے۔۔چنانچہ۔۔اس کے لیے استغفار کرنا بھی بند کردیا۔ (بے شک ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے بردبار ہیں) بڑا ہی نرم دل رکھتے ہیں، بہت ہی رحم کرنے والے ہیں اور زبردست تحمل والے ہیں۔

آپ کے تحمل کا عالم یہ تھا، کہ جب آزر نے آپ سے کہا میں تمہیں ضرور سنگسار کروں گا، تو آپ نے جواب دیا، کہ میں تیرے واسطے دعائے مغفرت کروں گا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ

اور اللہ نہیں گمراہی لاتا کسی قوم کی جبکہ ہدایت دیدی انھیں، یہاں تک کہ صاف بتادے انھیں، جس سے وہ بچتے رہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾

بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے●

اس مقام پر اس ضابطۂ رحمت کو اپنے ذہنوں میں محفوظ کرلو (اور) ہمیشہ کے لیے یاد رکھو، کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں گمراہی لاتا کسی قوم کی، جبکہ ہدایت دے دی انہیں، یہاں تک کہ صاف بتادے انہیں جس سے وہ بچتے رہیں)۔

۔۔چنانچہ۔۔تحویل قبلہ سے پہلے اور حرمت شراب کے نزول سے پہلے، جو مسلمان وفات پاگئے، کعبہ کی طرف اُن کا رخ نہ کرنا۔۔یا۔۔شراب نوشی کی عادت میں رہنا، اُن کے لیے قطعی طور پر کسی جرم کے خانے میں نہیں آتا۔۔یوں۔۔مشرکین اور کافرین کے لیے دُعائے مغفرت کی حرمت نازل ہونے سے پہلے، اگر کوئی اُن کے لیے اپنی رحیم الفطرتی اور وسیع القلبی کے سبب دُعائے مغفرت کرتا ہے، تو اُس کو معذور قرار دیا جائے گا۔ اُن سے کسی طرح کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ اُن کے پہلے اور پچھلے احوال۔۔الغرض۔۔(سب کچھ) کا (جاننے والا ہے)۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے زندہ اور مردہ کافروں سے براءت ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہوسکتا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے خوف ہو، کہ کافر انہیں کوئی نقصان پہنچائیں، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو تسلی دی، کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہے اور جب وہ تمہارا حامی و ناصر ہے، تو پھر تمہیں کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے اور تمہارے دل میں کسی طرح کا احساسِ محرومی نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے کافر رشتہ داروں سے تعلق کٹ گیا تو کیا ہوا، اللہ جو تمہارا مالک اور مددگار ہے، تم اس سے محبت اور تعلق رکھو۔ ویسے بھی مسلمانو، غور کرو! وہ تمہارا بھی مالک ہے اور تم اُس کے مملوک ہو، تو اس کے تمام احکام پر عمل کرنا اُس کی بندگی کا تقاضا ہے۔۔ الحتصر۔۔

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُم

بے شک صرف اللہ کی ہے مملکت آسمانوں اور زمین کی۔ وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔ اور

مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١١٦﴾

اللہ کو چھوڑ کر، یار و مددگار بنائے جانے والے کچھ نہیں ہیں●

(بے شک صرف اللہ) تعالیٰ (کی ہے مملکت آسمانوں اور زمین کی۔ وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔ اور اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر یار و مددگار بنائے جانے والے کچھ نہیں ہیں)۔ خدا کا مدمقابل ہو کر اور اس سے بیگانہ ہو کر، نہ کوئی تمہارا دوست ہے اور نہ ہی کوئی مددگار۔ خاص کر کے اَے کافرو! سن لو، کہ خدا کے سوا تمہارا کوئی کارساز نہیں، جو اُس کے عذاب کا حکم تم سے دفع کر دے۔ اور اُس کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں، کہ اُس کے عذاب کو تم سے روکے۔۔ الحتصر۔۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے سچا دوست اور حقیقی مددگار۔۔ چنانچہ۔۔

لَقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ

بے شک توجہ فرمائی اللہ نے نبی پر، اور مہاجرین و انصار پر، جنھوں نے ساتھ دیا

فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ

ان کا تنگی کے وقت، باوجودیکہ قریب تھا کہ ان کے بعض کے دل کج ہو جائیں،

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٧﴾

پھر توبہ قبول فرمالی ان کی۔ بے شک وہ ان پر رافت و رحمت والا ہے●

(بے شک توجہ فرمائی اللہ) تعالیٰ (نے نبی پر)۔اس نے آپ پر فضل وکرم فرمایا اور آپ کے درجات اور مراتب میں ترقی فرمائی۔۔نیز۔۔ایسے امور جو آپ جیسے مقرب بارگاہِ خداوندی کی شایانِ شان تھے اور بطورِ اجتہاد اُن کو انجام دے دیا تھا، تو اگرچہ حقیقی طور پر یہ کسی درجہ کا ایسا قصور نہ تھا، جو قابل مواخذہ ہو، مگر باایں ہمہ ایسے امور کی انجام دہی کو اپنے حق میں 'ذنب' تصور فرمایا اور رب کریم سے اُس کے تعلق سے مغفرت چاہی۔

ویسے تو آپ کی زندگی شریف کا یہ معمول ہی تھا، کہ آپ روزانہ بکثرت استغفار فرماتے ۔۔چونکہ۔۔آپ کی ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر و برتر ہوتی جاتی تھی۔۔اس لیے آپ اپنی موجودہ حالت کے پیش نظر اس سے گزشتہ حالت کو ایک نوع کی تقصیر تصور فرماتے اور پھر اس سے توبہ فرماتے۔تو یہ خداوندِ کریم کا فضل وکرم تھا اور آپ کی ذاتِ ستودہ صفات پر اُس کی خاص توجہ تھی، کہ اس نے آپ کی شانِ عبدیت کو یہ سوچ عطا فرمائی۔۔چنانچہ۔۔حسبِ عادت آپ استغفار فرماتے رہے اور رب کریم آپ کی توبہ قبول فرماتا رہا۔

چونکہ آپ کے لیے کسی کے تعلق سے فیصلہ کرتے وقت اس ضابطے کو خدا کی طرف سے مقرر کیا جا چکا تھا، کہ آپ ظاہر پر حکم فرمائیں اور باطن کو خدا کے سپرد کردیں۔۔چنانچہ۔۔خود سرکار نے متعدد موقعوں پر اِرشاد فرمایا، کہ میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اور باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔تو اب اگر آپ نے منافقوں کا عذر قبول فرمالیا اور جنگ میں شریک نہ ہونے کی اُنھیں اجازت دے دی، تو اُس کی گنجائش اس لیے تھی، کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ اُن کے ظاہر حال کا اعتبار نہ کریں، اور اُن کے پیش کردہ بہانوں کو مسترد کردیں۔۔۔

غور کرنے کا مقام ہے، کہ جس وقت منافقوں نے اِجازت چاہی تھی، فوراً وحیِ الٰہی کا نزول ہوجانا چاہیے تھا، کہ اے محبوب ان کو اجازت نہ دیں۔۔مگر۔۔ایسا نہیں ہوا اور بعد میں دریافت کیا گیا، وہ بھی کلمہ محبت کو مقدم کر کے۔۔

'اَے محبوب! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے، آپ نے اُن کو کیوں اِجازت دے دی'۔ ۔۔اس کلام سے خود نبی کریم ﷺ کی سرزنش مقصود نہیں ہے، اور نہ ہی یہ ظاہر کرنا ہے، کہ نبی کریم ﷺ سے کوئی بڑی غلطی ہوگئی، بلکہ منافقین کی کمینگی اور اُن کی بے غیرتی کو بالکل ظاہر کردینا ہے۔اس کلام کا حاصل یہ ہے، کہ اَے محبوب! اپنے اِجتہاد کی روشنی میں تو نے جن

منافقین کو اجازت دی ہے، وہ اس لائق نہیں تھے، کہ انہیں اجازت دی جاتی۔ اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے وحی الٰہی نے بھی تجھے اجازت دینے سے روکا نہیں، تاکہ اُن کی نااہلی اور اُن کا وہ نفاق جس نے انھیں اجازت طلبی کے لیے آمادہ کیا ہے، وہ کھل کر ہر ایک کے سامنے آجائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی توجہ خاص تو نبی کریم ﷺ کی طرف تھی ہی، مگر اس نے اپنا فضل و کرم۔۔۔

(اور) اپنی خاص توجہ (مہاجرین وانصار پر) بھی فرمائی اور اُن کی بھی توبہ قبول فرمالی، جو جنگ تبوک میں جانے سے طبعی کراہت رکھتے تھے، لیکن عناد کی وجہ سے نہیں۔۔ بلکہ۔۔ موسم کی سختی اور اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے۔ اور (جنہوں نے ساتھ دیا اُن کا تنگی کے وقت، باوجودیکہ قریب تھا کہ اُن کے بعض کے دل کج ہو جائیں) یعنی تنگی، شدت اور مشقت کی جہت سے کچھ لوگ جہاد سے پھر آئیں اور رسولِ مقبول کی متابعت سے باز رہیں۔ (پھر) خدا نے (توبہ قبول فرمالی اُن کی) اور درگزر کی ان لوگوں سے جن کے دِل ایمان پر ثابت رہنے سے پھرے جاتے تھے۔ خدائی فضل و کرم کا اثر تھا، کہ اُن کے دِل ایمان پر ٹھہر گئے اور وہ بھٹکنے سے باز رہے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ سب اپنے اس خیال سے تائب ہو گئے اور خدا نے اُن کی طرف خاص توجہ فرمائی اور اُن کی توبہ قبول فرمالی۔ (بے شک وہ اُن پر رافت) اور بڑی شفقت فرمانے والا ہے جب اُنہوں نے توبہ کی، (ورحمت والا ہے) ان پر اپنا فضل فرما کر۔۔۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا

اور ان تین نفر کی بھی توبہ قبول کی جو پچھڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود،

رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ

اور تنگ ہوگئی ان پر اپنی جان، اور خیال جم گیا کہ کوئی پناہ اللہ سے نہیں، سوا اسی کے۔

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۱۸ۧ

تو پھر کرم فرمایا ان پر، کہ توبہ کر ڈالیں۔ بے شک اللہ توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اور) ان سب کے ساتھ ساتھ (ان تین نفر کی بھی توبہ قبول کی جو پچھڑ گئے تھے)۔

یعنی کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے لڑائی سے تخلف کیا تھا اور اُن کا کام حکم الٰہی پر موقوف تھا اور آنحضرت ﷺ نے حکم کر دیا تھا، کہ

کوئی مسلمان نہ ان سے ملے جلے، نہ بات کرے اور چالیس[40] دن کے بعد آپ نے فرمایا، کہ وہ اپنی عورتوں سے بھی دور ہوئے۔

(یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود) اور وہ نہایت حیرانی اور کمال پریشانی کا شکار ہوگئے **(اور تنگ ہوگئی ان پر)** خود **(اپنی جان)** یعنی دل اُن کے غم اور وحشت کی شدت سے، اس طرح کہ فرحت اور اُنس کو اُن کے دلوں میں راہ ہی نہ تھی **(اور خیال جم گیا، کہ کوئی پناہ اللہ)** تعالیٰ کے غضب **(سے نہیں، سوا اسی کے)**۔ تو اُسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اُسی سے مغفرت طلب کرنی چاہیے۔ **(تو پھر)** اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے **(کرم فرمایا ان پر، کہ توبہ کرڈالیں)** اور اُنہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔۔ چنانچہ۔۔ اُنہوں نے توبہ کرلی۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ یہ بات مُسلّم ومقرر ہے، کہ جب تک اللہ جل شانہ توبہ کی توفیق نہیں دیتا ہے اور قبولیت کی علامت نہیں کھینچتا ہے، کسی توبہ کرنے والے کی توبہ درست نہیں ہوتی۔ غرضیکہ پچاس[50] دن کے بعد ان تینوں آدمیوں کی توبہ قبول ہوگئی، اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ **(توبہ قبول فرمانے والا)** ہے توبہ کرنے والوں سے اور **(بخشنے والا ہے)**۔۔ نیز۔۔ فضل فرمانے والا ہے ان پر رحمت کے ساتھ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے وہ جو ایمان لاچکے! ڈرو اللہ کو اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ●

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا، کہ اس نے تین[3] مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی اور اُن کی توبہ اُن کے سچ بولنے کی وجہ سے قبول فرمائی تھی، اِس لیے اس آیت میں سچوں کے ساتھ رہنے کا ذکر فرمایا۔ نیز۔۔ اُن کا قصور یہ تھا، کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا اور آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے، اِس لیے اس آیت میں پہلے یہ حکم دیا گیا، کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اُس کے رسول کی نافرمانی نہ کرو۔۔۔

تو **(اے وہ جو ایمان لاچکے! ڈرو اللہ)** تعالیٰ **(کو)** اور ایسا فعل کرنے سے بچو، جس میں حکم الٰہی کی مخالفت ہو **(اور ہو جاؤ)** اپنے عقیدہ وعمل میں **(سچوں کے ساتھ)** اور سبق حاصل کرو کعب بن مالک اور

ان کے دو ساتھیوں سے جنہوں نے سچ کہہ دیا اور جھوٹا عذر نہیں کیا، اور سچائی کی وجہ سے دولتِ نجات پائی۔

اِس آیت کی یہ بھی تفسیر کی گئی، کہ۔۔۔

'اے وہ لوگو! جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے ہو، ڈرو محمد ﷺ' کی مخالفت سے اور رہو سچوں کے ساتھ، کہ اُن کے اصحاب اخیار ہیں رضی اللہ عنہم اور اُن کی اُمت بزرگوار ہے'۔۔۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا

مدینہ والے اور آس پاس کے دیہات والے کو درست نہیں، کہ پیچھے بیٹھے رہ جائیں

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

رسول اللہ سے، اور نہ یہ کہ اپنی جان کو زیادہ چاہیں، ان کی جان سے۔ کیونکہ

لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ

نہ پہنچے گی انہیں پیاس، نہ تھکاوٹ، نہ بھوک، اللہ کی راہ میں، اور نہیں قدم رکھتے

مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ

کسی جگہ جو کفار کو غیظ میں لے آئے، اور نہیں پہنچاتے کسی دشمن کو کچھ، مگر لکھ لی جاتی ہے ان کی اس کی وجہ سے

عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾

نیکی بے شک اللہ نہیں ضائع کرتا اخلاص والوں کے اجر کو●

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ سچوں کے ساتھ رہو۔ اُس کا تقاضا یہ تھا کہ تمام غزوات اور مشاہد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنا واجب ہے۔ اُسی حکم کی تاکید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑنے سے منع فرما دیا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

(مدینے والے اور) اُس کے (آس پاس کے) رہنے والے کسی بھی (دیہات والے کو درست نہیں، کہ پیچھے بیٹھے رہ جائیں رسول اللہ سے، اور نہ یہ) ہی درست ہے (کہ اپنی جان کو زیادہ چاہیں اُن کی جان سے)، یعنی صرف اپنی جان کو بچانے کی فکر کریں اور خودداری سے کام لیں اور جو رنج رسولِ کریم ﷺ برداشت کر رہے ہیں، ان سے اپنے کو بچائے رکھیں۔ (کیونکہ) جب یہ لوگ رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ رہتے، تو اس رہنے کے سبب سے (نہ پہنچے گی اُنہیں پیاس) اور (نہ تھکاوٹ)

اور (نہ بھوک اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں اور قدم نہیں رکھتے کسی جگہ جو کفار کو غیظ میں لے آئے) یعنی اپنے گھوڑوں کے سموں یا اونٹوں کے تلووں یا اپنے پیروں سے کافروں کی زمین کو روندتے ہیں، جس سے کفار غضبناک ہو جاتے ہیں۔

(اور نہیں پہنچاتے کسی دشمن کو کچھ) قید، قتل، لٹنا، ہکی، ہزیمت اور زخم وغیرہ۔۔ الختصر۔۔ جہاد کی راہ کی ساری صعوبتیں جو انہوں نے اٹھائیں۔۔ یوں۔۔ سارے افعال جو انھوں نے انجام دیے، ان میں کسی کو بھی رب تعالیٰ ضائع نہیں فرماتا۔۔ الغرض۔۔ ایسا نہیں ہوتا، کہ کوئی اچھا کام کرے (مگر) یہ کہ (لکھ لی جاتی ہے اُن کی، اس کی وجہ سے نیکی)۔ مجاہدوں کے دل میں دشمن سے جو خوف اور اندیشہ آتا ہے، ہر خوف اور ہر اندیشہ پر ستر نیکیاں اُن کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔ (بے شک اللہ تعالیٰ (نہیں ضائع کرتا اخلاص والوں کے اجر کو) یعنی نیک کام کرنے والے مجاہدوں کا اجر انشاء المولیٰ تعالیٰ انھیں مل کر رہے گا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا

اور نہیں خرچ کرتے کم وبیش، اور نہیں طے کرتے کوئی وادی،

اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

مگر لکھ لی جاتی ہے ان کی نیکی، تا کہ انعام دے اللہ اس سے بہتر، جو وہ کرتے تھے●

(اور) یونہی (نہیں خرچ کرتے کم) یعنی تھوڑا اور چھوٹا سا، جیسے کوڑے کا تسمہ یا گھوڑے کی نعل یا صاع بھر خرمے جیسے ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے دِیے تھے (وبیش) یعنی اور بہت اور بڑا خرچ، جیسے کہ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دیا تھا۔ (اور) اِسی طرح (نہیں طے کرتے کوئی وادی)، یعنی کوئی قطعۂ زمین (مگر لکھ لی جاتی ہے اُن کی نیکی)۔۔ الغرض۔۔ وہ کم وبیش جو بھی خیرات کرتے ہیں اور چھوٹا۔۔ یا۔۔ بڑا جیسا بھی نیکی کا کام کرتے ہیں اور نیک کام کے لیے جتنا بھی قدم چلتے ہیں، ان سب کا ثواب لوحِ محفوظ میں محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اور یہ لکھنا اس واسطے ہے (تا کہ انعام دے اللہ) تعالیٰ (اس سے بہتر جو وہ) راہِ حق میں (کرتے تھے)۔

ظاہر ہے کہ بندے کا عمل ایک بندے کا عمل ہے جو ہر حال میں محدود ہے۔ اور حق تعالیٰ کا

فضل ایک قادرِ مطلق، مختارِ کل کا فضل ہے، جو لامحدود ہے۔ تو ربِ کریم کی طرف سے بندے کو اس کے نیک عمل پر جو جزا ملے گی، وہ بہرحال اس عمل سے اعلیٰ وارفع ہوگی۔ فضلِ خداوندی کا عالم یہ ہے، کہ اگر۔۔۔مثلاً: غازی کی ہزار طاعتیں ہوں، کہ ان میں ایک طاعت سب طاعتوں سے بہتر ہو، تو حق تعالیٰ اُس طاعت پر بڑا ثواب دے گا اور نوسوننانوے ۹۹۹ طاعتیں جو باقی ہیں، انہیں اس ایک بہتر طاعت کے طفیل میں قبول فرمائے گا اور ہر ایک غازی کو اُس کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے، تا کہ اُس کی بزرگی مجاہدوں کی نسبت ہر ایک پر ظاہر ہو جائے۔

سابقہ بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی حمد وثناء۔۔۔نیز۔۔۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حدود اللہ کی حفاظت کی اہمیت وفضیلت کو صراحتاً بیان فرمایا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان اُمور کو کماحقہٗ انجام دینا بغیر علمِ صحیح کے ممکن نہیں۔۔۔نیز۔۔۔بعض آیات میں جہاد فی سبیل اللہ کی ضرورت وعظمت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان حقائق کو جاننے کے بعد حصولِ علم اور شرکتِ جہاد کا جذبہ ہر ایک کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے، اور شہر کا شہر اس بات پر آمادہ ہو سکتا ہے، کہ اگر جہاد کا موقع ہو، تو سب کے سب جہاد کے لیے نکل پڑیں۔۔۔یا۔۔۔بصورتِ دیگر سب کے سب حصولِ علم کے لیے شہر سے باہر ہو جائیں، تو ان صالح جذبات رکھنے والوں کی ہدایت کے لیے ارشاد فرمایا جا رہا ہے، کہ ایمان والو! سنو۔۔۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ

اور انہونی بات ہے، کہ سب مسلمان نکل پڑیں۔ تو کیوں نہیں نکلتے ان کے ہر قبیلہ سے

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾

کچھ لوگ، جو دینی فقہ حاصل کریں، اور تا کہ اپنی قوم میں خوفِ خدا پیدا کریں جب لوٹیں ان کی طرف، کہ وہ لوگ ڈرنے لگیں●

(اور) یاد رکھو، کہ یہ تو (انہونی بات ہے) جس کا ہونا عادۃً محال ہے (کہ سب مسلمان نکل پڑیں) ان علوم کے حصول کے لیے جن کا حصول فرضِ کفایہ ہے، (تو کیوں نہیں نکلتے اُن کے ہر قبیلے سے کچھ لوگ، جو دینی فقہ حاصل کریں، اور) یہ اِس لیے (تا کہ اپنی قوم میں خوفِ خدا پیدا کریں، جب لوٹیں ان کی طرف)۔۔۔الغرض۔۔۔احکام ومسائل سیکھ کر آئیں اور اپنی قوم کو سکھائیں، تا (کہ وہ لوگ ڈرنے لگیں) اور جن امور سے وہ ڈرائے گئے ہیں، اپنی لاعلمی کی بنیاد پر اس کا ارتکاب نہ کرنے لگیں۔

۔۔یونہی۔۔مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے، کہ وہ سب کے سب جہاد کے لیے روانہ ہو جائیں،

بلکہ ان پر واجب ہے کہ اُن کی دو جماعتیں ہو جائیں: ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے اور جو احکام نازل ہوں اور رسول ﷺ جو ارشادات فرمائیں اُن کو محفوظ اور منضبط کرتے رہیں، اور جب پہلی جماعت جہاد سے واپس آئے، تو اُس کو احکام سکھائیں اور دوسری جماعت جہاد کے لیے روانہ ہو جائے۔

احکام شرعیہ تدریجاً نازل ہو رہے تھے اِس لیے ان احکام کو حاصل کرنے کے لیے مدینہ میں آپ کے پاس رہنا بھی ضروری تھا، اور اسلام کی نشر واشاعت اور تبلیغ دین کے لیے جہاد کرنا بھی ضروری تھا۔ اب جہاد کے لیے کیا حکیمانہ طرزِ عمل اپنایا جائے، اس کی ہدایت فرمائی جارہی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا

اے وہ جو ایمان لائے! جہاد کرو ان سے جو تم سے قریب کفار ہیں، اور وہ تم میں

فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۳

سختی محسوس کریں اور جان رکھو کہ اللہ خوف خدا رکھنے والوں کے ساتھ ہے●

(اے وہ جو ایمان لائے! جہاد کرو ان سے جو تم سے قریب کفار ہیں) یعنی جہاد کی ابتداء ان کافروں سے کرو جو تمہارے درجہ بدرجہ قریب ہیں، نہ کہ ان سے جو تم سے درجہ بدرجہ بعید ہیں۔

اس آیت کے زمانہء نزول میں قریب سے مراد روم کے کافر ہیں، کیونکہ وہ شام میں رہتے تھے اور شام عراق کے بہ نسبت قریب تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے کئی شہر فتح کر دیے، تو ہر علاقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے قریبی کافر ملکوں سے جہاد کی ابتداء کریں، اِس لیے کہ بہ یک وقت تمام دنیا کے کافروں سے جہاد کرنا، تو عادۃً ممکن نہیں اور جب قریب اور بعید دونوں کافر ہوں، تو پھر قریب کو ترجیح دی جائے۔ اِس لیے کہ اِس میں جہاد کے لیے سواریوں، سفر خرچ اور آلات اور اسلحوں کی نسبتاً کم ضرورت پڑے گی۔

قریب کو چھوڑ کر بعید کی طرف جانے میں عورتوں اور بچوں کے لیے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔۔ نیز۔۔ بعید کے بہ نسبت اِنسان قریب کے حالات سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ [illegible] کریم ﷺ کو بھی پہلے قریبی گھر والوں کو تبلیغ فرمانے کا حکم [illegible] قوم سے جہاد فرمایا، پھر آپ شام کے غزوہ کی طرف [illegible] صحابہ جب شام سے فارغ

ہوئے، تو عراق میں داخل ہوئے۔۔الختصر۔۔بعید ملک کے بہ نسبت قریب ملک سے جہاد کرنا زیادہ آسان ہے، اسی لیے اس سے جہاد کی ابتداء لازمی قرار دی گئی ہے۔

۔۔الختصر۔۔قریب والے کافروں سے جنگ کی ابتداء کرو (اور) اس شان سے کہ (وہ تم میں سختی محسوس کریں)۔قتال سے پہلے سخت لب ولہجے میں ان سے گفتگو کرو اور قتال کے دوران صبر وشدت کا مظاہرہ کرو، اور محاربہ کے وقت پوری شجاعت سے کام لو، (اور جان رکھو کہ اللہ) تعالیٰ (خوف خدا رکھنے والوں کے ساتھ ہے)، یعنی پرہیزگاروں کی حفاظت، اِعانت اور نُصرت فرمانے والا ہے۔

مذکورہ بالا اِرشاد میں قریب کے دُشمن سے جنگ کرنے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے، اور ہمارا سب سے قریبی اور سارے دُشمنوں سے بڑھ کر دُشمن خود ہمارا نفس ہے، جو ہمارے پہلو میں ہے۔۔لہٰذا۔۔اِس سے جہاد، ہمارے لیے جہادِ اکبر ہے۔اور سارے دُشمنوں سے لڑنے سے پہلے، اس سے لڑنا اولیٰ اور انسب ہے۔سابقہ آیات میں منافقین کے قبیح افعال بیان فرمائے گئے تھے، اسی سلسلے میں یہ آیت بھی ہے۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا

اور جب اتاری گئی کوئی سورت، تو ان میں سے کوئی بولتا ہے "کہ تم میں سے کون ہے جس کا ایمان اس نے بڑھا دیا؟"

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

تو جو ایمان والے ہیں، ان کا ایمان تو بڑھا ہی دیا اور وہ خوش ہیں●

(اور جب اُتاری گئی کوئی سورت تو ان میں سے کوئی بولتا ہے کہ تم میں سے کون ہے جس کا ایمان اس نے بڑھا دیا) یعنی قرآنی سورت کے نزول کے بعد منافقین از راہِ استہزاء دوسرے منافقین ۔۔یا۔۔کمزور مسلمانوں سے کہتے ہیں، کہ وہ شخص کون ہے جس کا ایمان اس سورت نے زیادہ کر دیا، (تو) اُن کو سنا دو، کہ (جو) درستی کے ساتھ (ایمان) لانے (والے ہیں، اُن کا ایمان تو بڑھا ہی دیا اور وہ خوش ہیں)، اِس لیے کہ جب اُن کا علم اس سورہ میں غور وفکر کرنے کی جہت سے زیادہ ہوا، تو اس سورت کا ایمان جو انہیں اب حاصل ہوا ہے، یہ اُس ایمان کے ساتھ ملا جو انہیں اور سورتوں کے ساتھ پہلے سے تھا، تو اس طرح اُن کے یقین اور دین پر ثابت قدمی کو اور بھی کمال حاصل ہو گیا۔ظاہر ہے اس سے اُن کی خوشی اور مسرت میں اضافہ ہی ہوا۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ

اور جن کے دل میں بیماری ہے، تو بڑھ گئی ان کی ناپاکی پر ناپاکی۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور وہ مرے کافر●

(اور) رہ گئے وہ منافقین (جن کے دل میں بیماری ہے) شک، نفاق، اور بغض اِسلام کی، (تو بڑھ گئی اُن کی ناپاکی پر ناپاکی اور) یہاں تک کہ (وہ مرے کافر) ہوکر۔ یعنی وہ دوسری سورتوں میں جو شک رکھتے تھے، اس سورت میں جو انھیں شک پیدا ہوا، تو یہ اُس شک سے ملا اور اُن کا شک زیادہ ہوگیا ۔۔یا۔۔ بڑھ کر اُن کا کفر بالائے کفر اور یہ صفت ان میں مضبوط ہوتی گئی، یہاں تک کہ وہ حالتِ کفر میں مر گئے۔ کفر پر مرنے کی وجہ سے ان پر آخرت میں جو عذاب ہوگا، وہ تو ہوگا ہی، لیکن یہ بے وقوف لوگ۔۔۔

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ

کیا نہیں دیکھتے کہ وہ فتنہ میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال، ایک بار یا دو بار،

ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

پھر بھی توبہ نہیں کرتے۔ اور نہ وہ نصیحت حاصل کریں●

(کیا نہیں دیکھتے کہ وہ) دُنیا میں بھی (فتنہ میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار۔۔یا۔۔ دو بار) انواع واقسام کی بلائیں ان پر نازل ہوتی ہیں، مرض وقحط میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ اُن کے نفاق اور جھوٹ کو مسلمانوں پر ظاہر کر دیا جاتا ہے، جس سے اُنہیں رُسوائی حاصل ہوتی ہے، (پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ) ایسے ہیں، کہ (نصیحت حاصل کریں)۔۔ الغرض۔۔ اپنے نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں ان منافقین کا عجیب انداز۔۔۔

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ ؕ هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

اور جب اتاری گئی کوئی سورت، تو ان کے ایک نے دوسرے کو دیکھا، "کہ کیا کوئی دیکھ رہا ہے"،

ثُمَّ انۡصَرَفُوۡا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

پھر پلٹ گئے۔ اللہ ان کے دل کو الٹا پلٹار کھے، کیونکہ یہ قوم فقہ نہیں رکھتی●

(اور) اُن کی عجیب روش ہے، کہ (جب اتاری گئی کوئی سورت) جس میں اُن کے عیبوں کا ذکر ہوتا ہے، (تو اُن کے ایک نے دوسرے کو دیکھا) استہزاءً۔۔یا۔۔اپنا عیب سن کر غصہ کی وجہ سے۔۔یا۔۔اس مجلس سے چل دینے کے واسطے باہم آنکھ مارتے ہیں (کہ کیا کوئی دیکھ رہا ہے)، یعنی یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ جب ایسا لگا کہ ان پر لوگوں کی نظر ہے، تو ٹھہر جاتے اور جب دیکھا کہ کسی کی نظر ہمارے اُٹھنے کی طرف نہیں ہے (پھر پلٹ گئے) اور پھر گئے رسولِ مقبول کی مجلس سے۔ (اللہ) تعالیٰ محفل رسول سے پھر جانے اور واپس ہو جانے والے۔۔الغرض۔۔(ان) سب (کے دل کو اُلٹا پلٹار کھے)۔ قرآن سمجھنے، ایمان قبول کرنے، اور نیکیوں کی طرف سے اُن کا دِل کیوں نہ پھرے۔ (کیونکہ یہ قوم) ایسی ہے جو ذرہ برابر بھی سمجھ اور (فقہ) سے کوئی سروکار (نہیں رکھتی)، یعنی اس میں سمجھداری اور تفقہ کا فقدان ایسا ہے کہ سمجھتی ہی نہیں، کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟۔۔۔

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ

البتہ بیشک آ گیا تم میں رسول تم میں سے، دشوار ہے ان پر جو رنج میں ڈالے تم کو، حریص

عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾

تمہاری بلندی کے، مسلمانوں پر بے انتہا کرم فرمانیوالے مہربان●

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو سخت اور مشکل احکام کی تبلیغ کریں جن کا برداشت کرنا دُشوار تھا، ماسوا اُن مسلمانوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی توفیق اور کرامت سے نوازا تھا۔ اور اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایسی آیت نازل فرمائی، جس سے ان مشکل احکام کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اِس آیت کا مفہوم یہ ہے، کہ۔۔۔

یہ رسول تمہاری جنس سے ہیں اور اِس رسول کو دُنیا میں جو عزت اور شرف حاصل ہوگا، وہ تمہارے لیے بھی باعثِ فضیلت ہے۔۔نیز۔۔اِس رسول کی یہ صفت ہے کہ جو چیز تمہارے لیے باعثِ

ضرر ہو، وہ ان پر سخت دُشوار ہوتی ہے۔ اُن کی یہ خواہش ہے کہ دُنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں تمہیں مل جائیں اور وہ تمہارے لیے ایک مشفق طبیب اور رحم دل باپ کے مرتبے میں ہیں، کیونکہ حاذق طبیب اور شفیق باپ کبھی مریض اور اولاد کی بہتری کے لیے اُن پر سختی کرتا ہے۔ سو اسی طرح یہ مشکل اور سخت احکام بھی تمہاری دنیا اور آخرت کی سعادتوں کے لیے ہیں۔ تو اچھی طرح یقین کرلو اور فیروز بختی پر ناز کرو، کہ۔۔۔ **(البتہ بے شک آگیا تم میں)** سراپا شفقت عظیم **(رسول تم میں سے)** یعنی تمہاری جنس میں سے بشری لباس میں، تاکہ تم اس سے مانوس ہوسکو اور اُس کے قریب ہوکر اُس سے فائدہ حاصل کرسکو۔۔ یا یہ۔۔ کہ اَے عرب کے لوگو! آیا تمہارے پاس رسول تم میں سے تمہاری زبان میں بولنے والا، تاکہ تم اُس کی بولی سمجھ سکو اور اس سے کماحقہ مستفیض ہوسکو، تمہارے قبیلے میں سے تاکہ اُس کی اتباع کرنے میں تمہیں کوئی عار نہ ہو۔

۔۔چنانچہ۔۔عرب کا کوئی قبیلہ اَیسا نہ تھا جس سے اس عظیم رسول کا رشتہ قرابت نہ ملا ہو، اگرچہ بنیادی طور پر وہ قبائل عرب میں سے سب سے افضل قبیلہ قریش میں سے تھا۔ ایک قرأت شاذہ میں اَنْفَسِكُمْ کے فاء کو زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جس کا معنی یہ ہوگا، یہ رسول تم میں سے سب سے افضل اور حسب نسب میں سب سے اشرف ہے، اور طہارتِ ذات اور پاکی گوہر میں سب سے زیادہ نفاست والا ہے۔

تم پر ان کی شفقتِ بے پایاں کا عالم یہ ہے، کہ **(دشوار ہے)** اور سخت ہے **(ان پر)** وہ چیز **(جو رنج میں ڈالے تم کو)**۔

آیتِ کریمہ کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ۔۔۔

آگیا تم میں سے ایک رسول جو عظیم بھی ہے اور عزیز بھی۔ یعنی عزت وغلبہ والا بھی ہے، جن کی شانِ دستگیری یہ ہے کہ تم جو کچھ گناہ کرتے ہو اُس کی عذر خواہی ان پر ہے، قیامت کے دن شفاعت سے اس کا تدارک فرمائیں گے۔ جو **(حریص ہیں تمہاری بلندی)** اور دُنیا وآخرت میں برتری (کے)، بلفظ دیگر، تمہارے اِسلام کے۔ اور **(مسلمانوں پر بے انتہا کرم فرمانے والے مہربان)** ہیں۔

انبیاءِ کرام پر آپ کی فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رب کریم نے اپنے کو رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ارشاد فرمایا اور اسی کلمہ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ سے اپنے حبیب کا بھی تعارف کرایا۔ اگرچہ خدا کی رافت

ورحمت کی حقیقت اور ہے اور نبی کی رافت ورحمت کا مفہوم اور ہے، دونوں میں حقیقی و جوہری فرق ہے۔۔باایں ہمہ۔۔قرآنِ کریم میں رَءُوفٌ رَّحِيمٌ کا لفظ خدا اور رسول دونوں ہی کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے۔اس استعمال سے یہ ہدایت ملتی ہے، کہ صرف اشتراکِ لفظی کو شرک کی بنیاد قرار دے دینا، غایت جہل کی دلیل ہے۔اور خود خدا کو مشرک قرار دینے کی جسارت ہے۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو ان کو سنا دو، کہ کافی ہے مجھ کو اللہ۔۔نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا،

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے●

ع ١٦ / ٥

اے محبوب! آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، آپ صاف صاف اپنا پیغام پہنچا دیں اور حقائق کو کھول کھول کر سامنے رکھ دیں، (**پھر اگر وہ**) منافقین (**مُنہ پھیریں**)، یعنی یاری و ہواداری سے پھر جائیں اور فرمانبرداری سے تخلف کریں، (**تو اُن کو سنا دو، کہ کافی ہے مجھ کو اللہ**) تعالیٰ۔(**نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے۔اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور وہ عرشِ عظیم کا پروردگار ہے**) تو اَے منافقو! سن لو کہ مجھے تمہارا کوئی خوف نہیں، مجھے تمہارے شر سے خدا بچانے والا ہے اور تم پر غالب فرمانے والا ہے۔ میں نے اسی پر توکل کیا، اور اپنا کام اسی پر چھوڑ دیا ہے، جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

اب خواہ اس عرشِ عظیم سے ملکِ عظیم مراد ہو۔۔یا۔۔عرشِ مقصود جو دُعاؤں کا قبلہ اور فرشتوں کے طواف کرنے کی جگہ ہے۔جس کی عظمت کا یہ حال ہے، کہ انسانی فہم و ادراک اس کو سمجھنے سے قاصر ہے، خدا ہی جس کو بتائے وہی جان سکے۔تو جب حق تعالیٰ ایسا قادرِ مطلق ہے، کہ ایسے عظیم عرش کی حفاظت فرما رہا ہے اور اس کی عظمت و بڑائی کے باوجود اس پر اپنی قدرتِ کاملہ سے نگاہ رکھتا ہے، تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مجھے منافقوں کے شر سے بچاتا رہے اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اِس لیے، کہ بندوں کا حافظ و ناصر وہی ہے۔

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ --مطابق-- ۱۸؍اپریل ۲۰۱۰ء

شب یکشنبہ بوقت ۱؍بجکر ۴۵؍منٹ، سورۂ توبہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل

کرنے کی بھی سعادت عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ --مطابق-- ۲۰؍اپریل ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ سورۂ یونس کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور اس کے بعد کی تمام سورتوں کی تفسیر

کی تکمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

سورۂ یونس جس میں ایک سو نو آیات اور گیارہ رکوع ہیں، جس کا نزول مکہ شریف میں ہوا، جو گرانقدر مسائل اور عظیم الشان مقاصد پر مشتمل ہے۔ ان مسائل و مقاصد کا بیان اپنے اپنے موقع پر آتا رہے گا۔۔ نیز۔۔ اس سورۂ مبارکہ میں قوم حضرت یونس کا ذِکر ہے جو باقی انبیاءِ کرام کی اقوام سے اس صفت میں منفرد تھی، کہ یونس علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور انہوں نے عذاب الٰہی کے آثار دیکھ لیے، تو وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کا ایمان لانا نفع آور ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا اور ان سے عذاب اٹھالیا۔

اس سورۂ مبارکہ سے پہلے سورۂ توبہ ہے، جس کا اختتام رسالت کے ذکر پر ہوا تھا اور اس سورۂ مبارکہ کی ابتداء رسالت کے ذکر سے ہوئی ہے۔۔ المختصر۔۔ اس کی پہلی آیت ماقبل سورہ کی آخری آیت سے کافی مناسبت رکھتی ہے۔ مضامین کے لحاظ سے بھی سورۂ یونس اور سورۂ توبہ کے درمیان واضح مناسبت ہے۔۔ مثلاً: سورۂ توبہ میں مصیبت نازل ہونے کے باوجود اس سے عبرت اور نصیحت حاصل نہ کرنے اور توبہ نہ کرنے پر منافقین کی مذمت کی تھی اور اس سورہ میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے اور انہیں قابل مذمت قرار دیا ہے، جو کسی مصیبت کے موقع پر اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے، تو پھر وہ اسی طرح ہو جاتے ہیں، جیسے انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کو پکارا ہی نہیں تھا۔

اسی طرح سورۂ توبہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے مشرکین سے بیزاری کے اعلان سے کی اور اس میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا، کہ وہ مشرکین کو جہاں پائیں قتل کردیں اور اس سورہ میں بھی رسول اللہ ﷺ سے فرمایا، کہ وہ مشرکین سے بیزاری کا اظہار کریں۔ اس سورۂ مبارکہ کا آغاز الٓرٰ سے کیا ہے، اس کے سوا سورۂ ھود، سورۂ یوسف اور سورۂ ابراہیم کی بھی ابتداء الٓرٰ سے کی گئی ہے۔ اس لیے ان چاروں سورتوں میں باہم امتیاز کے لیے، کسی کا نام سورۂ ہود، کسی کا سورۂ یوسف، کسی کا سورۂ ابراہیم اور خود اس کا نام اس مناسبت کی وجہ سے، سورۂ یونس رکھا گیا، کہ اس میں حضرت یونس اور ان کی قوم کا ایک خصوصی ذکر ہے۔۔ المختصر۔۔ ایسی عظیم الشان سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ یونس مکیۃ — نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا — آیات ۱۰۹ رکوع ۱۱

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ①

ال راء۔۔ یہ حکمت سے بھری کتاب کی آیتیں ہیں●

جس نے اس سورۂ مبارکہ کا ایسے پراسرار حروف مقطعات (ا،ل،راء) سے آغاز فرمایا، جس کی مراد اُس کے سوا صرف وہی جان سکے جس پر وہ خود ظاہر فرمادے، بالخصوص اُس کے حبیب ﷺ جن پر یہ قرآن پاک نازل فرمایا اور جن پر ازل میں اپنی خاص نعمتیں نازل فرماتا رہا اور جنہیں وجود ظاہر میں اپنے لطف سے نوازتا رہا۔۔نیز۔۔ جو ابد میں بھی اس کی شفقتوں اور مہربانیوں کا مرکز رہیں گے ایسے عظیم رسول پر خدائے رحمٰن نے جو آیات نازل فرمائی ہیں، (یہ حکمت سے بھری کتاب) قرآن کریم (کی آیتیں ہیں) جو سراسر حکمت پر مشتمل ہیں اور ایسی محکم ہیں، کہ اس میں تناقض واختلاف نہیں۔کوئی شخص اُسے بدلنے پر قادر نہ ہوگا۔ یہ کتاب اپنے سے پہلی ساری آسمانی کتابوں کو تو منسوخ کردے گی، لیکن کوئی اسے منسوخ نہ کرسکے گا۔

یہ تو سردارانِ قریش کی جہالت ہے کہ صاحبِ کتاب محمدِ عربی ﷺ کی عظمتوں کی معرفت نہ حاصل کرسکے اور آپ کی رسالت کا انکار کردیا اور بول پڑے، کہ تعجب ہے کہ حق اہل عالم پر ایک آدمی کو رسول بنا کر بھیجے، اور اس کے لیے بھی آدمیوں میں سے ابوطالب کے بھتیجے اور عبداللہ کے یتیم کو اختیار کرے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ

کیا لوگوں کو اچنبھا ہے؟ کہ وحی بھیجی ہم نے ایک ان کے مرد کو، کہ ڈرادو لوگوں کو، اور

بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ

خوش خبری دو جو ایمان لائے، کہ ان کا سچا پایہ ہے ان کے پروردگار کے یہاں۔۔۔۔کافر بولے،

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ②

کہ یہ تو کھلے جادوگر ہیں●

(کیا لوگوں کو اچنبھا ہے کہ وحی بھیجی ہم نے ایک اُن کے) ہم جنس وہم قبیلہ (مرد کو) یہ

ہدایت فرما کر، (کہ ڈرادو لوگوں کو) خدا کی عقوبتوں سے (اور خوشخبری دو) اُن کو (جو ایمان لائے، کہ اُن کا سچا پایہ ہے ان کے پروردگار کے یہاں)، یعنی ان کی نجات کے ضامن ان کا ایمان اور ان کی پر خلوص اطاعت دونوں ہی پہلے ہی سے بارگاہِ خداوندی میں باریاب ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قَدَمَ صِدْقٍ سے مراد حق تعالیٰ کا مومنوں کو نجات دینے کا وعدہ ازلی ہے۔ یہ بھی قول ہے کہ قَدَمَ صِدْقٍ سے مراد مقامِ صدق ہے، اس میں نہ زوال ہے نہ ملال۔۔یا۔۔ ایمانِ صادق مراد ہے۔۔یا۔۔اللہ کی رضامندی۔۔یا۔۔مومنوں کے حق میں فرشتوں کی دُعائیں۔۔یا۔۔نیک کام جو پہلے سے بھیجیں۔۔یا۔۔اگلے بزرگ، کہ ان کی برکت اُن کے بعد والوں کو پہنچتی ہے۔۔یا۔۔اولادِ صالح جو ان سے پہلے وفات پا جائے ۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کا اس امت کو طاعت کے ساتھ مقدم کرنا نحن الآخرون السابقون کا مضمون جس کی خبر دیتا ہے۔۔یا۔۔سچے شفیع، کہ حضرت شفیع المذنبین ﷺ ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔جب آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے قَدَمَ صِدْقٍ کے متعلق پوچھا، تو آپ نے فرمایا، وہ میری شفاعت ہے۔ وسیلہ کیے جاؤ تم میرے ساتھ اپنے رب کی طرف۔ اور یہ امر یقینی ہے، کہ گنہگاروں کو حضرت رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ عَلَيْهِ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کی شفاعت کے برابر کوئی وسیلہ نہیں۔۔۔

اوپر کے ارشاد میں ڈرانا سارے انسانوں کے لیے عام رکھا، لیکن بشارت صرف مومنوں کے لیے خاص فرمادی، اس میں خاص کر کے اس نکتے کی طرف اِشارہ ہے، کہ ہر انسان میں۔۔'اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ'۔۔ایسی خامی ضرور ہوتی ہے جس سے بچنا چاہیے۔ اور اس سے ڈرنا چاہیے۔ اِس کے برخلاف کافروں میں ایسی کوئی خوبی نہیں، جس کے سبب ان کو بشارت دی جائے۔۔الحتصر۔۔جب یہ ڈرانے والا اور بشارت دینے والا مبعوث ہوا اور اس نے معجزات دکھائے۔۔تو۔۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے، جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں، پھر برابر ٹھیک کر دیا۔

عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

عرش پر تدبیر فرماتا ہے ہر امر کی۔ کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر جس کو اس کی اجازت ہے۔ یہ ہے اللہ

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③

تمہارا پروردگار، تو اس کو پوجو۔ کیا نصیحت قبول نہیں کرتے؟●

(کافر بولے، کہ یہ تو کھلے جادوگر ہیں)۔ کافروں کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ انبیاءِ کرام کے معجزات کا جادوگروں کی شعبدہ کاری سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ قادرِ مطلق خدائے ذوالجلال والاکرام کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر ہیں۔ تو لوگو! جان لو، کہ (بے شک تمہارا پروردگار اللہ) تعالیٰ (ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے (پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دن) کی مقدار (میں) دنیا کے دنوں کے انداز سے۔ (پھر برابر ٹھیک کردیا عرش پر)۔۔۔ جس کی تشریح سورۂ اعراف آیت ۵۴ کے تحت گزر چکی۔۔۔ (تدبیر فرماتا ہے ہر امر کی) یعنی کائنات کے کام بناتا ہے حکمت کے موافق۔۔یا۔ مقدر کرتا ہے ہونے والی باتیں جس طرح پر چاہتا ہے۔ اس کی بارگاہ میں (کوئی شفاعت کرنے والا نہیں، مگر جس کو اس کی اجازت ہے)۔

اس کلام سے اُن کی شفاعت رد اور باطل ہو جاتی ہے جن کو کفار اپنا شفیع سمجھتے ہیں، اور اُن نفوسِ قدسیہ والوں کی شفاعت ثابت ہو جاتی ہے جنہیں حق تعالیٰ نے شفاعت کرنے کا اِذن عطا فرمایا ہے۔ (یہ ہے اللہ) تعالیٰ جو خلق و تدبیر اور استیلاء کی صفتوں سے موصوف ہے، جو (تمہارا پروردگار) ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی رب نہیں۔ اس واسطے، کہ اس کے غیر کو ان صفتوں میں شرکت نہیں، (تو) لوگو! (اس کو) اور صرف اسی کو (پوجو)۔ تو (کیا نصیحت قبول نہیں کرتے)، اور اپنے دل میں فکر نہیں کرتے ہو، کہ عبادت کا مستحق وہی ہے، یہ تمہارے خود ساختہ معبودانِ باطل نہیں۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات ظاہر ہوگئی، وحی، بعثت اور رسالت پر کفار کا تعجب کرنا، ان کی کم نظری اور سوءِ فہمی کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ جس ذات نے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا، اُس کا اِس مخلوق کی طرف ایک رسول کا بھیجنا کوئی بعید نہیں، جو اِس مخلوق کو نیک اعمال پر ثواب کی بشارت دے اور بُرے اعمال پر عذاب سے ڈرائے، کیونکہ اِس جہاں کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور اُس کے احکام نافذ ہیں اور اُس کی دلیل یہ ہے، کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور وُہی اس کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے۔۔نیز۔۔ وُہی ثواب و عذاب دینے والا ہے، کیونکہ اِس دنیا کی زندگی کے بعد۔۔۔

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے۔ اللہ کا وعدہ حقہ ہے۔ بیشک وہی پیدا فرمانے کی ابتدا فرماتا ہے، پھر دوبارہ

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ

بھی کرتا ہے، تاکہ انعام دے جو ایمان لاچکے اور نیک کام کیے انصاف سے۔ اور جو کافر ہیں انکے لئے

شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۴﴾

گرم پانی کا مشروب، اور دکھ دینے والا عذاب ہے۔ سزا ہے جو وہ کفر کرتے تھے ●

(اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے) اس کے غیر کی طرف نہیں، تو تم سب اس کے سوال و جواب پر آمادہ رہو۔ **(اللہ)** تعالیٰ **(کا وعدہ)** جو اس نے فرمایا ہے، کہ تم سب کو مرنے کے بعد اٹھنا ہے **(حقہ ہے)** یعنی بالکل سچ اور درست ہے، اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی قادرِ مطلق ہے۔ **(بے شک وہی پیدا فرمانے کی ابتداء فرماتا ہے، پھر دوبارہ بھی)** مرنے کے بعد لوٹاتا ہے اور زندہ **(کرتا ہے)**۔ پہلے پیدا کرنا، پھر مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا، ان سب کا مقصود ثواب و عقاب ہے۔

(تاکہ انعام دے جو ایمان لاچکے اور نیک کام کیے انصاف سے) یعنی اپنے کاموں میں عدل و انصاف کا پاس و لحاظ رکھا۔۔۔یا۔۔ بدلہ دے گا اللہ جل شانہ انھیں عدل کے ساتھ، یعنی اس عدل کی رعایت کے ساتھ جو انھوں نے کاموں میں کیا ہو۔۔۔یا۔۔۔اُن کے ایمان کے ساتھ۔ اس واسطے، کہ ایمان 'عدل قوی' ہے اور اسی کے مقابلے میں شرک، 'ظلم عظیم' ہے۔ اور یہ وجہ مقابلے کے واسطے بہت وجیہہ ہے۔ اس واسطے، کہ برابر ملاتا ہے اپنے اس کلام کو اپنے اس قول سے، کہ **(اور جو)** لوگ **(کافر ہیں اُن کے لیے)** دوزخ کے **(گرم پانی کا مشروب)** ہے۔ جب اُسے پئیں گے، تو ان کی آنتیں جل کر ٹکڑے ہو جائیں گی **(اور)** اسی کے ساتھ ساتھ اُن کے لیے **(دکھ دینے والا عذاب ہے)** یعنی دردناک، جو کبھی کم نہ ہوگا۔ یہ سب کچھ **(سزا ہے جو وہ)** خدا و رسول کے ساتھ **(کفر کرتے تھے)**۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے الوہیت اور توحید پر استدلال کیا تھا اور آنے والی اس آیت میں سورج اور چاند کو پیدا کرنے سے توحید پر استدلال کیا ہے۔ اس استدلال کی تقریر یہ ہے، کہ سورج، چاند اور باقی تمام سیارے بحیثیتِ جسم، سب مساوی ہیں۔ اب سورج کو اس وضعِ مخصوص اور صفاتِ مخصوصہ عطا کرنے

کے لیےکوئی مرجح ہونا چاہیےاور وہ مرجح واجب الوجوداور قدیم بالذات ہونا چاہیے، کیونکہ ممکن اور حادث تو اپنے وجود میں پھر کسی مرجح کا محتاج ہوگا اور واجب الوجود کا واحد ہونا ضروری ہے، کیونکہ اگر دو۲ واجب الوجود ہوں، تو ان میں ایک امر مشترک ہوگا اور ایک امر مخص اور ممیز ہوگا اور جو دو۲ چیزوں سے مرکب ہو، وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہےاور مرکب اور محتاج، حادث اور ممکن ہوتا ہے، واجب اور قدیم نہیں ہوتا۔

پس ثابت ہوا، کہ سورج کی وضع مخصوص اور اس کی صفاتِ مخصوصہ ذاتی نہیں، کیونکہ سورج جسم ہونے میں تمام اجسام کے مساوی ہے۔ سو اگر یہ اس کی جسمیت کا تقاضا ہو، تو تمام اجسام سورج کی طرح ہونے چاہئیں، اس لیے کہ اس وضع اور صفات کے لیےکوئی مرجح ہونا چاہیے اور ہم بتا چکے ہیں، کہ وہ مرجح واجب الوجود، قدیم اور واحد ہونا چاہیےاور واجب الوجود، قدیم اور واحد اللہ عزوجل ہی کی ذات ہےاور جب وہ سورج کا خالق ہے، تو تمام کائنات کا وہی خالق ہے۔ کیونکہ جو دلیل سورج میں جاری ہوئی، وہی ساری کائنات میں جاری ہوگی۔ پس ثابت ہوگیا کہ تمام کائنات کا خالق اللہ ہےاور وہ واحد لاشریک ہے۔۔الحاصل۔۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا

وہ اللہ جس نے بنایا سورج کو روشن، اور چاند کو چمک دار اور مقرر فرمادیا ان کی منزلیں، تا کہ جانتے رہو

عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ

برسوں کا شمار اور حساب۔ نہیں پیدا فرمایا اللہ نے ان کو مگر ٹھیک۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

تفصیل فرماتا ہے آیتوں کی انکے لئے جو علم سے کام لیں●

(وہ اللہ) تعالیٰ ہے (جس نے بنایا سورج کو روشن) جو خود بھی روشن ہے دوسروں کو بھی روشن کررہا ہے (اور چاند کو چمک دار)۔ سورج کو روشنی والا بنایا تا کہ تمام کائنات اس سے مستنیر ہو۔ سورج کے عین سے استفادہ نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ سورج کو پیدا فرمایا، درآنحالیکہ وہ صاحبِ ضیاء ہے۔ اور چاند کو نورانی بنایا اس لیے کہ وہ رات کو چمکتا ہے۔

حکماء کے نزدیک چاند ایک صیقل شدہ ظلمانی اور روشنی قبول کرنے والا ایک جسم ہے۔ جب وہ سورج کے بالمقابل ہوتا ہے، تو سورج کے عکس کے نور سے بھر جاتا ہے، اس وجہ سے

زمین پر اس کی روشنی پڑتی ہے۔تو اُن کے نزدیک سورج کی روشنی ذاتی ہے اور چاند کی عرضی۔
تو جو روشنی بالذات ہو، اس کو ضیاء کہتے ہیں اور جو بالعرض ہو، اُسے نُور کہا جاتا ہے۔ ضیاء،
نور سے وضع واستعمال کے لحاظ سے قوی تر ہے، اسی لیے ضیاء سورج کی طرف اور نور چاند
کی طرف منسوب ہوتا ہے۔۔الختصر۔۔

رب قادر مطلق نے چاند کو چمکدار بنایا (اور مقرر فرمادیا ان کی منزلیں)۔آسمان پر اُن کے سیر
کرنے کی ہر ایک کی منزل مقدر فرمادی ہے، کہ وہ نہ تو ان منزلوں سے تجاوز کر سکتے ہیں، نہ کوتاہی۔
بہت مشہور یہ ہے کہ مقرر کیں ماہتاب کے واسطے اٹھائیس [۲۸] منزلیں، جو کہ معین ومشہور
ہیں، اور ماہتاب شبانہ روز کے قریب میں ایک ایک منزل قطع کرتا ہے۔

(تا کہ جانتے رہو برسوں کا شمار)۔
چونکہ سال میں مہینے ہوتے ہیں، اس لیے حق تعالیٰ نے مہینوں کا ذکر نہیں کیا۔
(اور حساب) یعنی تا کہ جانو گنتی وقتوں کی، مہینوں اور دنوں سے اپنے معاملات اور مہمات میں۔
۔۔الحاصل۔۔سورج اور چاند کی روشنیوں میں مخلوق کے بہت فائدے ہیں۔سورج کی
روشنی سے دن میں کاروبار ہوتا ہے اور اس کی حرکت سے مختلف موسم وجود میں آتے ہیں جس
سے اس دنیا کی مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں اور چاند کی حرکت سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور
حساب کا حصول ہوتا ہے۔اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ تقویم اور تاریخ کا تعین قمری
حساب سے کرنا چاہیے نہ کہ شمسی حساب سے۔

(نہیں پیدا فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ان کو) جو مذکور ہوا (مگر ٹھیک) اور راستی کے ساتھ، اس نے
کوئی کھلواڑ نہیں کیا ہے۔ان مذکورہ بالا تفصیلات کو عبث نہ خیال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ (تفصیل فرماتا ہے
آیتوں کی اُن کے لیے جو علم سے کام لیں) اور غور وفکر کر کے اس سے فائدہ اٹھائیں۔۔۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ

بے شک رات اور دن کے الٹ پھیر میں، اور جو کچھ پیدا فرمادیا اللہ نے آسمانوں

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝

اور زمین میں، نشانیاں ہیں انکے لئے جو خوف خدا رکھتے ہوں●

(بے شک رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں) یعنی آنے جانے میں دن رات کے ایک دوسرے

کے پیچھے۔۔یا۔۔اندھیرے اُجالے کا جوان میں اختلاف ہے (اور جو کچھ پیدا فرمادیا اللہ) تعالیٰ (نے آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں) صانع کے موجود ہونے پر اور اس کی وحدت اور کمالِ علم پر اور نفاذِ قدرت پر (ان کے لیے جو خوف خدا رکھتے ہوں) یعنی عاقبت کے امور اور انجام کار سے ڈرتے ہوں اور مآل اور معاد کا حال اول سے سوچتے ہوں اور حشر کی رسوائی سے ڈرتے ہوں۔اس واسطے، کہ اسی اندیشہ اور خوف کے سبب وہ غور وفکر کرتے ہیں۔اور اُن کے برخلاف۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا

بے شک جو ناامید ہیں ہماری ملاقات سے، اور خوش ہیں دنیاوی زندگی سے، اور اسی پر مطمئن ہیں،

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝

اور جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں●

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، سزا ان کے کرتوت کی●

(بے شک جو) لوگ حشر یعنی مرنے کے بعد اُٹھنے پر ایمان نہیں لاتے، اور وہ (ناامید ہیں ہماری ملاقات سے)، یعنی ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے (اور خوش ہیں دنیاوی زندگی سے اور اسی پر مطمئن ہیں)۔۔الختصر۔۔دنیاوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں، (اور جو ہماری آیتوں) یعنی ہماری کتاب کی آیتوں۔۔یا۔۔ہماری صنعت کی نشانیوں (سے غافل ہیں) اور اس پر آگاہ نہیں۔اور ایسی باتوں پر تعجب کرتے ہیں جن پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور ان چیزوں میں غور وفکر نہیں کرتے، جن میں غور وفکر کرنا چاہیے۔

مذکورۃ الصدر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اُن شقی القلب لوگوں کا حال بیان کیا ہے، جو قیامت کے دن اللہ سبحانہٗ سے ملاقات کا انکار کرتے تھے اور اللہ عزوجل سے ملاقات کی بالکل توقع نہیں رکھتے تھے، کیونکہ وہ حشر کے منکر تھے۔۔لہٰذا۔۔وہ عذاب سے ڈرتے تھے نہ ثواب کی طمع رکھتے تھے۔تو وہ گروہ جن کا ذکر ہوا۔۔۔

(ان کا ٹھکانہ)، رہنے کی جگہ (جہنم ہے)، جو (سزا) ہے (اُن کے کرتوت) یعنی کفر وشرک ونفاق (کی)۔

اب آگے ان لوگوں کے احوال بیان فرمائے جارہے ہیں، جو اللہ اور رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو مانا اور نیک عمل کیے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ایمان کے سبب انہیں قیامت کے دن جنت کی طرف ہدایت دے گا۔۔ بایں طور۔۔ کہ ان کو سلامتی کے ساتھ پل صراط سے گزار دے گا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِإِيمَانِهِمْ

بے شک جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، راہ دیتا ہے انھیں ان کا پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے۔

تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ⑨

بہیں گی ان کے نیچے نہریں، نعمت کی جنت میں●

(بے شک جو) پرخلوص (ایمان لائے اور) مخلصانہ طور پر (نیکیاں کیں، راہ دیتا ہے انہیں ان کا پروردگار اُن کے ایمان کی وجہ سے) بہشت کی، (بہیں گی اُن کے) مکانوں کے (نیچے) پانی کی (نہریں نعمت کی جنت میں)۔ یعنی نعمتوں سے بھری ہوئی جنت میں۔۔ یا۔۔ اُن کے ایمان کے سبب انھیں چلنے کی ایسی راہ دکھاتا ہے، جو ادراکِ حقائق تک انھیں پہنچا دے۔ بہشت میں اس وقت جب کوئی آرزو انھیں ہوگی اور وہ مانگیں گے، تو اِس کلام سے آغاز فرمائیں گے جو۔۔۔

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ

ان کا کلمہ ہے جنت میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ، اور ان کی تحیت ہے اس میں "سلام"۔ اور آخری بولی ہے ان کی،

أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑩

کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن●

(ان کا کلمہ ہے جنت میں)، اور وہ یہ ہے (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ) یعنی پاکی کے ساتھ یاد کرتے ہیں ہم تجھے اَے خدا، اور اس طرح خدا کو یاد کرنا لذت کی جہت سے ہوگا، عبادت کے واسطے نہیں۔ اور جنتی لوگ یہ کلمہ کہیں گے، تو جو کچھ ان کی خواہش ہوگی وہ اُن کے پاس حاضر ہو جائے گی، (اور ان کی تحیت ہے اس میں سلام)۔

تحیت کہتے ہیں کسی کی ملاقات کے وقت اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آنے کو، تو جنتی لوگ جنت میں ایک دوسرے کا سلام کے ذریعہ اعزاز و اکرام فرمائیں گے۔۔ یا یہ کہ۔۔

فرشتے اعزاز واکرام کے طور پر جنتیوں کو سلام علیکم فرمائیں گے۔۔یا یہ کہ۔۔خود اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اُن کے اعزاز واکرام کو ظاہر فرمانے کے لیے، ان سے السلام علیکم ارشاد فرمائے گا۔

(اور آخری بولی ہے ان کی، کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن) یعنی ان کی ہر دُعا کا اِختتام ان کلمات پر ہوگا، کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف پہلے صفاتِ جلال سے، پھر صفاتِ اکرام سے کریں گے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بہشتی جب بہشت میں کسی چیز کی خواہش کریں گے، تو کہیں گے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ، تو اُن کی خواہش کے مطابق اُن کے ہاں بہشت کے خدام اُن کا مطلوبہ شراب وطعام پیش کردیں گے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوں گے، تو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن۔

ذہن نشین رہے کہ بہشت میں نہ عبادت ہے، نہ تکلف۔ وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل ہوگی، بطورِ عبادت نہیں۔۔بلکہ۔۔اللہ تعالیٰ بطورِ الہام اُن کے دل پر وارد کرے گا، جسے وہ کہہ کر لذت محسوس کریں گے۔ اس لیے کہ بہشت میں انہیں تسبیح وتہلیل بہشت کی تمام نعمتوں سے لذیذ تر محسوس ہوگی۔ بے شک محبوب کے نام کا ذوق صرف عاشق زار جانتا ہے، کہ اسے بہشت کی تمام نعمتوں سے خوشتر ہے۔

اگرچہ جنتِ فردوس میں بہت سی نعمتیں ہوں گی، لیکن عاشق کو وصل وصال سے خوشتر اور کوئی نعمت محسوس نہ ہوگی۔ اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس شبہ کا جواب دیا تھا، کہ آنحضرت ﷺ کو نبی بنانے کی کیا خصوصیت تھی۔ اس کے بعد درمیان میں مومنوں کا ذکر فرمایا، اور اب اِس اگلی آیت میں پھر مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب دیا ہے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر پیغمبر علیہ السلام اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں اور ہم اُن کی مخالفت کرتے ہیں، تو اُن کی مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا، کہ اگر تمہارے مطالبہ کی وجہ سے تم پر جلد عذاب بھیج دیا جاتا، تو اب تک تمہارا کام تمام ہو چکا ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اس لیے ڈھیل دیتا ہے، کہ تم اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہو ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ؕ

اور اگر جلدی فرمادے اللہ لوگوں کے لیے تباہی کو، جس قدر جلدی وہ طلب کرتے ہیں بھلائی کو، تو پوری کردی جاتی ان کی مدت۔

فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾

تو ہم چھوڑے دیتے ہیں، انہیں جو امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی، کہ اپنی سرکشی میں ٹٹولتے رہیں●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (اگر جلدی فرمادے اللہ) تعالیٰ (لوگوں کے لیے) اُن کی بد اعمالیوں کی سزا میں (تباہی کو، جس قدر جلدی وہ طلب کرتے ہیں بھلائی کو)، یعنی دُنیا کے نفع کی طلب میں عجلت چاہتے ہیں۔۔الغرض۔۔نفع حاصل کرنے کے لیے جس عجلت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، تو اگر نقصان پہنچانے کے لیے بھی اُسی عجلت کا مظاہرہ کیا جاتا، (تو پوری کردی جاتی اُن کی مدت) اور انھیں کب کی موت آچکی ہوتی۔ چونکہ ہماری حکمتِ بالغہ سرکش لوگوں کو ڈھیل دیتی ہے، (تو ہم چھوڑ دیتے ہیں) اور ڈھیل دیتے ہیں (انہیں جو امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی) یعنی جو حشر کے منکر ہیں، تا (کہ) وہ (اپنی سرکشی میں ٹٹولتے رہیں) اور بھٹکتے رہیں۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ۚ فَلَمَّا

اور جب پہنچا مردک کو دکھ، تو پکارنے لگا ہم کو لیٹے، یا بیٹھے، یا کھڑے۔ پھر جب

كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ

ہم نے دور کردیا اس کا دکھ، چل دیا، گویا ہمیں پکارا ہی نہ تھا اس دکھ میں، جو اسے پہنچا تھا۔ اسی طرح

زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾

اچھا لگا دیا گیا قانون شکنوں کو، جو وہ کرتے تھے●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا، کہ اگر کفار کے مطالبہ پر دُنیا میں عذاب نازل کردیا جاتا، تو اب تک وہ سب مرچکے ہوتے، اور اِس آیت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ بہت کمزور اور نہایت عاجز ہیں۔۔چنانچہ۔۔یہ ایک حقیقت۔۔۔

(اور) امرِ واقعہ ہے، کہ (جب پہنچا) کسی کافر یا ولید ابن مغیرہ یا عتبہ بن ربیعہ جیسے (مردک) یعنی ذلیل و نالائق (کو) کوئی رنج و (دکھ، تو پکارنے لگا ہم کو) بالکل مخلصین کی طرح (لیٹے) یعنی اس وقت جب پڑا ہو کروٹ کے بل، اور اس رنج کے سبب سے صاحبِ فراش ہوگیا ہو، (یا بیٹھے یا کھڑے)

کھڑے سب حالوں میں۔۔یا۔۔ ہر قسم کے دُکھ درد کے واسطے دُعا کرنے لگا۔(پھر جب ہم نے دو
کردیا اُس کا دکھ) تو (چل دیا) اس راہِ کفر پر اور نافرمانی و ناشکری کے طریقے پر جس پر تھا۔۔یا یہ کہ۔۔
موقع دُعا سے چل دیتا ہے اور پھر اس مقام کی طرف نہیں پھرتا اور اس کی حالت سے کچھ ایسا ہی ظاہر
ہوتا ہے (گویا) اس نے (ہمیں پکارا ہی نہیں تھا اس دُکھ) کی حالت (میں جو اُسے پہنچا تھا)۔

یہی احوال اکثر مسلمانوں کے بھی ہوگئے ہیں، کہ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس مصیبت کو دور کردیتا ہے، تو وہ اس کو اس طرح بھول جاتے ہیں جیسے کسی مصیبت کے وقت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا ہی نہ تھا۔۔المختصر۔۔کافروں کے بعض افراد جو ان مذکورہ بالا اوصاف سے موصوف تھے، وہ اپنے طرزِ عمل کو دانش مندی تصور کرنے لگے۔

۔۔الحاصل۔۔(اسی طرح اچھا لگا دیا قانون شکنوں کو جو وہ کرتے تھے) یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کے کرتوت اُن کے لیے خوشنما بنادِیے گئے۔۔چنانچہ۔۔تضرع سے اعراض اور دُکھ درد دور ہونے کے بعد شہوات میں منہمک ہوجانا اُنہیں اچھا لگا، اسی لیے وہ اتباعِ شہوات اور تضییعِ عمر میں حد سے متجاوز ہوگئے۔ان اندھیر مچانے والوں نے اپنے سے پہلے والے اندھیر مچانے والوں سے کچھ سبق حاصل نہیں کیا۔تو اَے ظالمو! سنو۔۔۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور بیشک تباہ فرمادیا ہم نے سنگتوں کو تم سے پہلے، جب انھوں نے اندھیر مچایا۔اور آئے ان کے پاس ان کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۳

دلیلوں کو لے کر، اور وہ نہیں مانتے تھے۔یونہی سزا ہم دیتے ہیں مجرم قوم کو●

(اور) یاد رکھو! کہ (بے شک تباہ فرمادیا ہم نے سنگتوں کو تم سے پہلے جب انہوں نے اندھیر مچایا)۔اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی، (اور) وہ بھی اس حال میں کہ (آئے اُن کے پاس اُن کے رسول دلیلوں کو لے کر) یعنی روشن دلیلوں اور واضح معجزات کے ساتھ تشریف لائے۔(اور) اُن کا حال یہ تھا کہ (وہ نہیں مانتے تھے)، یعنی وہ نہ تھے کہ ایمان لاتے اگر ہلاک نہ ہوتے اور زندہ رہتے۔اس سبب سے کہ ان میں ایمان لانے کی استعداد نہ تھی اور اللہ جل شانہ نے انھیں اس دولت سے بے نصیب کردیا

تھا، تو جس طرح انہیں ہم نے سزا دی تکذیبِ رسل کی وجہ سے انہیں ہلاک کر کے۔ (یونہی سزا ہم دیتے ہیں مجرم قوم کو) یعنی مکہ کے مشرکین جیسوں کو، جو ہمارے حبیب ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ

پھر بنادیا ہم نے تم کو جانشین زمین میں ان کے بعد، تاکہ نظر کے سامنے کردیں کہ کس طرح

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

کام کرتے ہو●

(پھر بنادیا ہم نے تم کو) اُن کا (جانشین زمین میں ان) گزشتہ امتوں کے فنا و برباد ہونے (کے بعد)۔ اس میں حکمت یہ ہے (تاکہ نظر کے سامنے کردیں کہ کس طرح کام کرتے ہو) یعنی تاکہ ہر دیکھنے والا تمہارے اعمال خیر و شر کو اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھ لے۔

اس ترجمہ کا حاصل یہی ہے، 'تاکہ ہم ظاہر فرمائیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو'۔ یہ بھی کہا گیا ہے، کہ تاکہ دیکھیں ہم ظاہر میں بعد اس کے کہ جان چکے ہیں غیب میں، کہ تم لوگ کیسے عمل کرو گے خیر و شر میں سے، تاکہ تمہارے ساتھ تمہارے اعمال کے موافق ہم معاملہ کریں۔ اگر نیک عمل ہوں تو نیک جزا دیں اور اگر بُرے عمل ہوں تو بُری سزا دیں۔۔۔

مشرکین مکہ میں سے پانچ افراد یعنی عبداللہ بن امیہ المخزومی، ولید بن مغیرہ، مکرز بن حفص، عمرو بن عبیداللہ بن ابی قیس العامری اور العاص بن عامر بن ہشام، آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا، کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں، کہ ہم آپ پر ایمان لائیں، تو آپ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لائیں، جس میں لات، عزیٰ اور منات کی عبادت سے ممانعت نہ ہو اور ان کی مذمت نہ کی گئی ہو، اور اگر اللہ ایسی آیتیں نازل نہ کرے، تو آپ ایسی آیتیں بنالیں۔۔یا۔۔ اِس قرآن کو بدل ڈالیں اور عذاب کی آیتوں کی جگہ رحمت کی آیتیں بنادیں۔۔یا۔۔ حرام کی جگہ حلال اور حلال کی جگہ حرام لکھ دیں۔ کفار جو آپ سے یہ مطالبہ کرتے تھے، کہ آپ کوئی اور قرآن لے آئیں۔۔یا۔۔ اِسی قرآن کو بدل ڈالیں، تو اُن کا یہ مطالبہ بطورِ استہزاء تھا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہوں اور اس سے ان کی غرض یہ ہو، کہ اگر آپ نے ان کا یہ مطالبہ مان لیا، تو آپ کا یہ دعویٰ باطل ہو جائے گا، کہ

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا نازل کیا ہوا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ واقعی وہ کوئی اور کتاب چاہتے ہوں، کیونکہ یہ قرآن اُن کے معبودوں کی مذمت پر مشتمل ہے اور اُن کے معمولات کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس لیے وہ کوئی اور کتاب چاہتے تھے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں۔۔۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں صاف کھلی، تو بولے جو نہیں رکھتے امید ہمارے ملنے کی، "کہ دوسرا

بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ

قرآن لاؤ، یا اس کو بدل ڈالو"۔ جواب دیدو "کہ یہ میرا کام نہیں، کہ اس کو بدل دوں

تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ

اپنی طرف سے"۔ "میں نہیں کہتا سنتا مگر جو وحی بھیجی گئی میری طرف"۔ بیشک میں ڈرتا ہوں

اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

اگر میں گناہ کرتا اپنے پروردگار کا، بڑے دن کے عذاب کو●

کفار کے مذکورہ بالا مطالبے (اور) ان کی خواہش کو بیان فرمایا جارہا ہے، کہ (جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں صاف کھلی، تو بولے جو نہیں رکھتے امید ہمارے ملنے کی) یعنی مشرکین مکہ (کہ دوسرا قرآن لاؤ) اس قرآن کے سوا جو آپ ہم پر پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی ایسی کتاب ہو جس میں بعث ونشر، ثواب وعذاب کا ذکر اور ہمارے خداؤں کی مذمت نہ ہو۔ (یا اس کو بدل ڈالو) اور اس کو ہماری خواہش کے مطابق بناڈالو۔

اے محبوب! (جواب دے دو کہ یہ میرا کام نہیں کہ اس کو بدل دوں اپنی طرف سے۔ میں نہیں کہتا سنتا، مگر جو وحی بھیجی گئی میری طرف) یعنی میں قرآنِ مجید کے پہنچانے اور اس کی تلاوت کرنے میں وحی کی اتباع کرتا ہوں اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی اور تغیر وتبدل نہیں کرتا، اور نہ مجھ کو اس کا اختیار ہے۔ (بیشک میں ڈرتا ہوں) کہ اپنے رب کے قرآن کو بدل کر (اگر میں گناہ کرتا اپنے پروردگار کا، بڑے دن) یعنی قیامت کے دن (کے عذاب کو)۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ

سمجھاؤ، کہ "اگر اللہ چاہتا تو میں نہ اس کی تلاوت کرتا تم پر، اور نہ وہ تمہیں اُسے بتاتا"۔ "میں تو رہ چکا ہوں تم میں

عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ایک عمر اس سے پہلے، تو کیا عقل نہیں رکھتے"●

اُے محبوب! اُن نادانوں کو (سمجھاؤ کہ اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا، تو میں نہ اُس کی تلاوت کرتا تم پر اور نہ) ہی (وہ تمہیں اُسے بتاتا)۔ یہ تو اسی کے فضل و کرم کا اثر ہے، کہ مجھے تو قرآن پڑھنے کا حکم کیا اور تمہیں اُس کا سمجھنا بتادیا۔ (میں تو رہ چکا ہوں تم میں ایک) اچھی خاصی بڑی (عمر)، کہ چالیس برس کا زمانہ ہوا (اس) قرآن کریم کے نازل ہونے (سے پہلے)۔ یعنی جس زمانہ میں مبعوث نہ ہوا تھا، تو نہ میں قرآن پڑھتا تھا اور نہ تم اُسے جانتے تھے۔ (تو کیا عقل نہیں رکھتے) ہو؟

پھر کیوں نہیں دریافت کرلیتے تم اور کیوں نہیں سمجھ لیتے، کہ جو شخص چالیس برس تم میں رہا اور اس نے علم کا شغل نہیں کیا اور کسی عالم کے پاس نہیں بیٹھا اور اب وہ تم پر ایسا کلام پڑھتا ہے، کہ عرب کے بڑے بڑے فصیح اس کی فصاحت سے حیران ہیں اور بڑے بڑے بلیغ اس کی بلاغت سے متحیر ہوکر دانت کے نیچے انگلی دابتے ہیں۔ تو بیشک اس بات سے تم دلیل پکڑ سکتے ہو، کہ ایسا کلام ایسے مرد سے ظاہر ہونا خرقِ عادت ہے۔ پس قرآن رسالت کا معجزہ اور سعادت کا وسیلہ ہے۔

پہلی آیت کا مضمون یہ ہے، کہ۔۔۔

میں قرآن بدلنے پر خدا پر افتراء نہیں کرتا ہوں اور تم افتراء کرتے ہو، کہ کلام اللہ کو میرا کلام جانتے ہو۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے، جس نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹ، یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

بے شک ناکام ہیں مجرم لوگ●

(پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے بہتان باندھا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو) اور اس کے سبب سے کافر ہوگیا۔ (بے شک ناکام ہیں مجرم لوگ) یعنی کافر لوگ جو کبھی بھی نجات نہ پائیں گے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ

اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر بنائے ہوئے کو، جو نہ ان کا بگاڑ سکے اور نہ بنا سکے۔ اور کہتے ہیں

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ

"کہ یہ سب ہمارے دنیا کے سفارشی ہیں اللہ کے یہاں"۔ رد کردو "کہ کیا اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو، جس کا کوئی پتہ نہیں

فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

آسمانوں میں اور نہ زمین میں"۔ وہ پاک و بالا ہے، ان کے شرک سے●

(اور) جن کا یہ حال ہے، کہ (پوجتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اپنے (بنائے ہوئے) ایسے (کو، جو نہ ان کا بگاڑ سکے) یعنی اگر وہ اس کی پرستش چھوڑ دیں، تو وہ انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے (اور نہ ہی (بنا سکے) یعنی انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکے، خواہ وہ اپنے سارے اوقات اسی کی پرستش میں لگا دیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ وہ کنکر پتھر ہیں، جو کسی کا کچھ بگاڑ بنا نہیں سکتے۔ حالانکہ معبود ایسا چاہیے جس کی قدرت ثواب اور عذاب دینے سے متعلق ہو، تاکہ بندے نفع حاصل کرنے اور ضرر دور کرنے کی امید پر اس کی عبادت کریں۔ (اور) یہ نادان (کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے دنیا کے سفارشی ہیں اللہ کے یہاں) یعنی خدا کے پاس دنیا کے کاموں میں ہماری شفاعت کرتے ہیں۔

تو اے محبوب! تم اُن کی فضول گوئی کو (رد کردو) اور پوچھو (کہ کیا) تم لوگ (اللہ) تعالیٰ (کو ایسی بات بتاتے ہو، جس کا کوئی پتا نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں)۔ یعنی تم کہتے ہو، کہ خدا کا شریک ہے اور بتوں کی شفاعت ثابت کرتے ہو اور خدا جو سب معلومات کا عالم ہے، وہ یہ نہیں جانتا۔ تو معلوم ہوا کہ نہ تو اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی بت شفاعت کریں گے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو جس چیز کے موجود ہونے کا علم نہ ہو، واجب ہے کہ وہ چیز موجود نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا، کہ اللہ تعالیٰ کا شریک فی نفسہٖ محال ہے۔۔۔یا۔۔۔ معنیٰ یہ ہے، کہ کیا خبر کرتے ہو تم خدا کو اس چیز کی جو زمین آسمان میں کہیں نہیں، یعنی شریک باری تعالیٰ۔

۔۔۔حالانکہ۔۔۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی شان یہ ہے، کہ (وہ پاک و بالا ہے اُن کے شرک سے)۔

مشرکوں کی یہ مشرکانہ حرکتیں سیدنا آدم علیہ السلام کے عہد سے نہیں تھیں، اس زمانے میں سب دین اسلام پر متفق تھے۔۔۔ یونہی۔۔۔ طوفان آنے کے بعد حضرت نوح کی کشتی میں جو لوگ تھے، وہ مسلمان ہی تھے۔ اس سے ظاہر۔۔۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور پہلے کے لوگ نہ تھے مگر ایک امت، پھر اختلاف کرنے لگے۔ اور اگر ایک بات

مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾

تمہارے پروردگار کی پہلے سے طے نہ ہوتی، تو ضرور فیصلہ کردیا جاتا ان کا جس جس چیز میں اختلاف کرتے●

(اور) روشن ہوگیا، کہ (پہلے کے لوگ نہ تھے مگر ایک امت) اسلامیہ، (پھر) شیطانی حرکتوں اور نفسانی خواہشات کے دباؤ میں آکر آپس میں ایک دوسرے سے (اختلاف کرنے لگے)، اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ تو بعض اپنے عہد میں مبعوث ہونے والے رسولوں پر ایمان لے آئے اور بعض اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔۔یا یہ کہ۔۔اہل عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر متفق و متحد تھے، پھر عمر بن لحی کے سبب سے مختلف ہوگئے، کیونکہ اس نے جاہلیت کے احکام اختراع کیے اور گمراہی پھیلادی۔ ۔۔یا یہ کہ۔۔سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں کفر پر متفق تھے، پھر اختلاف کیا انہوں نے رسولوں کے مبعوث ہونے کی وجہ سے۔۔بایں طور۔۔کہ بعض ایمان لائے اور بعض کفر ہی پر اڑے رہے۔ (اور اگر ایک بات تمہارے پروردگار کی پہلے سے طے نہ ہوتی) اور تیرے رب کی طرف سے عذاب کی تاخیر کا حکم ازلی جاری نہ ہوچکا ہوتا، اور اللہ تعالیٰ کا اس تعلق سے یہ فرمان نہ ہوچکا ہوتا، کہ عذاب و ثواب کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، (تو ضرور فیصلہ کردیا جاتا ان کا جس جس چیز میں اختلاف کرتے) یعنی عذاب آتا اور جو لوگ باطل پر ہوتے، وہ ہلاک ہوجاتے اور جو حق پر ہوتے، وہ زندہ رہ جاتے۔

اگلی آیت میں آنحضرت ﷺ کی نبوت پر مشرکین کا ایک شبہ اور پھر اس کا جواب ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور معجزہ پیش کریں۔۔مثلاً: ان پہاڑوں کو سونے کا بنادیں۔۔یا۔۔آپ کا گھر سونے کا ہوجائے۔۔یا۔۔ہمارے مُردہ باپ دادا کو زندہ کردیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ مجید خود عظیم معجزہ ہے، کیونکہ نبی ﷺ اُن کے درمیان پیدا ہوئے اور آپ نے وہیں نشو و نما پائی اور اُن کے سامنے آپ نے چالیس سال تک زندگی گزاری اور اُن کو معلوم تھا، کہ آپ نے کسی استاد سے پڑھا ہے نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا

ہے، پھر آپ نے یکا یک اس قرآن کو پیش کر دیا، جس کی فصاحت اور بلاغت بے نظیر تھی اور جس میں اولین اور آخرین کی خبریں تھیں اور تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل اور ملکی اور بین الاقوامی معاملات کے احکام تھے اور جس شخص کو تعلیم کے اسباب مہیا نہ ہوئے ہوں، اس سے اس قسم کے کلام کا صادر ہونا بغیر وحی الٰہی کے محال ہے۔

سو یہ قرآن کریم آپ کی نبوت پر قاہر معجزہ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، اور اس کے بعد کوئی اور معجزہ نازل کرنا۔۔یا۔۔نہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو کوئی معجزہ ظاہر کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ سو یہ اب بابِ غیب سے ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت ثابت ہو چکی ہے اور آپ کے دعویٰ رسالت کا صدق ظاہر ہو چکا ہے۔ اس تعلق سے کفار کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ اگر یہ نبی برحق ہیں، تو ان کی تکذیب سے ہم پر عذابِ الٰہی کیوں نہیں نازل ہو جاتا۔۔ چنانچہ۔۔اُن کے خیال کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ مشرکینِ مکہ کٹ حجتی کرتے ہیں۔۔۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ

اور چھیڑتے ہیں" کہ کیوں نہ اتاری گئی ان پر پروردگار کی طرف سے عذابی نشانی"۔ تو جواب میں کہہ دو" کہ الغیب عند اللہ،

فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ع

تم عذاب کا انتظار کرتے رہو، میں بھی تمہاری تباہی کا منتظر ہوں"۔

(اور) خواہ مخواہ کے لیے اہل ایمان کو (چھیڑتے ہیں، کہ کیوں نہ اُتاری گئی اُن پر پروردگار کی طرف سے عذابی نشانی) جو انہیں ان کی سرکشی کے نتیجے میں ہلاک کر دے۔ (تو جواب میں کہہ دو، کہ 'الغیب عند اللہ') یعنی ان نشانیوں کے نازل فرمانے کا تعلق عالم غیب سے ہے اور بے شک یہی حقیقت ہے، کہ غیب اللہ ہی کے واسطے ہے، شاید کہ تمہارے مانگے ہوئے معجزات و آیات کا انجام کار تمہاری ہلاکت ہو اور رب کریم اپنی کسی حکمتِ بالغہ کے تحت ابھی تمہیں ہلاک فرمانا نہ چاہتا ہو۔۔ خیر۔۔ اگر (تم عذاب کا انتظار) کر رہے ہو، تو (کرتے رہو، میں بھی تمہاری تباہی کا منتظر ہوں)۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا، کہ مشرکین آپ سے قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور معجزہ طلب کرتے ہیں اور ان کی یہ طلب محض عناد اور کٹ حجتی کے لیے تھی اور اس سے اُن کا

مقصد ہدایت کو طلب کرنا نہیں تھا۔ اسی معنی کو مؤکد کرنے کے لیے فرماتا ہے کہ جب اللہ مصیبت کے بعد ان پر رحمت فرماتا ہے، تو یہ اللہ کی آیتوں کی مخالفت میں سازش کرنے لگتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ اہل مکہ کی عجب روش ہے۔۔۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ

اور جب مزہ دے دیا لوگوں کو رحمت کا، بعد کسی زحمت کے جو انھیں پہنچی، اسی وقت ان کا داؤں ہوتا ہے

فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾

ہماری آیتوں سے۔ کہہ دو کہ اللہ مکر کی خبر جلد لینے والا ہے۔ بیشک ہمارے قاصد لکھتے جاتے ہیں جو فریب کرتے ہو●

(اور) اُن کا عجیب طریقہ ہے، کہ (جب مزہ دے دیا) ان (لوگوں کو رحمت کا بعد کسی زحمت کے جو اُنہیں پہنچی)۔۔ مثلاً: بیماری کے بعد صحت۔۔ یا۔۔ تنگی وقحط کے بعد فراخی اور ارزانی (اُسی وقت اُن کا داؤں ہوتا ہے ہماری آیتوں سے)، یعنی ہماری آیتوں پر طعن کرتے ہیں اور رسولِ مقبول ﷺ کے باب میں مکر وفریب کرتے ہیں۔

۔۔ چنانچہ۔۔ اہل مکہ سات برس تک قحط میں مبتلا رہے۔ جب رحمتِ الٰہی نے وہ بلا ان سے دفع کی، تو کلام الٰہی میں ردوقدح کرنے لگے اور حضرت رسالت پناہی ﷺ کے درپے ہوکر فریب اور حیلے ڈھونڈنے لگے۔

تو اَے محبوب! اُن سے (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ تمہارے (مکر کی خبر جلد لینے والا ہے) اور تمہارے مکر کا جواب عذاب کی شکل میں جلد عطا فرمانے والا ہے۔ اور اچھی طرح سن لو! کہ (بے شک ہمارے قاصد) یعنی نامۂ اعمال کے لکھنے والے فرشتے (لکھتے جاتے ہیں جو فریب کرتے ہو)۔ تو جب تمہاری پوشیدہ تدبیر میرے فرشتوں پر نہیں چھپتی، تو مجھ پر کب مخفی رہے گی۔

اِس کلام کا حاصل یہ ہے کہ انتقام، محقق ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا، کہ جب ہم مصیبت پہنچنے کے بعد لوگوں کو رحمت کی لذت چکھاتے ہیں، تو وہ اسی وقت ہماری آیتوں کی مخالفت میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔ اب اِن اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ اُن کے مکر کی مثال بیان فرما رہا ہے، کہ جب اِنسان سمندر میں کسی کشتی میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے اور ہوائیں اس کے موافق ہوتی ہیں، تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔ پھر اچانک تیز آندھیاں آجاتی ہیں،

ہر طرف سے طوفانی لہریں اٹھتی ہیں اور وہ گرداب میں پھنس جاتا ہے، اس وقت اس کو اپنے ڈوبنے کا یقین ہو جاتا ہے اور نجات کی بالکل امید نہیں ہوتی، اس پر سخت خوف اور شدید مایوسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

جن باطل معبودوں کی وہ اب تک پرستش کرتا آیا تھا، اُن کی بے چارگی اس پر عیاں ہو جاتی ہے، اور کٹر سے کٹر مشرک بھی اس وقت اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتا اور اس کے علاوہ اور کسی سے دُعا نہیں کرتا، اور جب تمام مخلوق سے امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں، تو وہ اپنے جسم اور روح کے ساتھ صرف اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور صرف اسی سے فریاد کرتا ہے۔

--چنانچہ--ام حکیم بنت الحارث، عکرمہ بن ابی جہل کے عقد میں تھیں، فتح مکہ کے دن وہ اسلام لے آئیں اور اُن کے خاوند عکرمہ مکہ سے بھاگ گئے۔ وہ ایک کشتی میں بیٹھے، وہ کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ عکرمہ نے لات وعُزیٰ کی دہائی دی، کشتی والوں نے کہا، کہ اس طوفان میں جب تک اِخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو نہیں پکارو گے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ کے سوا اس طوفان سے کوئی نجات نہیں دے سکتا، تب عکرمہ کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے دل میں سوچا کہ اگر سمندر میں صرف اللہ فریاد کو سنتا ہے، تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی کام نہیں آسکتا۔

انہوں نے قسم کھائی، کہ اگر اللہ نے مجھے اس طوفان سے بچالیا، تو میں پھر سیدھا سیدنا محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اسلام قبول کرلوں گا۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔۔

المختصر۔۔مصائب وشدائد میں صرف اللہ کی طرف رجوع کرنا انسانی فطرت ہے۔ اسی فطری تقاضے کو نمایاں کرنے کے لیے ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ

وہی ہے جو سیر کراتا ہے تم لوگوں کو خشکی اور تری میں۔ چنانچہ جب تم کشتی میں تھے، اور وہ چلیں

بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ

انھیں لے کر اچھی ہوا سے، اور وہ سب اس سے خوش ہوئے تھے، کہ آگئی انکے پاس تیز آندھی، اور آئی انکے پاس طوفانی لہر

مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ

ہر طرف سے، اور وہ سمجھے کہ اب ڈبوئے گئے، تو پکارا سب نے اللہ کو خالص

لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

دیندار ہوکر۔" کہ اگر تونے بچالیا ہم کو اس سے، تو ہم ضرور شکر گزار ہونگے"●

(وہی ہے جو سیر کراتا ہے تم لوگوں کو خشکی اور تری میں) خشکی میں اونٹ اور گھوڑے وغیرہ سے اور تری میں کشتی و جہاز سے، (چنانچہ جب تم کشتی میں تھے اور وہ چلیں انہیں لے کر اچھی ہوا سے) جو آہستہ چلتی ہے (اور وہ سب اس سے خوش ہوئے تھے)۔

مذکورہ بالا کلام میں 'تمہیں لے کر' کی جگہ 'انہیں لے کر' ارشاد فرمانا اور خطاب سے غیبت کی طرف پھر جانا، اس کا فائدہ مبالغہ ہے۔ یعنی یہ صورت ہے نصیحت کی غیر مخاطبوں کو بھی، تاکہ اس قوم کے احوال سے متعجب ہوں جو کشتی میں بیٹھے ہیں اور کشتی انہیں موافق ہوا کے ساتھ جو کشتی کی بہتری کے انداز میں چلتی ہے، لیے جاتی ہے۔ اور خوش ہوتے ہیں وہ لوگ اس ہوا کے سبب سے۔

پھر اچانک یہ ہوگیا (کہ آگئی ان کے پاس تیز آندھی اور آئی اُن کے پاس طوفانی لہر) کشتی کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے (ہر طرف سے)۔ اس صورت میں انہیں یقین ہوگیا (اور وہ سمجھے کہ اب ڈبوئے گئے) یعنی انہیں بلاؤں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے، تو اب غرق ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، (تو پکارا سب نے اللہ) تعالیٰ (کو خالص دیندار ہوکر، کہ اگر تونے بچالیا ہم کو اس) بلاء (سے، تو ہم ضرور شکر گزار رہوں گے) تیری نعمتِ نجات پر۔

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ

پھر جب اللہ نے بچالیا ان کو، تو اس وقت وہ تل گئے ملک میں ناحق پر۔ اے لوگو!

اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا

تمہاری زیادتی خود تمہیں پر وبال ہے۔ دنیاوی زندگی کا رہن سہن ہے، پھر ہماری طرف

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

تمہارا لوٹنا ہے، تو ہم بتائینگے تمہیں جو کیا کرتے تھے●

(پھر جب اللہ) تعالیٰ (نے بچالیا ان کو) اس بلاء سے جس سے وہ ڈرتے تھے۔ یعنی جب حق تعالیٰ انہیں اس ورطہ سے نجات دیتا ہے اور ڈوبنے سے بچالیتا ہے، (تو اس وقت) دیکھ انہیں کہ

(وہ تُل گئے ملک میں ناحق پر) اور زمین میں ظلم کرنے لگے اور انہیں کاموں کو انجام دینے لگے جو پہلے کرتے تھے۔۔۔الغرض۔۔شرک وفساد پر اتر آئے، حالانکہ وہ بھی بخوبی جانتے ہیں، کہ وہ اپنے فساد بر کرنے والے عمل میں باطل ہیں۔

اس مقام پر چند اہم اور بنیادی حقائق کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، تاکہ بشمول صحابۂ کرام بکثرت صالحین امت کے عقائد ونظریات اور اُن کے معمولات کو باطل قرار دینے کی جسارت وحماقت سے اپنے کو بچایا جاسکے۔ کسی کے بھی اقوال وافعال کے کفری۔۔یا۔۔غیر کفری ہونے کا فیصلہ خود اُس کے نظریات وخیالات کی روشنی ہی میں کیا جائے گا۔

۔۔مثلاً: اگر کسی دہریہ، منکرِ خدا نے کہا، کہ: 'انبت الربیع البقل' موسم بہار نے سبزیاں اُگائیں۔ تو خود اس قائل کے نظریہ کے پیش نظر یہ کلمہ کفر ہے، اس لیے کہ وہ موسم بہار ہی کو موثرِ حقیقی مان کر یہ کہہ رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ موسم بہار کو خالق وموثر حقیقی ماننا کفر ہے۔ اس کے برخلاف اگر مذکورہ بالا یہی کلام کسی مسلمان کی زبان سے نکلے، تو کفر تو بڑی بات، مکروہ بھی نہیں۔ اس لیے کہ قائل کا مسلمان ہونا روشن دلیل ہے، کہ اس کے اس کلام کا مطلب صرف یہ ہے کہ۔۔۔'اللہ تعالیٰ نے سبزیاں اُگائیں موسم بہار کے ذریعے'۔

۔۔یونہی۔۔اگر کسی منکرِ خدا نے کہا، کہ 'پانی نے پیاس بجھادی'۔۔'دوا نے اچھا کر دیا'۔۔ 'کھانے نے بھوک مٹادی'۔۔'آگ نے جلادیا'۔اور۔'زہر نے ماردیا'۔۔وغیرہ، وغیرہ۔تو چونکہ وہ خدا پر ایمان لانے والا نہیں، تو ان سب کو جو دَر حقیقت صرف اسباب ہیں، 'موثر حقیقی' سمجھ کر یہ سب کچھ کہہ رہا ہے، تو اس کا ہر ہر جملہ 'کفر صریح' ہے۔ لیکن اگر من وعن یہی الفاظ مسلمان کی زبان سے نکلیں تو اس کے نظریہ کی روشنی میں ان کا بالترتیب یہ معنی ہوتا ہے، کہ خدا نے پیاس بجھادی پانی کے ذریعہ۔ خدا نے اچھا کر دیا دوا کے ذریعہ۔۔خدا نے بھوک مٹادی کھانے کے ذریعہ۔۔خدا نے جلادیا آگ کے ذریعہ۔۔اور خدا نے ماردیا زہر کے ذریعہ۔ تو اس نظریہ کی روشنی میں 'موثر حقیقی' اور 'مسبب الاسباب' صرف خدا ہی ہے اور باقی سب اسباب ہیں۔

اسباب کی طرف افعال کی نسبت کرنا صرف عوامی بول چال ہی میں نہیں، بلکہ قرآن مجید اور احادیث کریمہ وغیرہ میں بھی بے شمار ہے، اہل علم جس سے بے خبر نہیں۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے کہ جب فعل کی نسبت 'مسبب الاسباب' کی طرف ہو، تو وہ 'حقیقت' ہے اور اگر کسی سبب

کی طرف ہو،تو وہ 'مجاز' ہے۔اس مختصری وضاحت کے بعد یہ بات روشن ہوگئی، کہ مسلمانوں کے افعال واقوال کو کافروں کے افعال واقوال پر قیاس کرنا بالکل باطل ہے اور 'قیاس مع الفارق' کی بدترین قسم ہے۔

مصائب وشدائد میں اگر کافر خدا کو پکارتا ہے،تو یہ اس کے ایمانِ اضطراری کا نتیجہ ہے۔ اس کے برخلاف اگر مسلمان ان حالات میں خدا کو پکارتا ہے،تو وہ اس کے ایمانِ اختیاری اور صالح نظریات کا ثمرہ ہے۔۔یونہی۔۔کفار اگر بتوں کو پکارتے ہیں،تو ان کو اپنا معبود اور اپنا خدا سمجھ کر پکارتے ہیں۔۔نیز۔۔ان کا باطل گمان ہے، کہ خدا نے ان بے جان پتھروں کو ہمارا شفیع بنادیا ہے جنھیں دنیاوی امور میں ہمارے حق میں اِذن شفاعت مل چکا ہے۔ یہ ہمارے لیے جو چاہیں خدا سے بالجبر کراسکتے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔یہ خدائی اختیارات کے حامل ہیں۔حالانکہ کافروں کے یہ سارے خودساختہ خیالات باطل ہیں۔ نہ تو ان پتھروں کو اِذن شفاعت ملا ہے اور نہ ہی وہ کسی کی شفاعت کرنے پر قادر ہیں۔۔بلکہ۔۔اُن کا کسی کے لیے شفیع نہ ہونا ہی خدائی ارشاد سے ثابت ہے،تو ایسوں کو شفیع قرار دینا جن کا شفیع نہ ہوسکنا 'نص صریح' سے ثابت ہو،ان کافروں کا 'کفرِ صریح' ہے۔اور پھر اپنے ان مزعومہ سفارشیوں کو پوجنا، یہ اُن کا 'شرکِ جلی' ہے۔

اب رہ گیا مسلمانوں کا حال،تو شدائد وتکالیف میں یہ جو انبیاء واولیاء سے توسل کرتے ہیں اور طالبِ امداد ہوتے ہیں،تو وہ اُن کو معبود سمجھ کر نہیں، بلکہ خدا کا محبوب سمجھ کر کرتے ہیں۔ جن کی محبوبیت منصوص ہے۔جنھیں دنیا وآخرت دونوں جگہ کے لیے اِذنِ شفاعت دیا جاچکا ہے۔جن کا شفیع ہونا قرآنِ کریم اور احادیثِ رسول۔۔نیز۔۔ارشاداتِ علمائے ربانیین سے ثابت ہے۔ جو خود مدد مانگنے والے کے نزدیک بھی 'نصرتِ الٰہی' اور 'عونِ ربانی' کے مظاہر ہیں۔اُن کی مدد درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت ہے اور ان سے مدد مانگنی خود ربِّ کریم ہی سے مدد طلب کرنی ہے۔۔الختصر۔۔اُن کو مدد کے لیے پکارنا درحقیقت خدا ہی کو مدد کے لیے پکارنا ہے۔

اُن کی حقیقت اسباب کی ہے، نہ کہ مسبّب الاسباب کی۔ ہر حال میں موثر حقیقی حق تعالیٰ ہی ہے اور یہ محبوبانِ بارگاہ، اُس کے اِطاعت شعار اور فرمانبردار خاص بندے ہیں۔۔۔ مسلمانوں اور کافروں کے عمل میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے، کہ مسلمان جب مصائب و

آلام میں بالواسطہ۔۔یا۔۔ بلاواسطہ رب کریم کو پکارتا ہے اور رب اکرم اُس کو نجات دیدیتا ہے، تو وہ خدا کا شکر گزار ہی ہوتا ہے اور خدا کی پرخلوص اطاعت کی جدوجہد میں لگ جاتا ہے۔اس کے برخلاف کفار کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نجات پاتے ہی ظلم وزیادتی اور کفر وطغیان کے امور انجام دینے لگتے ہیں، تو ایسے لوگوں سے ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

(اَے لوگو! تمہاری زیادتی خود تمہیں پر وبال ہے) یعنی اِس کا وبال خود تم ہی پر پڑے گا اور اس کی سزا صرف تمہیں ملے گی، نہ انہیں جن پر تم بغاوت پھیلا رہے ہو۔ اگرچہ تم یہی سمجھتے ہو، کہ تمہاری اس بغاوت سے انہیں نقصان ہے اور تمہیں فائدہ، اور تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے۔تو سن لو کہ یہ جو (دنیاوی زندگی کا رہن سہن ہے) اس سے چندروزہ نفع اٹھاؤ گے اور تمہیں معلوم ہے کہ دُنیا اور اس کی تمام لذات فانی اور چندروزہ ہیں اور اس کی سزائیں مجرموں کے لیے دائمی اور باقی ہیں۔ جو کوئی برائی کرتا ہے، وہ یقیناً اپنے ساتھ کرتا ہے (پھر ہماری طرف تمہارا لوٹنا ہے، تو ہم بتائیں گے تمہیں جو کیا کرتے تھے) یعنی دُنیا میں جن اعمال کا تم ارتکاب کرتے تھے ان کی تمہیں سخت سزا دیں گے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ اَے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے ہی لیے مضر ہے، اب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے متعلق ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے، جو دُنیا کی لذتوں اور مرغوبات میں منہمک ہو کر آخرت سے اعراض کرتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے پانی، جسکو اتارا ہم نے آسمان سے، پھر گنجان پیدا ہوئی اس سے

نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ

زمین کی سبزیاں، جس کو انسان کھاتا ہے اور چوپائے۔ یہاں تک کہ جب لے لیا

الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ

زمین نے اپنی آرائش کو اور سج گئی، اور وہاں والے سمجھ بیٹھے، کہ وہ قابو پا گئے اس پر،

اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ

کہ آیا اس کے پاس ہمارا عذاب رات یا دن کو، تو کر دیا ہم نے اس کو جلی کٹی، گویا کل ہی نہ تھی۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اس طرح ہم تفصیل فرماتے ہیں آیتوں کی، سوچنے والوں کیلئے●

(دُنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے) بارش کا (پانی، جس کو اُتارا ہم نے آسمان سے) یا ابر سے، (پھر گنجان پیدا ہوئی اس سے زمین کی سبزیاں)۔۔مثلاً: غلہ، پھل اور ساگ وغیرہ (جس کو انسان کھاتا ہے اور) ہری سوکھی گھاس، جس کو (چوپائے) کھاتے ہیں۔ (یہاں تک کہ جب لے لیا زمین نے اپنی آرائش کو اور سج گئی) طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں سے (اور وہاں والے سمجھ بیٹھے کہ وہ قابو پا گئے اس پر)، یعنی اس کی کھیتی کاٹنے اور میوے چننے پر، اچانک ایسا ہوا (کہ آیا اس کے پاس ہمارا عذاب رات یا دن کو) یعنی ہمارا حکم اس کی خرابی کی نسبت پہنچ گیا۔

(تو کر دیا ہم نے اس کو جلی کٹی) یعنی ایسی جیسے کٹی ہوئی۔۔یا۔۔جڑ سے اکھڑی ہوئی (گویا کل ہی) کچھ (نہ تھی)۔ جیسے ہم نے اس مثال میں تفصیل کی (اس طرح ہم تفصیل فرماتے ہیں آیتوں کی) یعنی علیحدہ کرتے ہیں اور ظاہر کر دیتے ہیں ہم اپنی قدرت کی دلیل (سوچنے والوں کے لیے) یعنی اُن کے لیے جو ضرب المثل میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔۔۔

نعمت لُٹ جانے، مال ضائع ہو جانے اور وفورِ اقبال کے بعد ظہورِ ادبار میں حق تعالیٰ دُنیا کو مشابہت دیتا ہے گھاس کے حال کے ساتھ، کہ تر و تازہ ہو کر خشک، بدرنگ اور بے رونق ہو جاتی ہے۔ جس طرح گھاس میں پہلے تو سر سبزی ہے، پھر بدرنگی۔ اُسی طرح دُنیا کی دولت میں بھی پہلے مسرت ہے اور آخر میں حسرت میں کھپنا ہے۔ جس طرح بارش کا پانی آدمی کے حیلے اور تدبیر سے نہیں برستا، بلکہ تقدیر اور مشیتِ الٰہی سے برستا ہے، اُسی طرح دنیا کا مال بھی کوشش، بناوٹ، مکر اور جعل سے مجتمع نہیں ہوتا، بلکہ حکمِ ازلی اور قسمتِ لم یزلی سے ملتا ہے۔

۔۔یونہی۔۔جس طرح بارش کا پانی جب تک جاری رہتا ہے، پاک صاف کہلاتا ہے۔ اور جب کسی جگہ مدت تک ٹھہرا رہتا ہے، تو اُس کا رنگ، بُو، مزہ، سب بدل جاتا ہے، اور فائدہ حاصل ہونا اس سے جاتا رہتا ہے۔ اُسی طرح دُنیا کا مال بھی اگر جواں مردوں کے خرچ کرنے سے مختلف ہاتھوں میں اِدھر اُدھر پھرتا رہے، تو اچھا اور مقبول ہوتا ہے اور اگر بخیلوں اور خسیسوں کے بخل اور اِمساک میں پھنسا، تو بُرا اور نامقبول ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جس طرح پانی انداز سے بقدر حاجت برستا ہے، تو آدمیوں کی آسائش اور اہل عالم کی آرائش کا سبب ہوتا ہے، اور اگر حد سے زیادہ برستا ہے، تو عالم کی خرابی اور بنی آدم کی حیرانی کا باعث ہوتا ہے۔ اِسی طرح مالِ دُنیا بھی جب بقدرِ حاجت ہاتھ آتا ہے، تو دین و دُنیا کے مقاصد بر آتے ہیں اور دور و نزدیک اس کا فائدہ پہنچتا ہے، اور جب مالِ دُنیا

زیادہ ہوجاتا ہے اور خزانہ جمع ہوتا ہے، تو خرابی آتی ہے، آدمی گناہ کرنے لگتا ہے، ادنیٰ اور غریب آدمی کو نظرِ حقارت سے دیکھنے لگتا ہے۔

بارش کے پانی سے مال کی مشابہت کی یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے، کہ پانی جب پھولوں کے درخت پر برستا ہے، تو اُس کی لطافت اور طراوت زیادہ کرتا ہے، اور جب خاردار درخت پر برستا ہے، تو اُس کی تیزی اور قوت بڑھا دیتا ہے۔ دُنیا کے مال کا بھی یہی حال ہے، کہ جب صالح آدمی کو ملتا ہے، تو اُس کی صلاحیت زیادہ کرتا ہے اور اگر مُفسد اور برے آدمی کو ملتا ہے، تو اُس کے فساد اور عناد کا مادہ زیادہ ہوجاتا ہے۔

دونوں میں مشابہت کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے، کہ جس طرح بارش کا پانی زمین پر نہیں ٹھہرتا بلکہ اطراف و جوانب میں بہہ جاتا ہے، اِسی طرح دُنیا کا مال بھی ایک جگہ نہیں رہتا اور ایک شخص کے پاس نہیں تھمتا، بلکہ ہر روز دوسرے ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ دولتِ دنیا ہر شب ایک کے ساتھ عقد مواصلت باندھتی ہے، نہ اُس کے عہد کے ساتھ کچھ وفا ہے اور نہ ہی اُس کی وفا کو کچھ بقا ہے۔ یہی وجہ ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف۔ اور دیتا ہے جسے چاہے سیدھی راہ●

(اور) یہی حکمت ہے کہ اَے لوگو! (اللہ) تعالیٰ تم کو (بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف) جو خوفوں سے سلامتی کی جگہ ہے، یعنی بہشت کی دعوت دیتا ہے اور ایسے کام کی طرف پکارتا ہے جو جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔۔ المختصر۔ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو دُنیا کی طرف نہیں بلاتا جو آفتوں کی جگہ ہے۔

جنت کو دار السلام اس لیے کہتے ہیں، کہ جنتیوں سے ملائکہ کی تحیت یا جنتیوں سے جنتیوں کی صاحب سلامت 'سلام' ہے یا اس واسطے کہ سلام حق تعالیٰ کا نام ہے، تو اس کی طرف جنت کی اضافت تعظیم کے واسطے ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہوا، کہ اللہ تعالیٰ اس گھر سے جس کا اوّل رونا، اوسط عنا، آخر فنا ہے، اپنے بندے کو اس گھر کی طرف بلاتا ہے جس کا شروع عطا ہے، بیچ رضا ہے، آخر بقا ہے۔

انسان جب پیدا ہوتا ہے، تو روتے ہوئے پیدا ہوتا ہے اور پھر تکلیف، محنت، رنج اور

تھکاوٹ کی دُنیا سے گزرنا پڑتا ہے اور آخر میں وقتِ موعود پر اُس کی وفات ہو جاتی ہے۔ یہ رہا پوری دُنیاوی زندگی کا خلاصہ۔ اِس کے برعکس مردِ صالح کی وفات کے وقت سے ہی فرشتوں کے سلام، جنت کی خوشخبریاں۔۔المختصر۔۔رب کریم کی خصوصی فضل وعطا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ رضائے الٰہی کی سند مل جاتی ہے اور پھر وہ لازوال نعمتوں کا مرکزِ نگاہ بن جاتا ہے۔۔الحاصل۔۔حق تعالیٰ اپنا فضل خاص فرماتا ہے۔۔۔

(اور دیتا ہے جسے چاہے سیدھی راہ) جو دار السلام کی طرف تمام ہوتی ہے اور وہ راہِ اسلام ہے۔۔یا۔۔حضرت سید انام ﷺ کی سنت۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ ایک ہے دعوت: یہ عام ہے ہر اُس فرد کے لیے جس کی رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول ﷺ مبعوث فرمائے گئے۔۔الغرض۔۔آپ ﷺ کی دلالت و رہنمائی سب کے لیے ہے اور آپ کی دعوت ہی دعوتِ خداوندی ہے، جو سب کو عام ہے۔ اور ایک چیز ہے ہدایت: تو یہ خاص ہے۔ یہ اُس کو نصیب ہوتی ہے، توفیق الٰہی اور عنایتِ ربانی جس کے شریکِ حال ہو یہ خاص طور سے۔۔۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۚ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۚ

انکے لئے جنھوں نے بھلائی کی ہے بھلائی ہے، اور زیادہ بھی۔ اور نہ چڑھے گی اُن کے چہروں پر سیاہی، اور نہ رسوائی،

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾

وہ جنت والے ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے●

(اُن کے) ہی **(لیے)** ہے **(جنہوں نے بھلائی کی ہے)**، ایسوں ہی کے لیے **(بھلائی ہے اور زیادہ بھی)**۔

اجر سے زیادتی انعام اور تفضل کے طور پر عطا فرمائے گا۔ حُسْنٰی جزائے حسنہ ہے۔ ایک کے بدلے ایک۔ اور زیادتی یہ ہے، کہ ایک کے عوض دس عطا فرماتا ہے۔۔یا۔۔دس سے بھی زیادہ۔۔یا۔۔حُسْنٰی مغفرت ہے، اور زیادتی خوشنودی ہے حضرتِ حق کی۔۔یا۔۔زیادتی محبت ہے بندوں کے دل میں۔۔یا۔۔وہ ہے جو دُنیا میں خدا عطا کرے اور عقبیٰ میں اُس کا حساب نہ لے۔۔یا۔۔ابر ہے، جو جنتیوں پر گزرے گا اور جو کچھ وہ چاہیں گے اُن پر برسائے گا۔ سارے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ زیادتی حق تعالیٰ کی لقاء ہے کہ محض اپنے کرم سے جنتیوں کو عطا فرمائے گا۔

(اور نہ چڑھے گی اُن کے چہروں پر سیاہی اور نہ رُسوائی) یعنی ان جنتیوں کے چہروں پر ذلت و رُسوائی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ (وہ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ

اور جنھوں نے کمایا گناہوں کو، تو ہر گناہ کی سزا اسی کے ایسا ہے۔ اور ان پر رسوائی چڑھے گی۔

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا

ان کا کوئی نہیں ہے اللہ سے بچانے والا۔ گویا لگا دی گئیں ان کے چہروں پر تہہ پر تہہ

مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

اندھیری راتیں۔ وہ ہیں جہنم والے۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے●

(اور) اُن کے برخلاف (جنھوں نے کمایا گناہوں کو) اور شرک و کفر و نفاق میں مبتلا ہوئے، (تو ہر گناہ کی سزا اسی کے ایسا ہے) یعنی جو انہوں نے کی اُس پر زیادتی نہیں۔ (اور ان پر رسوائی چڑھے گی) یعنی ذلیل ہونے کے آثار اُن برائیاں کرنے والوں پر ظاہر ہوں گے۔ (اُن کا کوئی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب (سے بچانے والا)، یعنی ان سے کوئی عذاب کو نہ روکے گا، (گویا لگا دی گئیں اُن کے چہروں پر تہہ پر تہہ اندھیری راتیں) یعنی رنج و غم میں اُن کے منہ ایسے کالے ہو جائیں گے، جیسے اندھیری رات ہوتی ہے۔ (وہ) مشرکین و منافقین (ہیں جہنم والے، اس میں ہمیشہ رہنے والے) یعنی انہیں عذاب سے کبھی رہائی نہیں ہوگی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ

جس دن حشر فرمائیں گے ہم ان سب کا، پھر حکم دینگے جنھوں نے ہمارا شریک بنایا تھا، کہ اپنی جگہ رہو تم اور تمہارے بنائے شریک

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ

پھر پھوٹ ڈال دی ہم نے ان میں، اور بولے ان کے ساختہ شریک، کہ تم ہم کو تو پوجتے نہ تھے● اللہ کافی

شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

گواہ ہے ہمارے تمہارے درمیان، کہ ہم تمہاری پوجا سے بے خبر تھے●

(اور) ڈرو اس دن سے (جس دن حشر فرمائیں گے ہم ان سب) نیکوں اور بدوں (کا، پھر

حکم) دے (دیں گے) انھیں (جنہوں نے ہمارا شریک بنایا تھا کہ اپنی جگہ رہو تم اور تمہارے بنائے شریک) یعنی بت، تا کہ دیکھو تم کہ تمہارے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں۔ (پھر پھوٹ ڈالدی ہم نے ان میں) پھر ہم پوچھیں گے کافروں سے کہ تم نے بتوں کی پرستش کیوں کی؟ کافر کہیں گے، کہ ان بتوں نے اپنی عبادت کا حکم کیا تھا۔ حق تعالیٰ بتوں کو گویائی عطا فرمائے گا، تا کہ وہ ان کا جواب دیں۔ تو جواب دیا (اور بولے ان کے) خود (ساختہ شریک، کہ تم ہم کو تو پوجتے نہ تھے) بلکہ اپنی خواہش کی تم پرستش کرتے تھے۔ کافر جھگڑا شروع کریں گے کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ تم نے اپنی پرستش کا ہمیں حکم کیا تھا، تو بت کہیں گے، کہ (اللہ) تعالیٰ (کافی گواہ ہے ہمارے تمہارے درمیان کہ ہم تمہاری پوجا سے بے خبر تھے) اس واسطے، کہ ہم نہ دیکھتے تھے، نہ سنتے تھے اور نہ عقل رکھتے تھے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ

وہاں جانچ کرلے گی ہر جان جو وہ کر چکی ہے، اور پھیر دیے گئے اللہ کی طرف، ان کا مولیٰ حق،

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۳۰

اور گم ہو گئے ان سے جن کو گڑھا کرتے تھے●

ربع ۳/۴ الحزب

(وہاں جانچ کرلے گی ہر جان جو وہ کر چکی ہے)، یعنی اپنے کیے ہوئے اور پہلے سے بھیجے ہوئے عمل کا نفع وضرر خود دیکھ لے گی۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ سب کے سب (پھیر دیے گئے اللہ) تعالیٰ کے ثواب وعذاب (کی طرف)۔ وہ اللہ جو (ان کا مولیٰ) بر (حق) ہے اور اُن کے کاموں کا متولی ہے درستی کے ساتھ، (اور گم ہو گئے ان) کافروں (سے جن کو گڑھا کرتے تھے) اور افتراء کرتے تھے کہ بت ہماری شفاعت کرنے والے ہیں، حالانکہ بت ان سے بیزار ہوں گے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

پوچھو "کہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے؟ یا کون مالک ہے کانوں اور آنکھوں کا؟

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

اور کون نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے، اور بے جان کو جاندار سے؟

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۱

اور کون تدبیر فرماتا ہے کام کی؟" تو جواب دینگے "کہ اللہ"۔ پھر ڈانٹو "کہ کیوں نہیں ڈرتے"●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت فرمائی تھی اور اگلی ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اُن کے مذہب کا بطلان اور اسلام کی حقانیت کو واضح فرما رہا ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق، حواس اور موت وحیات کے احوال سے استدلال فرمایا ہے۔۔۔رزق سے استدلال کی وجہ یہ ہے، کہ انسان کی نشو ونما غذا سے ہوتی ہے اور غذا سبزیوں اور پھلوں سے حاصل ہوتی ہے۔۔یا۔۔گوشت سے اور گوشت کا مآل بھی نباتات ہیں، کیونکہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کی غذا بھی زمین کی پیداوار ہے، اور زمین کی پیداوار آسمان سے برسنے والے پانی اور زمین کی روئیدگی پر موقوف ہے اور زمین اور آسمان کا نظام چلانے والا صرف اللہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہے۔اور حواس میں سب سے اشرف کان اور آنکھیں ہیں، کیونکہ یہی علم اور ادراک کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کیا ہی اچھی بات ارشاد فرمائی، پاک ہے وہ ذات جس نے چربی سے دکھایا اور ہڈی سے سنایا اور گوشت کے ایک پارچہ کو گویائی بخشی۔پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے، جس طرح اس نے انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے نکالا جو بظاہر بے جان ہیں۔۔یا۔۔جس طرح اس نے مومن کو کافر سے پیدا کیا اور اس نے فرمایا وہ زندہ سے مُردے کو نکالتا ہے، جس طرح اس نے نطفہ اور انڈے کو انسان اور پرندے سے نکالا۔۔یا۔۔جس طرح اس نے کافر کو مومن سے پیدا کیا۔

تو اے کافرو! جب تمہیں یہ اعتراف ہے اور اقرار ہے، کہ زمین اور آسمان سے رزق دینے والا، اور انسانوں کو حواس دینے والا اور موت اور حیات کو پیدا کرنے والا اور اس تمام نظام کائنات کو چلانے والا صرف اللہ ہے، تو پھر تم اللہ کے لیے شریک کیوں بناتے ہو؟ اور شریک بنانے پر اللہ کی گرفت اور عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے؟ ۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ اے محبوب!۔۔۔

(پوچھو کہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے) آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے ساگ پات اور غلہ اُگاتا ہے۔**(یا کون مالک ہے کانوں اور آنکھوں کا)** یعنی کون ہے جو سماعت وبصارت پیدا کرتا ہے اور آفتوں سے اُنہیں بچاتا ہے۔**(اور کون نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے؟)** یعنی حیوان کو نطفے سے اور نباتات کو بیج سے، **(اور بے جان کو جاندار سے؟)** یعنی نطفے اور بیج کو

حیوان اور نبات سے (اور کون تدبیر فرماتا ہے کام کی؟) یعنی اہل عالم کے کاموں کی، اور آسان کرتا ہے لوگوں کی مشکلیں۔ یہ تعمیم ہے تخصیص کے بعد۔

تو اے محبوب! جب تم کافروں سے یہ سوال کروگے، تو نہایت صاف اور ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ معاندانہ جواب نہ دے سکیں گے، اور نہ ہی جھگڑا کرسکیں گے اور انھیں سچائی کا اعتراف کرنا پڑے گا، (تو جواب دیں گے، کہ اللہ)۔ ان کا یہ اقرار بہت بڑی دلیل ہے، کہ اُن کا بُت پرستی کا طریقہ باطل ہے، جس کا انھیں بھی احساس ہے۔ (پھر) ان کو (ڈانٹو، کہ کیوں نہیں ڈرتے) یعنی ان سے ڈپٹ کے فرماؤ، کہ جب تمہیں اقرار ہے کہ مذکورہ بالا امور کو انجام دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو تم اس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے اور بتوں کو اس کا شریک کیوں کرتے ہو۔ یاد رکھو جس میں یہ صفتیں ہوں جو ابھی بیان ہوئیں۔۔۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ ۖ فَأَنّٰى تُصْرَفُونَ ﴿۳۲﴾

یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار حق۔ پھر حق کے بعد کیا ہے؟ مگر گمراہی۔ تو کدھر پھر رہے ہو؟●

(یہ ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارا پرودگار) بر (حق) جس کی ربوبیت اس طرح ثابت ہے کہ اس کے ثبوت میں شک کو ہرگز دخل ہی نہیں۔ (پھر حق) بیان کردینے اور سچ کہہ دینے (کے بعد) یعنی اعتراف حق کے باوجود اُسے چھوڑنا (کیا ہے؟ مگر گمراہی)۔۔ المختصر۔۔ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے سوا اور کیا ہے، (تو) جان بوجھ کر حق سے باطل کی طرف اور توحید سے شرک کی طرف۔۔ الغرض۔۔ (کدھر پھر رہے ہو) کچھ تو سمجھ سے کام لو۔۔۔ جس طرح کہ حق تعالیٰ کو ربوبیت سزاوار ہے۔۔۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾

اسی طرح کلمۃ الحق ہے تمہارے پروردگار کا ان پر، جو نافرمان ہو چکے، کہ نہ مانیں گے●

(اسی طرح کلمۃ الحق ہے تمہارے پروردگار کا ان پر جو نافرمان ہو چکے، کہ نہ مانیں گے) یعنی اسی طرح فاسقوں پر آپ کے رب کے دلائل قائم ہو چکے ہیں اور بحکم الٰہی ان پر عذاب خداوندی واجب ہو چکا ہے۔ وہ فاسقین جو دائرۂ اصلاح سے نکل چکے ہیں اور اپنے کفر میں تمرد اختیار کرلیا ہے اور ضد اور ہٹ دھرمی سے اپنے کفر پر قائم ہیں اور معجزات اور دلائل پیش کیے جانے کے باوجود اپنے

آباء واجداد کی اندھی تقلید سے توبہ نہیں کرتے اور وہ اپنے کفر وعناد میں اس حد تک پہنچ چکے، کہ علم الٰہی میں وہ ایمان لانے والے نہیں، تو اگرچہ فی نفسہٖ وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں، لیکن خارجی عوارض و علل کی وجہ سے ایمان لانے کی توفیق سے محروم ہو گئے ہیں۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

پوچھو کہ کیا تمہارے گڑھے شریکوں میں کوئی ہے، جو پہلے بھی پیدا کرے اور پھر دوبارہ بھی؟

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٤﴾

خود بتادو کہ اللہ پہلے بھی پیدا کرتا ہے، پھر دوبارہ بھی، تو کہاں اوندھے ہوتے ہو؟●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات پر دلائل قائم کیے ہیں اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمانے پر دلائل قائم فرمارہا ہے، کہ جو ذات ابتداءً مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر ہے، تو وہ دوبارہ بھی اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ سے فرماتا ہے، کہ اے محبوب! ان مشرکین سے کہیے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو، کیا وہ بغیر مادّے کے کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں؟ اور پیدا کرنے کے بعد کیا ان کو فنا کر سکتے ہیں؟ اور پھر دوبارہ اس کو اسی شکل وصورت میں پیدا کر سکتے ہیں؟ اور کیا ان میں سے کسی نے دعویٰ کیا ہے؟ اور اس میں یہ واضح اور قطعی دلیل ہے، کہ ان کا جو یہ دعویٰ ہے کہ یہ بت، اللہ کے سوا رب ہیں، اور یہ استحقاقِ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، وہ اپنے اس دعویٰ میں کذاب اور مفتری ہیں۔

اس کے بعد فرمایا اے محبوب! ان مشرکین سے کہہ دیجیے، کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، کیا یہ کسی ایسے شخص کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں جو سیدھا راستہ گم کر چکا ہو؟ یہ خود اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے، کہ اُن کے خود ساختہ معبود کسی گم کردہ راہ کو راستہ دکھا سکتے ہیں۔ کیونکہ بالفرض اگر یہ ایسا دعویٰ کریں بھی، تو مشاہدہ اور واقعہ ان کی تکذیب کردے گا۔ اور جب یہ اقرار کرلیں، کہ اُن کے اختراعی معبود کسی گم کردہ راہ کو راستہ نہیں دکھا سکتے، تو پھر ان سے کہیے کہ اللہ تو گمراہوں کو حق کی ہدایت دیتا ہے۔ تو جو گمراہوں کو حق کی ہدایت دیتا ہے وہ اس کا مستحق ہے، کہ اس کی دعوت پر لبیک کہی جائے۔۔یا۔۔وہ جو بغیر ہدایت دیے خود بھی ہدایت نہ پاسکے۔

کیا تم یہ نہیں جانتے کہ جو حق کی ہدایت دیتا ہے، وہ اس کی بہ نسبت اطاعت وفرمانبرداری کا زیادہ مستحق ہے، جو بغیر کسی کی ہدایت دینے کے از خود ہدایت نہ پا سکتا ہو۔ لہٰذا تم ان بتوں کی عبادت کو ترک کر کے اس کی اطاعت اور عبادت کرو جو خشکی اور سمندروں میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھاتا ہے اور اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادت کرو، نہ کہ ان بتوں کی جن کو تم نے بغیر کسی دلیل کے اللہ کا شریک بنالیا ہے۔۔الحاصل۔۔اے محبوب!۔۔۔

(پوچھو کہ کیا تمہارے گڑھے) ہوئے (شریکوں میں) یعنی بتوں میں جنہیں خدا کا شریک کر کے تم پوجتے ہو (کوئی ہے جو پہلے بھی پیدا کرے اور پھر دوبارہ بھی؟) موت کے بعد زندہ کرے۔ اور چونکہ کفار پہلی بار پیدا کرنے کے مقر تھے اور دوبارہ پیدا کرنے کے منکر، اور عناد کی وجہ سے اس کا اقرار نہیں کرتے تھے، تو حق تعالیٰ نے خود فرمایا۔۔۔

اے محبوب! (خود بتادو کہ اللہ) تعالیٰ (پہلے بھی پیدا کرتا ہے پھر) موت کے بعد (دوبارہ بھی) اس کے فنا ہو جانے کے بعد۔ (تو کہاں اوندھے ہوتے ہو) اور پھرے جاتے ہو راہِ راست سے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ

پوچھو کہ "کیا تمہارے فرضی شریک میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھائے؟" بتادو" کہ اللہ

يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ

راہ حق دیتا ہے"۔ تو جو رہنمائے حق ہو، وہ زیادہ مستحق ہے کہ اسکی پیروی کی جائے، یا وہ جو راہ

لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵

نہیں پاتا بغیر اس کے کہ کوئی راہ دے دے؟ تو تمہیں کیا ہو گیا؟۔۔۔ کیسا فیصلہ کرتے ہو؟●

اے محبوب! (پوچھو کہ کیا تمہارے فرضی شریک میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھائے) رسول بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے، اور قدرت میں غور کرنے کی توفیق دے کر۔ یعنی دلیلیں قائم کرے، تاکہ راہ پائیں لوگ دینِ حق یعنی اسلام تک پہنچنے کی؟ اے محبوب! اس سوال کا صحیح جواب یہ مشرکین کیا دے پائیں گے، تو تم ہی ان پر یہ حقیقت واضح کر دو اور (بتادو، کہ اللہ) تعالیٰ (راہِ حق دیتا ہے) اور وہی ساری مخلوق کو حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ (تو) غور کرو کہ (جو رہنمائے حق ہو وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، یا وہ جو راہ نہیں پاتا بغیر اس کے کہ کوئی راہ دے دے)۔

بت پرست بتوں کو چارپایوں پر باندھ کر اِدھر سے اُدھر لے جاتے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ جو تمہیں راہ دکھائے کیا وہ اس کے برابر ہے جسے تم راہ دکھاتے ہو، اور جانوروں پر لادے لیے پھرتے ہو۔

(تو تمہیں کیا ہوگیا؟ کیسا فیصلہ کرتے ہو؟) کہ جس کے تم محتاج ہو، اس کے ساتھ انھیں برابری دیتے ہو جو تمہارے محتاج ہیں؟ عاجز اور قادر کو یکساں جانتے ہو؟ ایسا وہ کیوں کرتے ہیں؟ اس کے پیچھے اصل حقیقت یہ ہے، کہ اُن کے رؤسا اپنے اعتقاد میں ظن وتخمین سے کام لیتے ہیں۔۔۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ

اور نہیں چلتے ان کے اکثر، مگر گمان پر۔ بے شک گمان نہیں کام آتا کچھ حق بتانے میں۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

بے شک اللہ دانا ہے جو وہ کرتے ہیں●

(اور نہیں چلتے اُن کے اکثر مگر گمان پر) جس کی وجہ سے اپنے فضول خیالات اور مہمل قیاسات کی بنیاد پر غائب کو حاضر پر اور خالق کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں۔ اور یہ بھی نہیں سمجھتے کہ ظن وتخمین اور قیاس وخبر اسی وقت قابلِ لحاظ ہوتے ہیں، جبکہ وہ دلائلِ قطعیہ اور براہین قاطعہ کے خلاف نہ ہوں۔

مشرکین کا اپنے بتوں کی پرستش کرنا اپنے ظن کی بناء پر تھا اور ان کا یہ ظن ان دلائل یقینیہ اور براہین قطعیہ کے خلاف تھا، جو شرک کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں۔ ایسے ہی ابلیس نے قیاس کر کے خود کو حضرت آدم سے افضل کہا تھا۔ سو یہ قیاس، دلیل قطعی کے خلاف تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، کہ سب آدم کو سجدہ کریں۔ ظاہر ہوگیا۔۔۔

(بے شک) وہ (گمان) جو دلائل یقینیہ اور براہین قطعیہ کے خلاف ہو، وہ (نہیں کام آتا کچھ حق بتانے میں)۔۔ الغرض۔۔ گمان اور خیال، حق اور یقین کے قائم مقام نہیں ہوسکتے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (دانا ہے جو وہ کرتے ہیں) خواہ ان کا اپنے گمان پر بتوں کی پرستش کرنا ہو۔۔ یا۔۔ توحید کے دلائل و براہین کا انکار وغیرہ، اللہ تعالیٰ سب کا جاننے والا ہے۔ اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ

اور نہیں ہے یہ قرآن، اللہ کو چھوڑ کر گڑھا ہوا، لیکن تصدیق اس کی

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾

جو اسکے آگے ہے، اور تفصیل نوشتہ قدرت کی، کوئی بھی شک نہیں اس میں، کہ سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے ہے●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل قائم کیے تھے اور شرک کا بطلان ظاہر فرمایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل قائم کیے ہیں اور آپ کی نبوت پر جو اُن کے شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا ہے۔ ان کا ایک شبہ یہ تھا، کہ اس قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ نے ازخود تصنیف کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا اس طرح ازالہ فرمایا، کہ یہ قرآن ایسی چیز نہیں ہے، کہ اللہ کی وحی کے بغیر اس کو گڑھ لیا جائے۔ لیکن یہ موجودہ آسمانی کتابوں کی تصدیق ہے۔ تو سنو۔۔۔

(اور) یاد رکھو! کہ (نہیں ہے یہ قرآن اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر گڑھا ہوا) یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ قرآن کسی بشر کا اِفتراء کیا ہوا ہو، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے سوا کسی کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ الختصر۔۔ یہ کسی بشر کی افترائی تصنیف نہیں ہے (لیکن) یہ منجانب اللہ (تصدیق) ہے (اس) ہدایت (کی جو) پہلے نازل کی جا چکی اور آسمانی صحیفوں کی صورت میں (اس کے آگے) اور سامنے موجود (ہے)۔۔ الغرض۔۔ اعجاز کے ساتھ اگلی کتابوں کی گواہ بھی ہے (اور) ساتھ ہی ساتھ (تفصیل) ہے اوامر ونواہی کے تعلق سے (نوشتۂ قدرت کی، کوئی بھی شک نہیں اس میں کہ سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے ہے) مگر کافر اس پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ کہتے ہیں، اور۔۔۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

کیا بولی بولتے ہیں" کہ اسکو دل سے گڑھ لیا ہے"۔ تم منہ توڑ دو" کہ بنا لاؤ اسکی طرح ایک سورت اور بلا لو جس کو پا سکو،

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾

اپنے اللہ کو چھوڑ کر بنائے ہوؤں کو، اگر سچے ہو"●

(کیا بولی بولتے ہیں کہ اس کو دل سے گڑھ لیا ہے)۔ تو اے محبوب! (تم) ان کو (منہ توڑ)

جواب (دو، کہ) اگر یہ تمہارے خیال کے مطابق انسان کی بنائی ہوئی چیز ہے، تو (بنالاؤ اس کی طرح ایک سورت) جو فصاحت و بلاغت میں اس کے مثل ہو۔ اس واسطے، کہ تم لوگ 'نظم بلیغ' اور 'نثر فصیح' میں مشہورِ زماں اور سر آمدِ دوراں ہو، اور اگر تم خود مقابلہ نہیں کر سکتے (اور) اس کے مثل لانے پر قادر نہیں ہو، تو (بلالو جس کو پاسکو اپنے) خود ساختہ اور وہ بھی (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر بنائے ہوؤں کو) ۔۔ الختصر۔۔ اللہ کے سوا جس کو بھی چاہو اپنی مدد کے لیے بلالو، تاکہ وہ غیر تمہاری مددگاری کرے اور اس قرآن کے مثل بنادے (اگر سچے ہو) اس بات میں کہ محمد ﷺ اپنی طرف سے بنالیتے ہیں۔

اس چیلنج کے مقابلے میں کافر ایک سورت بھی نہ لاسکے۔۔۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ

بلکہ جھٹلا دیا اسے جو ان کے احاطہ علم سے باہر ہے، اور ابھی تک نہیں آیا ان تک اس کا نتیجہ۔ اسی طرح جھٹلا دیا تھا ان کے

مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾

پہلوں نے، تو دیکھ لو کہ کیسا انجام ہوا ظالموں کا●

(بلکہ جھٹلا دیا اسے جو اُن کے احاطہ علم سے باہر ہے) ۔۔ الختصر۔۔ قرآن کریم سن کر اس کی آیتوں میں غور و فکر کرنے کے قبل ہی تکذیب اور انکار کرنے لگے (اور ابھی تک نہیں آیا ان تک اس کا نتیجہ) یعنی قرآن کی حقیقت اور اس کا معنی ان پر نہیں کھلے اور ان کا ذہن قرآنی اسرار و دقائق تک نہیں پہنچا۔ یا یہ کہ۔۔ تکذیب کی انہوں نے جو کچھ نہ سمجھے قرآن میں، بعث و جزاء کا ذکر اور وعید اور عذاب۔ اور نہ آیا ان پر وہ عذاب جس کا وعدہ تھا۔ اور ضرور آئے گا عذاب اور آجانے کے بعد ندامت کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور وہ ندامت بھی کچھ کام نہ آئے گی۔۔۔

تو اے محبوب! اُن کے جھٹلانے پر رنجیدہ خاطر نہ ہو، اس لیے کہ حق کی تکذیب ان کی موروثی عادت ہے۔۔ چنانچہ۔۔ جیسے تمہارے زمانے کے کافر تکذیب کرتے ہیں (اسی طرح جھٹلا دیا تھا) اپنے انبیاء کو (ان کے پہلوں نے) یعنی اُن کے مورثین نے، (تو) اپنی نگاہِ علم و ادراک سے (دیکھ لو، کہ کیسا انجام ہوا ظالموں) اور تکذیب کرنے والوں (کا) ۔۔ الغرض۔۔ ان پر بھی ویسا ہی عذاب ہوگا جیسا کہ اُن کے پہلے ظالموں اور تکذیب کرنے والوں پر ہوا۔ اے محبوب! ان کافروں کا یہ حال ہے۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۴۰

اوران میں سے بعض اسے مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے۔ اور تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے فسادیوں کو●

(اور) ان کی یہ روش ہے، کہ (ان میں سے بعض اسے) یعنی قرآن کریم کو دل سے (مانتے ہیں) اور اس کی سچائی کے معترف ہیں، لیکن عناد و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتے (اور بعض نہیں مانتے) یعنی غباوت اور قلت تدبر کی وجہ سے، سرے سے قرآن مجید کی صداقت وحقانیت کو مانتے ہی نہیں۔

۔۔یا۔۔ اس کا مطلب یہ ہے، کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو عنقریب ایمان لائیں گے اور کفر سے توبہ کرلیں گے، اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کر لینے کی استعداد موجود ہے۔

اور بعض وہ ہیں جن کی موت کفر پر آئے گی، یعنی مرتے دم تک قرآن مجید کو نہیں مانیں گے، اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کرنے کی اِستعداد نہیں۔ (اور تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے فسادیوں کو) اور اسے معلوم ہے کہ ان میں سرکشی اور کفر پر ڈٹ جانے والے کون ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اپنی فطرتِ سلیمہ کی استعداد کو اعمالِ فاسدہ سے ضائع کر دیا ہے۔ اے محبوب! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ باوجود دلائل و براہین قائم کرنے۔۔۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ

اور اگر انھوں نے تم کو جھٹلایا ہے، تو کہہ دو، کہ "میرے لئے میرا عمل ہے، اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بے واسطہ ہو جو

اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۴۱

ہمارا عمل ہے اور میں بیزار ہوں جو تمہارے کرتوت ہیں"●

(اور) حق کو واضح کرنے کے بعد (اگر انہوں نے تم کو جھٹلایا ہے) اور تمہاری تکذیب کی ہے اور اپنے کفر پر مُصر ہیں، (تو) ان سے (کہہ دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے، اور تمہارے لیے تمہارا عمل۔ تم بے واسطہ ہو جو ہمارا عمل ہے اور میں بیزار ہوں جو تمہارے کرتوت ہیں) یعنی آپ ان سے اظہارِ براءت فرمایئے، اس لیے کہ آپ نے ان کو بہت کچھ سمجھایا ہے، لیکن وہ نہیں مانتے، تو انہیں ان کی قسمت پر چھوڑیے۔ پس اگر وہ نافرمانی کرتے ہیں، تو فرمایئے کہ میرے اعمال کی جزاء میرے لیے ہے اور تمہارے اعمال کی جزاء و سزا تمہیں ملے گی۔ تم اس سے بیزار ہو جو میں عمل کرتا ہوں اور

میں ان سے جن کا تم ارتکاب کرتے ہو۔

دراصل اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے، کہ اگر یہ مشرکین آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود مسلمان نہیں ہوتے، تو آپ غم اور فکر نہ کریں۔ آپ کو اپنی تبلیغ پر ثواب ملے گا اور ان کو اسلام نہ قبول کرنے کی سزا ملے گی۔ کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔

سورۂ زیر تفسیر کی آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دو قسمیں کی تھیں: بعض آپ پر ایمان لائیں گے اور بعض ایمان نہیں لائیں گے، پھر ایمان نہ لانے والوں کی دو قسمیں کی تھیں، بعض وہ ہیں جو بغض وعناد کی آخری حد تک پہنچے ہوئے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اس طرح نہیں ہیں۔

جو بغض وعناد کی آخری حد تک پہنچے ہوئے ہیں، ان کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں جن میں پہلی کے تعلق سے ارشاد فرمایا۔۔۔

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٢﴾

اور ان میں بعض، کان تمہاری جانب لگا کر رہ جاتے ہیں۔ تو کیا تم نہ سننے والے کو سنا دو گے؟ گو وہ عقل نہ رکھیں●

(اور اُن میں بعض کان تمہاری جانب لگا کر رہ جاتے ہیں) جس وقت تو قرآن پڑھتا ہے اور امت کو احکام شرع کی تعلیم کرتا ہے، اس واسطے سنا کرتے ہیں کہ ہنسی کریں اس پر۔ ان کی مثال بہروں جیسی ہے، کیونکہ جب ایک انسان دوسرے انسان سے حد سے زیادہ بغض اور عناد رکھے، تو وہ ہر اعتبار سے اس کی برائی کا طالب ہوتا ہے اور ہر لحاظ سے اس کی اچھائی سے اعراض کرتا ہے۔ تو جس طرح بہرا شخص کسی کی بات سن نہیں سکتا، اسی طرح یہ مشرکین بھی آپ کے کلام کے محاسن اور فضائل کا ادراک نہیں کرتے، گویا کہ انہوں نے آپ کا کلام سنا ہی نہیں۔ ایسوں کو قبولیت والا سنانا اور اپنی ہدایت منوالینا آپ کی ذمہ داری نہیں۔

اے محبوب! غور کرو (تو کیا تم نہ سننے والے کو سنا دو گے؟) یعنی جنہوں نے اپنے خبث باطنی کے سبب طے کر رکھا ہے کہ ہم نہیں مانیں گے، انھیں منوا دو گے؟ (گو وہ عقل نہ رکھیں) یعنی یہ ایسے بہرے ہیں جن کے ساتھ بے عقلی اور نہ سمجھ سکنے کی صلاحیت بھی ملی ہوئی ہے۔ اگر بالفرض وہ سمجھ والے اور عقل والے بہرے ہوتے، تو اُس آواز سے جو کچھ بھی اُن کے کان میں پہنچتی ہے کسی چیز پر دلیل پکڑ سکتے تھے۔ جیسے سمجھ دار بہرے اشاروں کنایوں سے بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی بہت کچھ سمجھا دیتے

ہیں۔لیکن جب سمجھ اور سماعت دونوں ندارد ہوں، تو ظاہر ہے کہ اس بے عقل بہرے کا کیا حال ہوگا۔
یہ تو رہی بغض وعناد والوں کے تعلق سے پہلی مثال۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿٤٣﴾

اور ان میں بعض تمہیں دیکھ کر رہ جاتے ہیں۔ تو کیا تم اندھوں کو راہ دکھادو گے؟ گو وہ بے سوجھ کے ہوں●

(اور) انہیں کے تعلق سے دوسری مثال یہ ہے، کہ (ان میں بعض) وہ ہیں جو (تمہیں دیکھ کر رہ جاتے ہیں) یعنی تیری نبوت کی دلیلیں اور سچائی کی نشانیاں دیکھتے ہیں، مگر کمالِ عناد کی وجہ سے ایسا ظاہر کرتے ہیں، کہ رسالت کی دلیلوں میں سے انہوں نے کچھ بھی ابھی نہیں دیکھا۔ تو یہ اندھوں کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کمالات اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں، یہ ان کا ادراک نہیں کرتے، گویا کہ آپ کو دیکھتے ہی نہیں۔ (تو کیا تم) ایسے (اندھوں کو راہ دکھادو گے؟) اور انہیں راہِ حق پر پہنچادو گے؟ (گو وہ بے سوچ کے ہوں) یعنی بصارت کے ساتھ ساتھ چشمِ بصیرت سے بھی محروم ہوں۔ ظاہر ہے کہ سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا مقصود دل کی آنکھوں سے دلائلِ اعتبار کو مشاہدہ کرنا ہے اور وہ اس سے محروم ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ بظاہر دیکھتے ہیں اور حقیقتاً نہیں دیکھتے، اس واسطے کہ اندھا پن اور جہالت دونوں ان میں اکٹھا ہیں۔ یعنی آنکھوں کے بھی اندھے ہیں اور دل کے بھی اندھے ہیں۔ اور یہ ممکن ہے کہ اندھا صاحبِ بصیرت اس چیز کو دریافت کرلے جس کے ادراک سے احمق اندھا محروم ہو۔

۔۔الحاصل۔۔اے محبوب! جو لوگ بغض اور عداوت میں بہرے اور اندھے ہونے کی اس حد تک پہنچ چکے ہوں، ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی اتباع کریں گے۔ تو اے محبوب! اگر آپ کی تبلیغ سے یہ مشرکین اسلام قبول نہیں کرتے، تو اس کے لیے آپ فکرمند نہ ہوں اور کچھ غم نہ کریں۔ آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی نہیں ہے۔ کمی تو اُن کے کانوں اور اُن کی آنکھوں میں ہے۔ بغض اور عداوت نے انھیں بہرا اور اندھا کر دیا ہے، یہ توجہ سے آپ کی بات سنتے نہیں اور بصیرت سے آپ کو دیکھتے نہیں۔ پھر اگر یہ آپ کی تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتے، تو اس میں کیا تعجب ہے؟ اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

بے شک اللہ نہیں زیادتی فرماتا لوگوں پر کچھ بھی، لیکن لوگ خود اپنے اوپر اندھیر مچاتے ہیں●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں زیادتی فرماتا لوگوں پر کچھ بھی)، یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کفر و شرک اور بدکاریوں پر مجبور نہیں کرتا، اور نہ ہی ان کی عقلیں اور حواس سلب کرلیتا ہے (لیکن لوگ خود اپنے اوپر اندھیر مچاتے ہیں) اور خود اپنے اختیار سے برے کام کرتے ہیں اور اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اپنے حواس اور عقل جن کے ذریعہ قدرت کی نشانیاں سمجھتے، اُنہیں لہو و لعب میں استعمال کرتے ہیں۔ اِس لیے ان نشانیوں کے سمجھنے سے جو فائدے ہوتے، وہ اُن سے فوت ہوگئے۔ اَے محبوب! ان اندھوں اور بہروں یعنی کفارِ مکہ کو یاد دلا کر ڈراوٴ یومِ قیامت۔۔۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ

اور جس دن ان کا حشر فرمائے گا، گویا نہیں رہے وہ مگر دن کی گھڑی بھر، باہم پہچانیں گے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

بے شک ٹوٹ میں آگئے جنھوں نے جھٹلایا اللہ کے ملنے کو، اور بے راہ تھے●

(اور) اس دن سے (جس دن) اللہ تعالیٰ (ان کا حشر فرمائے گا)۔ اس دن اُن کی یہ کیفیت رہے گی (گویا نہیں رہے وہ) دُنیا میں۔۔یا۔۔اپنی قبروں میں (مگر دن کی گھڑی بھر)۔ یعنی آخرت کا اتنا سخت عذاب ہوگا، کہ اُس کے مقابلے میں دُنیا اور برزخ کا عذاب انہیں اتنا ہی یاد ہوگا، جتنا کہ ارشادِ قرآنی سے ظاہر ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ عذابِ شدید کے سامنے خفیف تر نسیاً منسیا بلکہ بسا اوقات کالعدم ہوتا ہے۔ پہلے تو یاد نہیں رہتا اور اگر کچھ یاد ہوتا ہے، تو بہت معمولی۔

(باہم پہچانیں گے) یعنی جیسے وہ دُنیا میں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے، ایسے ہی قبروں سے اٹھ کر ایک دوسرے کو پہچانیں گے، گویا موت کی وجہ سے ایک دوسرے سے غیر متعارف نہیں ہوئے۔ موت کے بعد کی درمیانی جدائی اُن کے تعارف سے حائل نہ ہوگی۔

یہ قبور سے اٹھنے کے بعد کی بات ہے، ورنہ جب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے اور عذاب کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے، تو پھر ایک دوسرے کو نہ پہچان سکیں گے، بلکہ اکثر ایک دوسرے

سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔۔ ہاں۔۔ انبیاء اور اولیاء اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔۔۔ گویا یہ علیحدہ علیحدہ صورتیں ہیں۔ قبور سے اٹھنے کی حالت علیحدہ ہے اس میں ایک دوسرے کا تعارف ہوگا، پھر محشر میں تعارف منقطع ہو جائے گا۔ حساب و کتاب کے بعد دوزخی بہشتی اپنی اپنی منازل میں چلے جائیں گے، تو اس کے بعد بدستورِ سابق ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔۔ المختصر۔۔ حشر کے دن سب پر ظاہر ہو جائے گا، کہ۔۔۔

(بے شک ٹوٹ میں آگئے جنہوں نے جھٹلایا اللہ) تعالیٰ **(کے ملنے کو)** یعنی بعث اور جزا کے منکر ہو گئے **(اور) وہ (بے راہ تھے)** اور راہ پانے والے نہ تھے۔ تو اے محبوب! اُن کے لیے جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔۔۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اور خواہ ہم تمہیں دکھادیں کچھ عذاب جسکا ہم نے انسے وعدہ کیا ہے، یا تمہاری دنیا کی میعاد پوری کردیں، بہرحال ہماری طرف انکو آنا ہے۔

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور اللہ گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں●

(اور) اب **(خواہ ہم تمہیں دکھادیں کچھ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے)**۔

۔۔ چنانچہ۔۔ جنگ بدر کے موقع پر اُن کی ایک جماعت کی ہلاکت دکھا بھی دی گئی۔

(یا تمہاری دنیا کی میعاد پوری کردیں)۔۔ المختصر۔۔ جن جن عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے، دُنیا میں ان سب کو تمہیں دکھائیں۔۔ یا۔۔ نہ دکھائیں، وہ بہرحال واقع ہوں گے۔ اُن کا حسبِ وعدہ واقع ہونا برحق ہے۔ اور اب اگر دُنیا میں ہم ان سے انتقام نہ لیں اور پھر تو دُنیا میں ان پر عذاب نہ دیکھے، تو اس سے وہ عذاب سے بچ نہیں جاتے، کیونکہ **(بہرحال ہماری طرف ان کو آنا ہے)** تو آخرت میں ہم تجھے ان کا عذاب دکھادیں گے۔

(اور) پس (اللہ) تعالیٰ کفار کے لیے عذابِ موعود دکھانے کے بعد۔۔ یا۔۔ تجھے عمر کے درجۂ کمال تک پہنچانے کے بعد **(گواہ ہے)** اس پر **(جو وہ کرتے ہیں)**۔۔ چنانچہ۔۔ وہ اس کے لائق جزاء پائیں گے۔ اے محبوب! آپ کے ساتھ مشرکین مکہ کی مخالفت کا جو حال ہے، آپ سے پہلے بھی ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم کا ایسا ہی معاملہ تھا۔ چنانچہ۔۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ

اور ہر امت کا ایک رسول ہے، تو جب آ گیا ان کا رسول، فیصلہ کیا گیا ان میں انصاف سے،

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے●

ہر قوم (اور ہر امت کا ایک رسول ہے) جو امت کو راہِ حق کی طرف بلاتا رہا (تو جب آ گیا اُن کا رسول) اور اس امت کے لوگوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو (فیصلہ کیا گیا ان میں) یعنی رسول اور تکذیب کرنے والوں کے درمیان میں (انصاف سے)، یعنی رسول نے تو نجات پائی اور تکذیب کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ (اور وہ) یعنی رسول اور تکذیب کرنے والے (ظلم نہیں کیے جاتے)۔ یعنی رسول کا ثواب ہم کم نہ کریں گے اور تکذیب کرنے والے جس قدر عذاب کے مستحق ہیں ان پر اس سے زیادہ عذاب کرنے کا حکم نہ ہوگا۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾

اور چھیڑتے ہیں "کہ کب پورا ہوگا یہ وعدہ، اگر آپ سچے ہیں"●

سابقہ آیت میں جس عذاب کے دکھانے کی بات کی گئی ہے، اس کے نزول کے بعد کفار نے اس عذاب کا مطالبہ شروع کر دیا۔ چنانچہ۔ استہزاءً۔۔۔

(اور) تمسخر کے طور پر کفار (چھیڑتے ہیں، کہ کب پورا ہوگا یہ وعدہ) آخر یہ عذاب موعود ہم پر کیوں نہیں نازل ہوتا (اگر آپ سچے ہیں) اس وعید میں۔ چونکہ مذکورہ عذاب سے نبی کریم کافروں کو ڈراتے تھے اور آپ سے ہدایت پا کر مسلمان بھی کافروں کو اس سے ڈراتے تھے، اس لیے کافروں نے سب کو مخاطب بنا کر کہا، کہ اگر آپ سب لوگ سچے ہیں کہ ہم پر عذاب نازل ہونے والا ہے، تو جواب دیں، کہ آخر اب تک ہم پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ تو اے محبوب! ان کو۔۔۔

قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ

جواب دو "کہ میں خود سے مالک نہیں ہوں اپنی جان کے نقصان کا اور نفع کا، بے اللہ کے چاہے"۔ ہر امت کا ایک وقت ہے۔

إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾

اور جب ان کا وقت آ گیا، تو نہ پچھڑینگے گھڑی بھر۔ اور نہ بڑھیں گے●

(جواب دو، کہ میں خود سے مالک نہیں ہوں اپنی جان کے نقصان کا اور نفع کا بے اللہ) تعالیٰ (کے چاہے)۔ تو تمہارے واسطے ضرر طلب کرنے اور تم پر عذاب نازل ہونے میں کیوں کر جلدی کروں۔ میری تو خوشی اس میں ہے، کہ تم ایمان لاؤ اور عذاب سے بچ جاؤ، نہ یہ کہ کافر ہو کر مرو اور عذاب کے مستحق ہو جاؤ۔ اور جو چیز آنے والی ہے وہ تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی۔۔ چنانچہ۔۔(ہر امت کا ایک وقت) مقرر (ہے) سفر آخرت کا۔ (اور جب ان کا وقت آ گیا تو نہ پچھڑیں گے گھڑی بھر اور نہ بڑھیں گے)۔۔ الختصر۔۔ جو وقت مقرر ہے اسی وقت موت آ جائے گی۔ ایک پل کے لیے بھی اس کے آگے ہوگی اور نہ پیچھے۔

یہ مشرکوں کو تہدید ہے کہ ساعت بساعت عذاب الٰہی تم پر اترتا آتا ہے اور تکذیب کی شامت وقت پر تمہیں پہنچے گی۔ اور جب عذاب آ جائے گا، تو حسرت اور ندامت بے فائدہ ہوگی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ

دریافت کرو'' کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ اگر آ گیا تمہارے پاس اسکا عذاب سوتی رات یا مشغول دن میں'' تو کس کی جلدی مچائے ہیں

مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾

اس میں سے مجرم لوگ●

اَے محبوب! قبل از وقت نزولِ عذاب کے طلب گاروں سے (دریافت کرو، کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ اگر آ گیا تمہارے پاس اُس کا عذاب سوتی رات) یعنی رات کو جس وقت تم سوتے ہو (یا مشغول دن میں) یعنی دن کو جب تم طلبِ معاش میں مشغول ہوتے ہو۔ تو اس صورت میں تم اپنا بچاؤ بھی تو نہیں کر سکتے، تو سوائے پشیمانی اور شرمندگی کے تمہارے ہاتھ کیا لگے گا۔ پس جب یہ حال ہے، (تو کس کی جلدی مچائے ہیں اس میں سے مجرم لوگ) یعنی آخر وہ کون سی چیز ہے۔ جس کے لیے مجرم لوگ جلدی مچا رہے ہیں۔ عذاب تو کسی قسم کا بھی ہو، وہ تو عذاب ہی ہے۔ تو آخر یہ مجرمین کس طرح کے عذاب کو بعجلت چاہتے ہیں۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾

''کیا پھر جب وہ عذاب آ پڑے تو اس کو تم مانو گے''۔ اچھا اب حالانکہ تم اس کی جلدی مچا رہے تھے●

(کیا پھر جب وہ عذاب آ پڑے تو اس کو تم مانو گے)، یعنی جب قیامت آ جائے گی تب جا کے

قیامت کوتسلیم کروگے۔۔ الحختصر۔۔عذاب آجانے کے بعدان سے کہا جائے گا(اچھاب) مانا تم نے (حالانکہ تم اس کی جلدی مچارہے تھے) اوراس کوجلدازجلد طلب کررہے تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝

پھر کہہ دیا گیا جنھوں نے ظلم کررکھا ہے، کہ چکھو ہمیشہ کا عذاب۔تم کوسزا نہ دی جائے گی، مگر جیسی کمائی کررکھی تھی تم نے●

(پھر کہہ دیا گیا) عذاب نازل ہونے کے بعدان سے (جنھوں نے ظلم کررکھا ہے، کہ چکھو ہمیشہ کا عذاب) جس کا دکھ دائی ہوگا اور یقین رکھو، کہ (تم کوسزا نہ دی جائے گی مگر) اسی کے مطابق، (جیسی) کفروعصیان کی (کمائی کررکھی تھی تم نے)۔اَے محبوب! ذرامدینے کے یہودی حی ابن اخطب کی جسارت تودیکھو، کہ ہجرت سے پہلے بغرضِ تجارت وہ مکہ شریف آیا، وہاں اس نے آپ کی دعوت کا چرچاسنا، تو آپ کی بارگاہ میں حاضرہوکرآپ کی زبان سے قرآنِ شریف سن کرآپ سے پوچھنے لگا، کہ اے محمد ﷺ' یہ دعوت جوتم پیش کرتے ہو، اس کی کچھ حقیقت بھی ہے یا یہ محض ہزلیات کے طور پر ہے اور یہ کلام جوتم پڑھتے ہوراستی کے طور پر ہے یا کھیل اور بازی ہے؟ تو ارشادِ ربانی ہوا، کہ اے محبوب ذرادیکھوتو، کہ یہ منکرین کس انداز سے جاننا چاہتے ہیں۔۔۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

اورٹوہ لیتے ہیں تم سے کہ کیا یہ ٹھیک ہے۔۔۔تم اعلان کردو، کہ "ہاں میرے پروردگار کی قسم یہ بالکل ٹھیک ہے"۔۔اورنہیں ہے کہ تم بھاگ بھاگ کرتھکاسکو●

(اورٹوہ لیتے ہیں تم سے کہ کیا یہ ٹھیک ہے؟) یعنی کیا یہ قرآن واقعی خدا کا کلام ہے اورآپ واقعی خدا کے رسول ہیں؟ تو اے محبوب! (تم اعلان کردو، کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم یہ بالکل ٹھیک ہے) یعنی میرادعویٰ نبوت۔۔یا۔۔قرآن۔۔یا۔۔بعث۔۔یا۔۔عذابِ موعود، حق اورصحیح اوردرست ہے۔(اورنہیں ہے کہ تم بھاگ بھاگ کرتھکاسکو) اورخداکوعذاب کرنے سے عاجز کردو۔یادرکھو، کہ اس کی قدرت میں عاجزی کودخل نہیں اورتم اپنے اوپر سے اس کا عذاب روک نہ سکوگے۔۔الحختصر۔ قیامت کادن آکے رہے گا۔

اب اگلی آیت میں اس دن کی تین صفات بیان فرمائی ہیں:﴿۱﴾۔۔ظالم کے اگربس میں

ہوتا، تو دُنیا کی ساری دولت دے کر بھی اپنے کو عذاب سے چھڑا لیتا، ﴿۲﴾۔۔ظالم عذاب کو دیکھ کر اپنی پشیمانی چھپائیں گے۔ ﴿۳﴾۔۔اُن کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

اور اگر ہر جان کی جس نے ظلم کیا ہے، زمین کی ہر چیز ہوتی، تو اپنی بچت کیلئے دے دیتی۔ اور دل میں بڑے جھینپے

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

جب کہ دیکھ لیا عذاب کو۔ اور فیصلہ فرمادیا گیا ان کا انصاف سے۔ اور وہ لوگ ظلم نہ کیے جائینگے●

(اور) واضح فرمادیا جاتا ہے، کہ (اگر ہر جان کی جس نے ظلم کیا ہے زمین کی ہر چیز ہوتی) اور وہ زمین کے سارے مال و متاع کی مالک ہوتی اور ان سب کو بطور فِدیہ دے دینے میں چھٹکارا مل سکتا، (تو اپنی بچت کے لیے دے دیتی)۔ اور ظاہر ہے کہ نہ ایسا ہو سکے گا اور نہ ہی اُسے عذاب سے چھٹکارا مل سکے گا۔ ان حالات میں وہ بہت پچھتاوے میں رہے (اور دل میں بڑے جھینپے جبکہ دیکھ لیا عذاب کو اور فیصلہ فرمادیا گیا ان کا انصاف سے) یعنی مومنوں اور کافروں کے درمیان۔۔یا۔۔سرداروں اور فرمانبرداروں کے بیچ۔۔یا۔۔ظالموں اور مظلوموں کے مابین، انصاف اور درستگی کے ساتھ فیصلہ کردیا گیا اور جو جس جزاء کا مستحق تھا اُسے وہ دے دی گئی، تو سنو (اور) یاد رکھو کہ (وہ لوگ ظلم نہ کیے جائیں گے) ثواب گھٹا کر اور عذاب بڑھا کر، یعنی نہ تو ان کا ثواب گھٹایا جائے گا اور نہ ہی ان کا عذاب بڑھایا جائے گا۔

رہ گئی ان کی مذکورہ بالا پشیمانی، تو کچھ لوگ تو اپنے اعمالِ شرک پر ندامت ظاہر کریں گے اور کچھ لوگ اپنے یاروں اور ہواخواہوں سے منہ چھپائیں گے، کہ کہیں وہ ہماری لعنت و ملامت نہ شروع کردیں۔۔یا یہ کہ۔۔عذاب کے ہول سے مبہوت ہوکر بولنے کی قدرت نہ رکھیں گے۔۔الحاصل۔۔اگر ہر ظالم کی ملکیت میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں، تو وہ عذاب سے بچنے کے لیے ان سبھوں کو ضرور دے ڈالتا۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے، کہ ظالم کی ملکیت میں کوئی چیز نہیں۔۔چنانچہ۔۔اس مقام پر۔۔۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

ہوش سے سنو! "کہ بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے"۔ اچھی طرح سنو! "کہ اللہ کا وعدہ حق ہے"،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾

لیکن ان کے اکثر نادان ہیں●

(ہوش سے سنو! کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) تو وہ کافروں سے فدیہ اور بدلہ لینے کا محتاج نہیں اور ثواب اور عذاب پہنچانے پر قادر ہے۔ (اچھی طرح سنو کہ اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ) ثواب وعذاب کے باب میں (حق ہے)، سچ ہے اور اس میں خلاف ممکن نہیں۔ (لیکن ان) کافرین وظالمین (کے اکثر نادان ہیں) وہ جانتے ہی نہیں اِسی لیے دنیا پر مغرور ہیں اور عقبیٰ کو پہچاننے سے دور ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی اپنی چیزوں کے مالک ہیں، جبھی تو کہتے ہیں یہ میرا مکان ہے، یہ میری فیکٹری ہے، یہ میری دوکان ہے، یہ میرے باغ ہیں، یہ میری کھیتیاں ہیں، یہ میری جائداد ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ نہیں سوچتے یہ ساری ملکیتیں مجازی ہیں، حقیقی مالک تو وہ ذات ہے جو مالکِ السموات والارض اور خالقِ کائنات ہے۔

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾

اور وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے، اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے●

(اور وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے)۔ وہی زندگی دینے والا ہے اور وہی زندگی لینے والا ہے۔ جب وہ تمہاری زندگی واپس لے لے گا، تو تمہاری ملکیت میں کیا رہ جائے گا۔ تم نہ اپنے مالک ہو اور نہ اپنی چیزوں کے مالک ہو۔ سب کا وہی مالک ہے۔ (اور) تم سب موت یا بعث کے ذریعہ (اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)۔

اس سے پہلے سورۂ یونس کی آیت ۳۷، ۳۸ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا، کہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل قرآنِ مجید ہے اور اب اگلی آیت میں قرآنِ مجید کی صفات بیان فرمائی جارہی ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا جارہا ہے۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا

اے لوگو! بیشک آگئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے، اور تندرستی امراض

فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾

سینہ کیلئے۔۔ اور ہدایت ورحمت مان جانے والوں کیلئے●

(اے لوگو! بے شک آ گئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے) یعنی ایک کتاب جس میں تمہاری عاقبت کی صلاح وفلاح کے لیے نصیحتیں سنائی گئی ہیں، زجر وترہیب سے بھی اور نرمی اور ترغیب کے طور پر بھی۔۔۔الغرض۔۔اس کتابِ مبین میں تمہارے منافع ونقصانات کے امور واضح طور پر بتائے گئے ہیں اور سمجھایا گیا ہے، کہ نیک اعمال سے تمہاری زندگی سنور جائے گی اور برے اعمال سے تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔اس کتاب کی پہلی خصوصیت تو یہ ہے، کہ یہ نصیحت ہے۔(اور) دوسری خصوصیت یہ ہے، کہ یہ (تندرستی) ہے (امراضِ سینہ کے لیے) قلب کے جملہ امراض جیسے جہل وشک اور شرک ونفاق اور دیگر جمیع عقائدِ فاسدہ کو بھی اس سے شفاء نصیب ہوگی (اور) اس کی تیسری اور چوتھی خصوصیت یہ ہے، کہ یہ (ہدایت ورحمت) ہے (مان جانے والوں کے لیے) یعنی یہ حق و یقین کے راستے کی رہبری کرے گی اور آفاق وانفس کے دلائل اسی سے معلوم ہوں گے۔اور وہ اس معنی میں اہل ایمان کے لیے رحمت ہے، کہ اسی کی برکت سے وہ کفر وضلال کی ظلمات سے نجات پاتے رہیں گے۔

دراصل قرآن کریم ناصح، شافی، ہادی اور رحیم ہے، لیکن مبالغۃً اس کو نصیحت، شفاء، ہدایت اور رحمت ارشاد فرمایا گیا ہے، گویا قرآن مجید امور مذکورہ کا عین ہے۔بے شک قرآن مجید نفوس کے لیے موعظہ، قلوب کے لیے شفاء، اور ارواح کے لیے ہُدیٰ ہے۔۔نیز۔۔قرآنِ مجید عوام کے لیے موعظت، خواص کے لیے شفاء، اور اخص کے لیے ہُدیٰ، اور تمام عوام و خواص واخص کے لیے رحمت ہے، اس لیے کہ اسی کی بدولت ہر ایک اپنے اپنے مراتب و مقامات پر پہنچا ہے۔۔۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

کہہ دو، کہ "اللہ کا فضل اور اسکی رحمت، یہ چیزیں ہیں جسکی سب خوشی منائیں، اور یہ بہتر ہے اس سے جو جمع کرتے ہیں"●

اے محبوب! (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (کا فضل اور اس کی رحمت) خواہ وہ قرآنِ کریم کی شکل میں ہو۔۔یا۔۔صاحبِ قرآن ﷺ کی صورت میں ہو، جن سے قرآنِ کریم اور دین اسلام جیسی نعمت ملی ہے۔۔الغرض۔۔(یہ چیزیں ہیں جس کی سب خوشی منائیں) اور اُن کے ملنے پر خدا کا شکر ادا کریں اور اظہارِ مسرت کے لیے ایسے اعمال انجام دیں جو خدا اور رسول کی رضا وخوشنودی کے باعث ہوں (اور

یہ) یعنی جس فضل ورحمت کا اوپر ذکر ہوا ہے (بہتر ہے اس) فنا ہو جانے والے اور زائل ہو جانے والے دنیاوی مال واسباب (سے جو) طالبانِ دنیا (جمع کرتے ہیں)۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے، کہ اے میرے بندے! میرے فضل اور رحمت پر اعتماد کر، اپنی طاعت اور خدمت پر نہیں۔اس واسطے، کہ میرے فضل کے سوا اور کسی پر بھروسہ نہیں اور میری رحمت کے سوا اور کسی سے راحت نہیں۔ ہر ایک کا ایک سرمایہ ہے، مگر مومنوں کا سرمایہ میرا فضل ہی ہے، اور ہر ایک کا ایک خزانہ ہے، لیکن مومنوں کا خزانہ میری رحمت ہی ہے۔

بہت ساری آیات واحادیث وآثار نے واضح فرمادیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے فضل اور رحمت ہیں، اور اللہ کے فضل ورحمت پر خوشی منانے کا حکم ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور مومنین اہل کتاب آپ کی وجہ سے فرحت اور مسرت کا اظہار کرتے تھے۔ چونکہ آپ اللہ کی نعمت ہیں اور مومنین کی شان یہ ہے، کہ وہ اللہ کی نعمت پر خوشی مناتے ہیں، سو جس دن رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی، اس دن آپ کی ولادت پر خوشی کرنا اور عیدِ میلاد منانا اور جشنِ آمدِ رسول کا اظہار کرنا، آیاتِ الٰہیہ، احادیثِ رسول، اور آثارِ صحابہ کے بالکل مطابق ہے۔۔۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر بہ کثرت دلائل قائم فرمائے تھے۔اُن کے شبہات کے جواب دِیے اور اُن کے شبہات کو زائل فرمایا۔اس کے بعد اُن کے خودساختہ مذہب کا رد فرمایا، کہ انھوں نے بعض چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور بعض چیزوں کو حرام کہا ہے، حالانکہ ان کی بنائی ہوئی اِس حلت اور حرمت پر عقل شاہد ہے نہ نقل۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا

پوچھو کہ یہ بتاؤ، جو کچھ اتارا اللہ نے تمہاری روزی، تو بنالیا تم نے اس میں سے حرام وحلال۔

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝

کہو کہ کیا اللہ نے تمہیں حکم دیا تھا، یا اللہ پر افترا کرتے ہو●

اے محبوب! ان سے (پوچھو کہ یہ بتاؤ جو کچھ اُتارا اللہ) تعالیٰ (نے تمہاری روزی) یعنی چار پائے جن کا کھانا حلال ہے (تو بنالیا تم نے اس میں سے حرام وحلال)، یعنی اس میں سے بعضے کو تم نے

کہا حلال ہے اور بعضے کو تم نے کہہ دیا حرام ہے، جیسے بحیرہ، سائبہ اور اس کے مثل۔ اور بعضے کو تم نے کہہ دیا کہ کچھ لوگوں پر حلال ہے اور کچھ لوگوں پر حرام ہے۔ اس واسطے، کہ تم نے یہ کہا کہ جو چیز ان چار پاؤں کے پیٹوں میں ہے وہ خالص ہے ہمارے مردوں کے واسطے اور حرام کی گئی ہے ہماری جوروؤں پر، ان سے (کہو کہ کیا اللہ) تعالیٰ (نے تمہیں) یہ (حکم دیا تھا یا اللہ) تعالیٰ (پر افتراء کرتے ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اسے منسوب کر کے اس پر افتراء کرتے ہو۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّ

اور کیا خیال ہے ان کا، جو گڑھیں اللہ پر جھوٹ قیامت کے دن، بے شک

اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾

اللہ فضل والا ہے لوگوں پر، لیکن ان کے بہتیرے ناشکرے ہیں●

(اور کیا خیال ہے ان کا جو گڑھیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ قیامت کے دن)، قیامت میں ان ٹولوں کا کیا حال ہوگا، جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء کرتے ہوئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینے میں جری ہیں، آخر یہ کیا گمان رکھتے ہیں، کہ حق تعالیٰ اُن کے ساتھ کیا کرے گا قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور تمام افعال واقوال پیش ہوں گے اور اُن کے ذرّے ذرّے کا حساب لے کر جزا و سزا کا حکم صادر فرمائے گا۔

اس میں قیامت اور اس کے متعلقات کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے۔ اس پوشیدگی میں بڑی تہدید اور وعید ہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (فضل والا ہے لوگوں پر) کہ انھیں عقل جیسی نعمت عطا فرمائی ہے، جس سے وہ حق و باطل اور حسن وقبح کی تمیز کر سکتے ہیں۔ اور ان پر لطف و کرم فرمایا، کہ انہیں کتابوں سے نوازا اور اپنے رسولوں کو بھیجا، (لیکن اُن کے بہتیرے ناشکرے ہیں)، یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے قویٰ ومشاعر کو ان امور میں لگاتے ہیں، جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں۔ اور جو ضروری امور ہیں ان کے سمجھنے کے لیے نہ عقل سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی شرعی احکام پر گامزن ہوتے ہیں، حالانکہ ان دونوں کے بغیر انسانیت پروان نہیں چڑھ سکتی۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ

اور نہیں ہوتم کسی حال میں، اور نہیں تلاوت کرتے کچھ قرآن سے، اور نہیں کرتے کوئی عمل،

اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ

مگر یہ کہ ہم تم پر گواہ تھے، جب تم نے اس کی ابتدا ہی کی تھی۔ اور نہیں غائب ہے تمہارے پروردگار سے

مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ

ذرہ بھر، زمین میں اور نہ آسمان میں، اور کوئی چیز اس سے چھوٹی

وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾

اور بڑی نہیں، مگر روشن کتاب میں ہے●

اس سے پہلی آیات میں یہ فرمایا تھا، کہ ان میں سے اکثر شکر ادا نہیں کرتے۔ اب اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندوں کے تمام اعمال کو محیط ہے، خواہ وہ چھوٹا کام کریں۔۔یا۔۔ بڑا کام کریں۔۔یا۔۔وہ کسی کام کا ارادہ کریں اور اس کام کو نہ کریں، وہ اُن کے دِلوں کے احوال اور ظاہری افعال سب کو ہر حال میں اور ہر وقت جاننے والا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ کون اُس کی اطاعت کرنے والا ہے، اور کون اُس کا شکر ادا کرنے والا ہے۔ کون گناہوں سے بچنے والا ہے اور کون گناہوں میں ڈوبنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، خواہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ہو۔۔یا۔۔ بڑی سے بڑی چیز ہو، وہ سب لوحِ محفوظ میں مندرج ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے نوید ہے اور کفار کے لیے وعید ہے۔ اس آیت میں پہلے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا، اس کے بعد تمام مکلفین سے خطاب فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق دو چیزوں کا ذکر فرمایا: ﴿١﴾۔۔آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں، یعنی آپ جو بھی نیکی کا کام کرتے ہیں۔۔نیز۔۔دُنیا کا جو بھی کام کرتے ہیں۔۔المختصر۔۔اپنی حوائج اور ضروریات میں سے جس چیز میں بھی مشغول ہوتے ہیں۔ ﴿٢﴾۔۔آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کی جس قدر بھی تلاوت کرتے ہیں۔

پھر تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو، ہم اس پر گواہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے اور ہر چیز کا عالم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا

خالق ہے اور جو چیز موجود ہے وہ اُس کی ایجاد سے موجود ہے اور جو کسی چیز کا موجد ہوتا ہے، وہ اس چیز کا عالم بھی ہوتا ہے۔ پس جب وہ تمام جہانوں کا موجد ہے تو پھر تمام جہانوں کا عالم بھی ہے۔۔الختصر۔۔ارشاد ہوتا ہے۔

اَے محبوب! **(اور نہیں ہو تم کسی حال میں)** یعنی کسی کام میں اپنے کاموں میں سے، **(اور نہیں تلاوت کرتے کچھ قرآن سے)**، یعنی نہیں پڑھتا ہے تو کوئی آیت اور کوئی سورہ اس سے جو بھیجا ہے اللہ نے، **(اور)** اَے لوگو! تم **(نہیں کرتے کوئی عمل مگر یہ کہ ہم تم پر گواہ تھے)** اسی وقت سے **(جب تم نے اس کی ابتداء ہی کی تھی)**۔۔الختصر۔۔تم ہماری نگہبانی ونگرانی ہی کے دائرے میں رہے اور ایک پل کے لیے بھی اس سے باہر نہ ہو سکے۔ **(اور)** ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ **(نہیں غائب ہے تمہارے پروردگار)** کے علم **(سے ذرّہ بھر)** یعنی چھوٹی چیونٹی کے برابر۔۔یا۔۔اس کے برابر جو آفتاب کی شعاع سے روشندان کے سامنے چمکتا ہوا غبار نظر آتا ہے، **(زمین میں اور نہ آسمان میں)**۔

قرآنِ مجید میں بالعموم آسمانوں کا ذکر زمین پر مقدم ہی ہوتا ہے، لیکن اس آیت میں چونکہ پہلے زمین والوں کے احوال اور اُن کے اعمال کا ذکر کیا تھا اور یہ فرمایا تھا، کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال پر گواہ ہے، اس لیے اس آیت میں زمین کے ذکر کو آسمان کے ذکر پر مقدم فرمایا۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ ذرّے ذرّے کا عالم ہے۔

(اور کوئی چیز اس) ذرّے **(سے)** بھی **(چھوٹی اور بڑی نہیں، مگر روشن کتاب)** یعنی لوحِ محفوظ **(میں)** لکھی ہوئی **(ہے)**۔

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ کسی کا کوئی کام حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور ہر بات اور کام کے مناسب اس کی جزا کا حکم فرمائے گا۔ تو اس کلام کے ضمن میں مسلمانوں کو تو کمالِ ثواب کا وعدہ ہے اور مشرکوں کو نہایت عذاب کی وعید ہے۔ پھر ایمان والوں کی جزا سے خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے۔۔۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

آگاہ ہو جاؤ، ''کہ بیشک اللہ کے ولی، نہ کوئی ڈر ہے انھیں، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں''●

(آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک اللہ) تعالیٰ **(کے ولی)** کی بڑی شان ہے، کیونکہ **(نہ)** تو **(کوئی ڈر ہے انھیں)** ان پر مکائد وشدائد پہنچنے سے، **(اور نہ)** ہی **(وہ رنجیدہ)** خاطر **(ہوں)** گے مقاصد و

مطالب فوت ہونے سے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی ملاقات کے سبب سے خدا یاد آئے، جو اپنے نفس کے دشمن ہوں، یعنی خدا کی محبت میں اپنی نفس کشی کریں، جو شریعت کا عنوان اور حقیقت کا برہان ہوں۔۔نیز۔۔جن کا ظاہر احکام شرع سے آراستہ ہو اور ان کا باطن انوارِ فقر سے پیراستہ ہو۔ جو خدا کے واسطے باہم دوستی کریں۔ ان لوگوں کو سخت مقاموں میں کچھ خوف نہیں اور روزِ قیامت کے ہولوں سے غمگین نہ ہوں گے۔۔الحاصل۔۔وہ لوگ کسی بھی مقام پر خوف زدہ اور رنجیدہ خاطر ہونے والے نہیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

جو ایمان لائے اور خوفِ خدا رکھتے تھے● انکے لئے مژدہ ہے دنیاوی زندگی میں

وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾

اور آخرت میں۔ کوئی تبدیلی نہیں ہے اللہ کی باتوں میں۔ یہی بڑی کامیابی ہے●

(جو ایمان لائے) اس چیز پر جو خدا کی طرف سے آئی (اور خوفِ خدا رکھتے تھے) اس کے قریب جانے سے جسے خدا نے حرام فرما دیا۔۔۔(ان) خوش نصیبوں (کے لیے مژدہ) اور خوشخبری (ہے دُنیاوی زندگی میں)۔ یعنی وہ اچھے خواب جو وہ خود دیکھیں۔۔یا۔۔اُن کے تعلق سے کوئی دوسرا دیکھے، جنہیں مبشرات کہا جاتا ہے۔

۔۔یا۔۔یہاں خوشخبری سے مُراد ملائکہ کی وہ خوشخبریاں ہیں، جو مَرتے وقت وہ مسلمانوں کو دیتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خوشخبری یہ ہے، کہ مسلمان مرنے سے پہلے بہشت میں اپنی جگہ دیکھ لے۔ یہ بھی کہا گیا ہے، کہ خوشخبری سے مُراد ان مسلمانوں کے ساتھ لوگوں کی محبت اور ان کی نیک نامی ہے، یعنی انھیں رجحانِ خلق حاصل ہو جاتا ہے۔

(اور) انہیں خوشخبری ہے (آخرت میں) اور وہ ان پر ملائکہ کا سلام ہوگا۔

۔۔یا یہ کہ۔۔دیدارِ الٰہی کا وعدہ دُنیا میں خوشخبری ہے اور اس وعدہ کا وفا ہونا، یہ آخرت میں خوشخبری ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا، کہ ولی کو دو بشارتیں ہیں: دُنیا میں معرفت اور عقبیٰ میں سرفرازی کا خلعت۔ یہاں مجاہدہ کا سرور، وہاں مشاہدہ کا نور۔ یہاں صفا اور وفا، وہاں رضا اور بقا۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ یہ ہو کے رہے گا، اس لیے کہ۔۔۔

(کوئی تبدیلی نہیں اللہ) تعالیٰ (کی باتوں میں)، یعنی اس کا جو وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا

جس میں فرق پڑنے والا نہیں۔ (یہی بڑی کامیابی ہے)۔ کتنی بڑی کامیابی؟ فہم انسانی اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ کسی عاقل کی عقل وہاں تک نہیں پہنچ سکتی، کہ اس کی کنہ اور باریکی کو دریافت کر سکے۔

اس سے پہلے کفارِ مکہ کے مختلف شبہات کے جوابات دِیے تھے۔ کفارِ مکہ جب دلائل سے عاجز آگئے، تو انہوں نے دھاندلی کا طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے نبی ﷺ کو دھمکایا اور خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے یہ ظاہر کیا، کہ وہ مالدار ہیں اور ان کا جتھا ہے اور وہ اپنی طاقت اور اپنے زور سے نبی ﷺ کو ناکام بنائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے رد کے لیے اور نبی کریم کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے، پھر یہ آیت نازل فرمائی، کہ۔۔۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾

اور نہ رنج دے تم کو ان لوگوں کی کوئی بکواس۔۔۔ بیشک عزت ساری اللہ کیلئے ہے۔ وہ سننے والا علم والا ہے●

اے محبوب! فکر مند نہ کر دے (اور نہ رنج دے تم کو ان لوگوں کی کوئی بکواس)۔ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے اور (بے شک عزت ساری) اور ہر قسم کا غلبہ (اللہ) تعالیٰ ہی (کے لیے ہے)۔ اللہ تعالیٰ آپ کے خلاف ان کو قدرت نہ دے گا، بلکہ آپ کو اُن کے خلاف قدرت عطا فرمائے گا۔

۔۔لہٰذا۔۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار کے ضرر سے محفوظ رکھا اور وہ آپ کو قتل کرنے کے منصوبہ کو پورا کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ یہی خداوندی نصرت و اعانت تھی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو کبھی بھی کفار کا خوف نہیں ہوا۔ آپ صرف اللہ سے ڈرتے تھے اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ آپ کی ہجرت بھی کسی خوف کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق تھی، کیونکہ ہر نبی ایک مرتبہ کفار کے علاقہ سے ہجرت کرتا ہے، پھر دوبارہ فاتح کی حیثیت سے وہیں لوٹتا ہے۔

اسی طرح جنگِ بدر میں نبی کریم کا گڑگڑا کر اللہ سے دُعا کرنا بھی اظہارِ عبودیت کے لیے تھا۔ کفار کے خوف کی وجہ سے نہ تھا۔ اسی طرح غارِ ثور میں تین۳ دن پوشیدہ رہنا کفار کے ڈر اور خوف کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کی وجہ سے تھا۔

۔۔الختصر۔۔ اے محبوب! آپ کفار کی بکواس کا خیال نہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کا ناصر و نگہبان ہے۔ اور (وہ سننے والا) ہے ان کی بیہودہ باتوں کو اور (علم والا ہے) یعنی جاننے والا ہے اُن کے حالات

کا۔۔لہٰذا۔۔وہ جو جوارادہ اور نیت رکھتے ہیں، اس کے مناسب انھیں جزاء دے گا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ

خوب سن لو! کہ اللہ ہی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے۔ اور کیا چال چلتے ہیں جو پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾

اپنے بنائے ہوئے، اللہ کو چھوڑ کر اس کے شریک۔ نہیں چلتے مگر گمان پر، اور وہ بس اٹکل لگاتے ہیں●

اس سے پہلے سورۂ یونس آیت ۵۵ میں فرمایا تھا، کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام غیر ذوی العقول چیزیں اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اب اس آیت ٦٦ میں فرمارہا ہے، کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام ذوی العقول چیزیں بھی اللہ کی ملکیت میں ہیں۔ اور ذوی العقول سے مراد جن، انس اور ملائکہ ہیں۔ ان دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ عقل والے ہوں۔۔یا۔۔بے عقل، تمام جمادات، نباتات، حیوانات، جن، انسان اور فرشتے، سب اللہ کے مملوک ہیں۔ اس میں مشرکین کا رَد ہے، جو بتوں کو پوجتے تھے کیونکہ تمام پتھر اُس کے مملوک ہیں، سو بُت بھی اس کے مملوک ہیں۔ اور جو مملوک ہو، وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے۔

اسی طرح اس میں یہود اور نصاریٰ کا بھی رَد ہے، جو حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے تھے، کیونکہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ بھی اللہ کے مملوک ہیں۔ اور جو مملوک ہو، وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے۔ اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا، یہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر خودساختہ شریکوں کی پیروی کررہے ہیں، یہ کس کی پیروی کررہے ہیں؟ یعنی یہ جن شریکوں کی پیروی کررہے ہیں، وہ تو سب اللہ کے مملوک ہیں، تو وہ عبادت کے کیسے مستحق ہوگئے؟ یہ صرف اپنے گمان کی پیروی کررہے ہیں اور ان کا اندازہ غلط ہے۔۔الحاصل۔۔

(خوب سُن لو، کہ اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے) فرشتے (اور جو بھی زمین میں ہے) جن وانس۔ یہ ساری کی ساری مخلوقات اُسی کی مِلک ہیں اور اُسی کے بندے ہیں، ان میں سے کسی کو بھی حق نہیں پہنچتا، کہ اس کے ساتھ ربوبیت میں شریک ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور جب وہ چیزیں شریک ہونے کی لیاقت نہیں رکھتیں جن میں عقل ہے، تو کنکر پتھر کو خدا کا شریک ٹھہرانا نہایت نادانی اور بڑی ہی گمراہی ہے۔

کیا پیروی کرتے ہیں؟ (اور کیا چال چلتے ہیں) وہ لوگ (جو پکارتے ہیں اپنے بنائے ہوئے اللہ)

تعالیٰ (کو چھوڑ کر اس کے شریک)۔ تو سچی بات تو یہ ہے، کہ وہ لوگ (نہیں چلتے مگر گمان پر)۔ انہوں نے بتوں کی نسبت سے گمان کرلیا ہے، کہ یہ خدا کے شریک ہیں، حالانکہ ربوبیت میں شرکت محال ہے۔ (اور وہ بس اٹکل لگاتے ہیں)۔۔ چنانچہ۔۔ شرکت کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ سب جھوٹ ہے۔

شرکت کی نفی فرما کر کمالِ قدرت اور کمالِ رحمت پر آگاہ فرماتا ہے، تاکہ اس کے سبب سے اس کی وحدانیت اور فردانیت پر دلیل پکڑ کے جان لیں کہ عبادت کا مستحق وہی ہے۔۔

چنانچہ۔۔ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ

وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے رات، کہ آرام پاؤ اس میں، اور دن کو دیکھ بھال کراتا۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾

بیشک اس میں نشانیاں ہیں سننے والی قوم کیلئے●

(وہی ہے جس نے بنایا) اپنی قدرتِ کاملہ سے (تمہارے لیے رات) اندھیری تا (کہ آرام پاؤ اس میں) اور دن بھر کی تھکن دور کر کے آسائش کرلو (اور دن کو دیکھ بھال کراتا) یعنی دن کو روشن بنایا، تاکہ اس میں تم ہر طرف دیکھ بھال کرو اور اپنے کام بنانے میں مشغول ہو جاؤ اور اپنی ضروریاتِ زندگی فراہم کرسکو۔ (بے شک اس میں) یعنی دن رات پیدا کرنے اور اُن کے اندھیرے اجالے میں (نشانیاں ہیں) صانع حکیم کی توحید پر (سننے والی قوم کے لیے)۔ یعنی اس گروہ کے واسطے جو قرآنِ کریم کو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور اس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ رہ گئے وہ لوگ جو عقل و ہوش سے عاری اور فہم و فراست سے تہی دامن ہیں۔

۔۔مثلاً: کفارِ مکہ میں سے بنی مدلج ایسے یتیم العقل تھے، کہ۔۔۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ

بک دیا انھوں نے کہ بنالیا ہے اللہ سبحانہٗ نے اپنی اولاد۔ وہ بے نیاز۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔

إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

نہیں ہے تمہارے پاس کوئی سند اس بکواس کی۔ کیا کہہ ڈالتے ہو اللہ پر، جس سے بے خبر رہتے ہو●

(بک دیا انہوں نے کہ بنالیا اللہ سبحانہٗ نے اپنی اولاد)۔ بکتے وقت یہ بھی نہیں سوچا، کہ اولاد تو وہ چاہتا ہے جو ضعیف ہو، تاکہ اس کے سبب سے قوت حاصل کرے۔۔یا۔۔فقیر ہو کہ اس کی اعانت سے دن کاٹے۔۔یا۔۔ذلیل ہو کہ اس کے سبب سے عزت اور شرف پائے۔۔یا۔۔حقیر و گمنام ہو کہ اس کے سبب سے نام اور راہ و رسم پیدا کرے اور اس کے بعد اس کے امور کی وارث اس کی اولاد ہو، اور یہ سب باتیں۔محتاجی کی علامتیں ہیں۔تو (وہ) جو غنی مطلق اور (بے نیاز) ہے، وہ ہرگز اولاد نہیں لیتا۔

۔۔یا۔۔ہم یہ کہیں، کہ اولاد باپ کی جزء ہوتی ہے، تو یہ ترکیب کی صورت ہوگی اور ہر ایک مرکب ممکن ہوتا ہے۔اور جو مرکب ہے وہ غیر کا محتاج ہے۔اور واجب الوجود غنی مطلق ہے، تو اس میں محتاج ہونے کا دخل ہی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کی طرف اِشارہ فرمانے کے لیے ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

(اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے)، یعنی نفائس علویات اور بدائع سفلیات، سب کچھ کا مالک وہی ہے۔رہ گئی اولاد کی بات، تو اَے مشرکو! (نہیں ہے تمہارے پاس کوئی سند) یعنی دلیل و حجت تمہاری (اس بکواس کی)، کہ خدا اولاد لیتا ہے۔اَے جاہلو! تم (کیا کچھ ڈالتے ہو اللہ) تعالیٰ (پر) جھوٹ اور افتراء کے طور پر، تم خود (جس سے بے خبر رہتے ہو)۔مثلاً: خدا کو صاحبِ اولاد قرار دینا اور اُس کا شریک ٹھہرانا وغیرہ۔اے محبوب! ان جھوٹوں اور افتراء پردازوں سے۔۔۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِى الدُّنْيَا

کہہ دو، کہ "بیشک جو گڑھتے ہیں اللہ پر جھوٹ، کامیاب نہ ہونگے" ● کچھ دن کا رہنا سہنا ہے دنیا میں،

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

پھر ہماری طرف انہیں لوٹنا ہے، پھر چکھائیں گے ہم انہیں سخت عذاب جو کفر کیا کرتے تھے ●

(کہہ دو کہ بے شک جو گڑھتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، وہ (کامیاب نہ ہوں گے)۔نہ انھیں دوزخ سے چھٹکارا ملے گا، اور نہ ہی جنت میں رسائی۔ان کے واسطے (کچھ دن کا رہنا سہنا ہے دُنیا میں)۔ان مختصر سے دنوں میں جو چاہیں فائدہ حاصل کرلیں۔اسکے بعد بجز افسوس و حسرت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔الختصر۔۔یہ دنیاوی فائدہ بھی اُن کے لیے دائمی نہیں، کیونکہ انھیں ہمیشہ کے لیے دُنیا ہی میں نہیں رہ جانا ہے، بلکہ (پھر ہماری طرف انھیں لوٹنا ہے، پھر چکھائیں گے ہم انھیں سخت

عذاب) ہمیشہ رہنے والا جو کبھی ختم ہی نہ ہو۔ یہ نتیجہ ہے اس کا (جو) یہ لوگ ہماری کتاب اور ہمارے رسول کے ساتھ (کفر کیا کرتے تھے)، اور خدا اور رسول پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے سے گریز کرتے تھے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے شبہات کا ازالہ فرمایا تھا اور توحید و رسالت پر دلائل قائم فرمائے تھے، اب اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دوسرا عنوان شروع فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کے قصص کا بیان شروع فرمایا۔ ایک نوع کے طویل خطاب کے بعد، خطاب کی ایک دوسری نوع کی طرف منتقل ہونے سے مخاطب کو اس نئے موضوع سے دلچسپی ہونے لگتی ہے اور اس کا ذوق وشوق تازہ ہو جاتا ہے۔

انبیاءِ سابقین کے قصص بیان فرمانے میں یہ بھی حکمت ہو سکتی ہے، کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب یہ سنیں گے، کہ تمام کافر تمام رسولوں کے ساتھ اسی طرح انکار اور مخالفت کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں اور واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود ان کو جھٹلاتے رہے ہیں، تو کفارِ مکہ کی مخالفت اور ان کی شقاوت کو برداشت کرنا آپ سب پر سہل اور آسان ہو جائے گا۔۔۔نیز۔۔۔جب کفار انبیاءِ سابقین کے ان واقعات کو سنیں گے، تو ان کو یہ علم ہو جائے گا کہ انبیاءِ متقدمین کو اُن کے زمانہ کے کافروں نے ایذاء پہنچانے میں اپنی انتہائی طاقت صرف کر دی، لیکن بالآخر وہ ناکام اور نامراد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی مدد فرمائی اور کافر ذلیل اور رُسوا ہوئے۔ تو ہو سکتا ہے، کہ ان واقعات کو سن کر کفار کے دل خوف زدہ ہوں اور وہ اپنی ایذاء رسانیوں سے باز آجائیں۔۔۔

ویسے بھی ان قصص کو بیان کر دینا، آپ کی نبوت کی صداقت اور قرآنِ مجید کی حقانیت کی واضح دلیل ہے، اس لیے کہ آپ امی تھے۔ آپ نے کسی معلم سے پڑھا تھا، نہ ہی کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے تھے۔۔۔باایں ہمہ۔۔۔آپ نے انبیاءِ سابقین کے واقعات اُسی طرح بیان فرمائے، جس طرح تورات زبور اور انجیل میں لکھے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا، کہ آپ نے ان قصص کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے جانا تھا۔۔۔تو اے محبوب! تلاوت فرماؤ۔۔۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ

اور پڑھ سناؤ انھیں نوح کی خبر۔۔۔جبکہ کہا انھوں نے اپنی قوم کو، "اے قوم اگر تم پر پہاڑ ہے میرا ٹھہرنا،

وقف لازم

وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ

اور اللہ کی نشانیوں کو یاد دلانا، تو اللہ ہی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، تو تم لوگ مل کر سامان کرو اپنے حملے کا اپنے بنائے شریکوں کے ساتھ

ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ﴿۷۱﴾

پھر نہ رہ جائے تمہارا طریق کار تم پر مشتبہ، پھر کر گزرو میرا فیصلہ اور مجھے مہلت ہی نہ دو●

(اور پڑھ سناؤ انھیں) یعنی اہل مکہ کو (نوح کی خبر) اور یاد کرو (جبکہ کہا انہوں نے اپنی قوم کے مشرکین (کو) کہ (اے قوم اگر تم پر پہاڑ ہے) اور گراں ہے تمہارے بیچ ایک طویل مدت تک (میرا ٹھہرنا)۔

آپ علیہ السلام نے نوسو پچاس ۹۵۰ برس اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت کی اور ان سے رنج و صدمے سہے۔ جب قوم کا ظلم حد سے گزر گیا، تب آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی اور قوم سے دریافت فرمایا تھا، کہ اے قوم اگر تم پر تم لوگوں میں میرا رہنا شاق ہے۔

(اور) یونہی تمہیں (اللہ) تعالیٰ (کی نشانیوں کو یاد دلانا) ناگوار ہے۔ وہ نشانیاں وہ علامتیں اور آیات ہیں جو خدا کی وحدانیت کو ثابت کرتی ہیں۔۔ الختصر۔۔ اگر تم کو تمہارے درمیان میرا وجود اور میری نصیحتیں اور ہدایتیں گراں خاطر ہیں اور اس وجہ سے تم میری تصدیق نہ کر کے، مجھے دکھ اور رنج پہنچاتے ہو، (تو) کان کھول کر سن لو، کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے) تمہارے مکر اور کید دفع ہونے اور دشمنوں پر نُصرت حاصل ہونے میں۔۔ الحاصل۔۔ میرا حامی و ناصر اللہ تعالیٰ ہے، جو تمہارے مکر و فریب سے مجھے بچاتا رہے گا۔

اب اگر میری بات سمجھ میں نہ آئے، (تو) آؤ (تم لوگ مل کر سامان کرو اپنے حملے کا اپنے بنائے شریکوں کے ساتھ) یعنی صرف اپنے امیروں اور رئیسوں ہی کو اکٹھا نہ کرو، بلکہ ان شریکوں کو بھی پکار لو اور انھیں بھی اپنا شریکِ کار بنالو، جنہیں تم بگمان خویش خدا کا شریک جانتے ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تم میرے قصد اور درپے ہونے میں متفق ہو جاؤ اور ایسی تیاری کرلو، کہ (پھر نہ رہ جائے تمہارا طریق کار تم پر مشتبہ، پھر کر گزرو میرا فیصلہ اور مجھے مہلت ہی نہ دو)، تاکہ میرے قیام و کلام کی رنج و تکلیف سے تم نجات پا جاؤ۔۔

یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں، کہ حضرت نوح علیہ السلام مقام توکل میں ثابت قدم تھے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین اور اعتمادِ کامل رکھتے تھے اور چاہتے تھے، کہ ان کی امت یہ سمجھ کر

ان کی متابعت اختیار کرے، لیکن ان کو تو کم بختی اور بے نصیبی گھیرے ہوئے تھی، ان کی بات سے منہ پھیرا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ

پس اگر تم نے منہ پھیرا، تو میں نے تم سے کچھ اجرت نہیں مانگی ہے۔ میرا اجر تو بس اللہ کے کرم پر ہے۔

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان رہوں"●

(پس اگر تم نے منہ پھیرا) اور میری بات ماننے سے انکار کیا (تو) اس میں میرا کیا نقصان؟ (میں نے تم سے) حکم پہنچانے میں (کچھ اجرت نہیں مانگی ہے)، کہ تمہارے انکار سے اس کے چلے جانے کا اندیشہ ہو۔ میں نے تو دعوت و تبلیغ کا جو کام کیا ہے، وہ تو صرف خالصاً لوجہ اللہ ہے۔ (میرا اجر تو بس اللہ) تعالیٰ (کے کرم پر ہے)۔ وہ مجھے ثواب دے گا، تم خواہ ایمان لاؤ۔۔۔یا۔۔انکار کرو (اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے، کہ میں مسلمان رہوں)، یعنی خدا کا حکم ماننے والوں میں سے رہوں۔ تو اس کے حکم کے خلاف میں نہیں کرتا اور حکم پہنچانے کی اُجرت حق تعالیٰ کے سوا اور کسی سے میں نہیں مانگتا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ

تو ان لوگوں نے جھٹلایا انھیں، تو بچالیا ہم نے انکو اور انکے کشتی کے ساتھیوں کو، اور بنایا ان کو جانشین، اور ڈبو دیا جنھوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو۔ تو دیکھ لو کہ کیسا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا●

(تو ان لوگوں نے جھٹلایا انھیں)۔ یعنی اتمام حجت ہو جانے کے باوجود جھٹلانے پر ڈٹ گئے اور اسی پر مصر ہو گئے، تو ہم نے طوفان بھیجا، (تو بچالیا ہے ہم نے اُن کو اور اُن کے کشتی کے ساتھیوں کو) غرق ہونے سے۔ (اور بنایا اُن کو جانشین) یعنی زمین میں رہنے والا ہلاک ہو جانے والوں کے بعد۔ (اور ڈبو دیا جنھوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو) یعنی غرق کر دیا ہم نے طوفان کے سبب سے ان لوگوں کو جنھوں نے تکذیب کی ہماری آیتوں، یعنی ہمارے رسول نوح علیہ السلام کے معجزات کی۔ (تو) پھر (دیکھ لو) اے دیکھنے والو! نگاہِ عبرت سے، (کہ کیسا انجام ہوا) ان کا (جن کو ڈرایا گیا) اور وہ نہیں ڈرے۔۔۔نیز۔۔اپنے نبی پر ایمان نہیں لائے۔

اس میں حضرت رسالت پناہ ﷺ کی تسلی ہے اور کافروں اور گمراہوں کی تہدید بھی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا

پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد کئی رسول ان کی قوموں کی طرف، چنانچہ وہ لے کر آئے ان کے پاس روشن دلیلیں، تو وہ

لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ۝

نہ تھے کہ مانیں اس کو جسے جھٹلا چکے انکے اگلے۔ اسی طرح ہم چھاپ لگاتے ہیں قانون شکنوں کے دلوں پر●

(پھر بھیجے ہم نے اُن کے بعد کئی رسول ان کی قوموں کی طرف)۔

۔۔مثلاً: حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف، حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم بابل کی طرف، اور حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب ایکہ اور اہل مدین کی طرف۔

(چنانچہ وہ لے کر آئے اُن کے پاس روشن دلیلیں) اور ظاہر معجزات، (تو وہ نہ تھے) ایسے (کہ مانیں اس کو جسے جھٹلا چکے) ان سے پہلے (ان کے اگلے) یعنی ہر عہد کے کافر اپنے کافر مورثین کی روش پر چلے۔ پہلے والوں نے اپنے عہد کے نبی کو جھٹلایا، تو بعد والوں نے اپنے عہد کے نبی کی تکذیب کی ۔۔الختصر۔۔ بعد والے جھٹلانے اور تکذیب کرنے میں پہلے والوں کی راہ پر چلے۔۔۔

۔۔یا یہ کہ۔۔ 'وہ اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے، جس کی پہلے وہ تکذیب کر چکے تھے'۔ یعنی وہ بعثت رسول سے پہلے زمانۂ جاہلیت سے تکذیب کے درپے تھے، اس لیے کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں کو سنتے آتے تھے۔۔ مثلاً: انہوں نے قوم عاد سے سنا، اور قوم عاد نے قوم نوح سے وغیرہ وغیرہ، اس لحاظ سے ان کی حالت یعنی جہالت کے دور والی حالت انبیاء کرام علیہم السلام کے تشریف لانے پر بھی اسی طرح رہی، گویا کوئی رسول اُن کے ہاں تشریف لایا ہی نہیں۔

۔۔الختصر۔۔ بعثتِ رسول سے پہلے حق کو جھٹلانے کی جو عادت بنا رکھی تھی، رسول کی بعثت کے بعد بھی اسی طریقے پر چلے اور آخری وقت تک ایمان نہ لا سکے۔۔ یا یہ کہ۔۔ جو اس سے قبل یعنی روز میثاق میں انہوں نے جس چیز کی تکذیب کی تھی، رسولوں کی بعثت کے بعد بھی اس پر ایمان نہ لائے۔۔ الختصر۔۔ جس طرح اگلی امتوں کے دلوں پر یہ مہریں ہم نے کر دی تھیں (اسی طرح ہم چھاپ لگاتے ہیں قانون شکنوں کے دلوں پر)، یعنی قریش کے مکذبین اور اُن کے مثل حد سے گزر جانے والوں کے دلوں پر۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰیٰتِنَا

پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ و ہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف،

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ۝۷۵

اپنی نشانیوں کے ساتھ، توسب بڑے بننے لگے اور سب مجرم تھے●

(پھر بھیجا ہم نے ان) پیغمبروں (کے بعد موسیٰ) بن عمران (وہارون کو) جو حضرت موسیٰ کے بھائی تھے، (فرعون) یعنی ولید بن مصعب ۔۔یا۔۔قابوس کی جانب، جو اُس زمانہ کا فرعون تھا (اور) اُس کی قوم کے شریفوں یعنی (اس کے درباریوں کی طرف) عصا اور ید بیضاء کی صورت میں اپنے کھلے ہوئے معجزوں اور (اپنی نشانیوں کے ساتھ، تو) اس کو قبول کرنے اور پیروی کرنے کی بجائے سب کے (سب بڑے بننے لگے) اور متکبرانہ گفتگو پر اتر آئے۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہوتا، اس لیے کہ وہ سب کے (سب) پہلے ہی سے (مجرم تھے) یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تکذیب اور آیاتِ کبریا کے ساتھ اہانت کی عادت ڈالے ہوئے تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷۶ قَالَ

پھر جب آ گیا ان کے پاس حق ہمارے یہاں سے، بولے "کہ بے شک یہ تو کھلا جادو ہے"● کہا

مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝۷۷

موسیٰ نے "کیا کہتے ہو حق کو جبکہ وہ تمہارے پاس آ گیا، کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر کامیابی نہیں پاتے"●

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِیَآءُ

سب بولے "کہ کیا ہمارے پاس اسلئے آئے ہو، کہ پھیر دو ہمیں اس سے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو، اور رہ جائے

فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ ۝۷۸

تمہیں دو کیلئے ملک میں بڑائی، اور ہم لوگ تم دونوں کو نہیں مانتے"●

(پھر جب آ گیا اُن کے پاس حق ہمارے یہاں سے)، یعنی موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس آئے اور حق بات ان پر ظاہر کی اور انہیں معجزے دکھائے، تو (بولے) کمالِ عناد اور تمرد کی وجہ سے (کہ بے شک جو تو لایا ہے اور اس کا نام معجزہ رکھا ہے، (یہ تو کھلا جادو ہے)۔ تو ان کٹ حجتی کرنے والوں سے (کہا موسیٰ نے، کیا کہتے ہو حق کو) یعنی سچی بات اور کھلے ہوئے معجزے کو، (جب کہ وہ تمہارے پاس آ گیا)۔ اے بیوقوفو! (کیا یہ جادو ہے؟) نادانو! ہرگز یہ جادو نہیں، (حالانکہ جادوگر کامیابی نہیں پاتے) اور اپنی

مراد کو نہیں پہنچتے۔۔تو۔۔(سب) سرداران قوم فرعون (بولے، کہ کیا ہمارے پاس اس لیے آئے ہو، کہ پھیر دو ہمیں اُس سے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو) یعنی تم ہم کو اپنے باپ دادوں کی روش یعنی فرعون کی عبادت سے ہٹانا چاہتے ہو (اور) تم اس بات کے خواہش مند ہو کہ (رہ جائے) صرف (تمہیں دو کے لیے ملک) مصر (میں بڑائی) اور بادشاہی، تو اچھی طرح سے سن لو (اور) ذہن نشین رکھو کہ (ہم لوگ تم دونوں کو نہیں مانتے)۔۔چنانچہ۔۔ہم تمہاری اطاعت کرنے والے نہیں۔اس کے بعد اپنے درباریوں کی ایک جماعت سے خطاب کرتے ہوئے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ

اور فرعون بولا "کہ تم لوگ میرے پاس لے آؤ سارے جانکار جادوگروں کو" ● پھر جب آگئے سب جادوگر، کہا ان سے

مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ

موسیٰ نے "کہ ڈالو جو ڈالنا ہو" ● تو جب ڈالا، کہا موسیٰ نے، "جو تم لائے ہو جادو ہے۔ بیشک اللہ ابھی میٹ دیتا ہے اس کو"۔

إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾

بیشک اللہ، نہیں ٹھیک ہونے دیتا فسادیوں کے عمل کو ●

(اور) حکم دیتے ہوئے (فرعون بولا کہ تم لوگ میرے پاس لے آؤ سارے جانکار جادوگروں کو) جو اپنے فن کو خوب جانتے ہوں، تاکہ موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کریں۔

پھر جادوگروں کو جمع کیا، جیسا کہ سورۂ اعراف میں مذکور ہوا، اور وعدوں سے انھیں مطمئن اور آمادہ کر کے، جو دن مقرر ہوا تھا اُس دن موضع معلوم پر لائے۔

(پھر جب آگئے سب جادوگر) حضرت موسیٰ کے مقابلے میں، تو (کہا ان سے موسیٰ نے کہ ڈالو جو) رسیاں اور عصے (ڈالنا ہو)۔(تو جب ڈالا) جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور ہوا کی گرمی سے وہ ہلیں اور لوگوں کو سانپ کی صورت پر دکھائی دیں، تو (کہا موسیٰ نے جو تم لائے ہو جادو ہے)، یہ وہ نہیں ہے جو میں لایا ہوں جسے فرعونی جادو سمجھ رہے ہیں۔ٹھہر و اور دیکھتے جاؤ! کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ابھی میٹ دیتا ہے) اور باطل و ناچیز کر دیتا ہے (اِس) سحر (کو)۔اور ایسا کیوں نہ ہو اس لیے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں ٹھیک ہونے دیتا فسادیوں کے عمل کو)، یعنی فسادیوں کے عمل باطل قرار دیتا ہے۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور حق فرمادیتا ہے حق کو اپنی باتوں سے، گو برا جانیں مجرم لوگ●

(اور حق فرمادیتا ہے حق کو اپنی باتوں سے) یعنی حق کو ثابت فرمادیتا ہے اور اُسے آگے بڑھاکر بلندی عطا فرماتا ہے۔ تو جو، احکام الٰہی میں لایا ہوں، یہ وہی حق ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ثابت فرمادے اور روز افزوں اُسے طاقت وتوانائی عطا فرمائے گا اپنے حکم سے۔۔یا۔۔مجھ سے غلبہ ونصرت کا جو وعدہ کیا ہے اُس کے سبب سے، (گو بُرا جانیں مجرم لوگ)، یعنی اگر چہ کراہت محسوس کریں کافر اور ان پر سخت گزرے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی نصرت کا وعدہ وفا کرے گا اور دشمنوں کے غصے اور کراہت کی پرواہ نہیں کرے گا۔۔۔

موسیٰ علیہ السلام مدین سے جب مصر میں آئے اور بنی اسرائیل کو حق کی طرف دعوت دینے لگے۔۔۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ

تو نہیں مانا موسیٰ کو مگر اس کی قوم کی نسل سے کچھ نے، ڈرتے ہوئے فرعون اور اس کے درباریوں سے، کہ

يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

انھیں فتنہ میں ڈال دیں۔ اور بیشک فرعون بڑھا چڑھا تھا ملک میں۔ اور بیشک وہ زیادتی کرنے والا تھا●

(تو نہیں مانا موسیٰ کو) بڑے بوڑھوں نے (مگر اس کی قوم کی نسل سے کچھ) یعنی بعضے جوان لوگوں (نے) باوصف (ڈرتے ہوئے فرعون اور اس کے درباریوں سے) یعنی اپنے باپوں اور اپنی قوم کے رئیسوں سے۔۔الحاصل۔۔بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے لوگ حضرت موسیٰ پر ایمان لائے، باوجود اس کے کہ وہ فرعون سے بھی ڈرتے تھے اور خود اپنے لوگوں سے بھی ڈرتے تھے (کہ انہیں فتنہ میں ڈال دیں) خواہ اس طرح کہ فرعون ان پر عذاب کرے۔۔یا یہ کہ۔۔اُن کے باپ انہیں کفر کی طرف پھیر لانے کے لیے فرعون کی طرف رجوع کریں۔ (اور بے شک فرعون بڑھا چڑھا تھا ملک) مصر میں)۔ اور وہاں کے لوگوں پر غالب تھا اور ان سب پر ظلم وزیادتی کرنے والا تھا، اور بڑے ہی متکبرانہ انداز سے رہتا تھا، (اور بے شک وہ زیادتی کرنے والا تھا)۔ تکبر اور سرکشی میں وہ حد سے گزر گیا تھا۔ یہاں تک کہ خدائی کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل کو اپنا بندہ بنالیا۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوۡمِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَيۡهِ تَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ

اور کہا موسیٰ نے "اے قوم! اگر واقعی مان گئے ہو تم اللہ کو، تو اسی پر بھروسہ رکھو اگر

مُّسۡلِمِيۡنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوۡا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا

مسلمان ہو" تو سب نے عرض کیا "کہ اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ پروردگار امت بنا ہم کو

فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۸۵﴾

فتنہ، ظالم قوم کیلئے●

جب اپنی قوم کے ایمان والوں (اور) اطاعت کرنے والوں میں خوف کے آثار دیکھے، تو (کہا موسیٰ نے اے قوم! اگر واقعی مان گئے ہو تم اللہ) تعالیٰ (کو، تو اسی پر بھروسہ رکھو) یعنی اگر تم خدا پر ایمان لا چکے ہو اور یہ بات جان لی ہے، کہ نفع پہنچانا اور ضرر سے بچانا اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، تو صبر و توکل کرو اور اپنا کام اُسی پر چھوڑ دو (اگر) تم (مسلمان ہو) اور اس کے احکام قضا کے ماننے والے ہو، کیونکہ اسلام کا معنی ہے: کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔

اور ایمان کا معنی یہ ہے: کہ بندہ یہ مان لے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور واجب الوجود ہے، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ حادث ہے اور اس کی مخلوق ہے اور اس کے زیرِ تصرف اور زیرِ تدبیر ہے۔ اور جب بندہ میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہو جائیں گی، تو وہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے گا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ پر توکل کا نور پیدا ہو جائے گا۔ اور توکل کا معنی یہ ہے، کہ بندہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور تمام احوال میں صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے۔۔ الختصر۔۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں توکل کا حکم کیا۔۔۔

(تو سب نے عرض کیا، کہ اللہ) تعالیٰ (ہی پر ہم نے بھروسہ کیا) اُس کے غیر پر نہیں۔ اور اس کی مہربانی پر ہم مضبوط ہو گئے۔ اور چونکہ متوکل کی دُعا قبولیت سے ملی ہوتی ہے، تو زبانِ نیاز سے انہوں نے دُعا شروع کی اور بولے، (پروردگارا! مت بنا ہم کو فتنہ ظالم قوم کے لیے)۔

وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِكَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۶﴾

اور نجات دے ہم کو اپنی رحمت سے، کافر لوگوں سے"●

(اور نجات دے ہم کو اپنی رحمت سے کافر لوگوں سے) یعنی ظالموں کو ہم پر مسلّط نہ فرما، کہ ان کے ہاتھ سے مبتلائے عذاب ہوں۔۔الحاصل۔۔اے خدا ہم کو فتنہ یعنی محل عذاب نہ بنا۔۔یا یہ کہ۔۔ہم کو فرعونیوں کے سامنے اتنا مجبور و مقہور نہ بنا، جس کو وہ اپنی حقانیت کی دلیل سمجھنے لگیں اور پھر یہی تصور اُن کے لیے فتنہ ہوجائے اور وہ ایمان قبول کرنے سے باز رہیں، اور اپنے کافرانہ و مشرکانہ روش پر ہی ڈٹے رہیں اور اسی کو صحیح اور درست سمجھنے لگیں۔۔المختصر۔۔پروردگارا! اپنی مہربانی اور بخشش سے ہمیں کافر قوم سے نجات عطا فرما اور اُن کے مکر و فریب۔۔نیز۔۔اُن کے برے ارادوں سے ہمیں دور رکھ۔۔۔

روایت ہے کہ خدا کی عبادت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے وفاداروں نے جو مسجدیں اور عبادت گاہیں محلّوں اور بازاروں میں بنائی تھیں، فرعون کے حکم سے وہ سب خراب اور تباہ کردی گئیں اور انہیں نماز پڑھنے سے روکا جانے لگا، تو حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا، کہ وہ اور سارے مسلمان اپنے گھروں میں عبادت خانے بنالیں، تاکہ کافر اُن کی عبادتوں پر مطلع نہ ہوں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد خداوندی ہے۔۔۔

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ

اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف، یہ کہ ٹھکانہ بنالو اپنی قوم کا مصر میں، اور

اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

سب لوگ بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رخ، اور قائم کرو نماز کو، اور خوش خبری سنادو مسلمانوں کو●

(اور) فرمانِ الٰہی ہے، کہ (وحی بھیجی ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی کی طرف، یہ کہ ٹھکانہ بنالو اپنی قوم کا مصر میں) جن میں سب خدا کی عبادت کریں۔

چونکہ عبادت خانوں کی تخصیص اور ان کے قبلہ کی تعیین قوم کے اماموں سے متعلق ہے اور اس محل میں ان کے امام حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام تھے، اس لیے اس کام کے لیے خاص طور پر انہیں کی طرف وحی فرمائی گئی۔۔ہاں۔۔مسجدیں بنانا اور اس میں نماز قائم رکھنا سب لوگوں سے تعلق رکھتا ہے، تو جو حکم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو دیا اس میں سب کو شریک کر کے فرمایا گیا، کہ۔۔۔

(اور سب لوگ بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رخ) یعنی کعبہ کی طرف۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کعبہ ہی

کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔(اور قائم کرو نماز کو) یعنی کما حقہٗ اُسے ادا کرتے رہو۔۔۔چونکہ۔۔۔ بشارت دینا صاحبِ شریعت کا حق ہے اور صاحبِ شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، اس لیے ان کو مخاطب فرما کر فرمایا گیا، کہ اَے موسیٰ! بشارت دے دو (اور خوشخبری سنادو مسلمانوں کو) دُنیوی نجات کی اور اُخروی درجات کی۔ بارگاہِ خداوندی میں عرض پیش کی۔۔۔

وَقَالَ مُوۡسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَهٗ زِيۡنَةً وَّاَمۡوَالًا

اور دعا کی موسیٰ نے "پروردگارا، تونے دے رکھا ہے فرعون اور اسکے درباریوں کو سامان آرائش اور بہت مال

فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِكَ‌ ۚ رَبَّنَا اطۡمِسۡ

دنیاوی زندگی میں، پروردگارا کیا تاکہ گمراہ کریں تیری راہ سے۔ پروردگارا صورتیں مٹادے

عَلٰٓى اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡا حَتّٰى يَرَوُا

ان کے مال کی، اور بندش کردے ان کے دل پر، کہ پھر ایمان ہی نہ پائیں، یہاں تک کہ دیکھ لیں

الۡعَذَابَ الۡاَ لِيۡمَ ﴿۸۸﴾

عذاب دکھ دینے والا"●

(اور دُعا کی موسیٰ نے پروردگارا! تو نے دے رکھا ہے فرعون اور اُس کے درباریوں کو) اپنی منّتِ قدیمہ اور ربوبیتِ عامہ کی وجہ سے (سامانِ آرائش)، یعنی صحت و تندرستی، حسن و جمال، عمدہ لباس وغیرہ (اور بہت مال)، یعنی بکثرت سواریاں، گھر کا ساز و سامان اور سونے چاندی کا ڈھیروں مال (دُنیاوی زندگی میں)۔

جبکہ قومِ فرعون کا انجام گمراہ ہونا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اس کی خبر دے دی تھی، اس لیے انہوں نے دُعا میں کہا، کہ تو نے اُن کو دُنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے۔

(پروردگارا! کیا تاکہ) انجام کار یہ لوگوں کو (گمراہ کریں تیری راہ سے)۔

اس لیے کہ مال و دولت کی کثرت اور عیش و عشرت کی فراوانی کا عمومی نتیجہ یہی ہوتا ہے، کہ آدمی خدا سے غافل اور اس کا نافرمان ہو جاتا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔اس کا معنیٰ یوں ہے، کہ۔۔۔ پروردگارا کیا تو نے ان کو دُنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال اس لیے دیا تھا کہ یہ لوگوں کو گمراہ کریں۔۔ظاہر ہے کہ خدا نے انہیں مال و دولت دوسروں کو گمراہ کرنے کے لیے

نہیں دیا تھا، بلکہ وہ خود اپنی شامت اعمال سے گمراہی اور گمراہ گری کی راہ پر چل پڑے، تو ایسے نافرمان اور راہ ہدایت پر آنے کی استطاعت اور صلاحیت کھودینے والے، دنیا ہی میں سخت ترین سزا کے مستحق ہیں۔۔تو۔۔

(پروردگارا! صورتیں مٹادے اُن کے مال کی) یعنی دراہم ودنانیر وغیرہ کو پتھروں میں تبدیل فرمادے، **(اور بندش کردے اُن کے دل پر)**۔ یعنی جب اُن کے مقدر میں ایمان ہے ہی نہیں اور انہیں کفر ہی پر مرنا ہے، تو اُن کے دل کو اتنا سخت کردے، کہ عادتاً ایمان لانے کا امکان بھی ختم ہوجائے، تا **(کہ پھر ایمان ہی نہ)** لا **(پائیں، یہاں تک کہ)** اپنے کیفرِ کردار تک پہنچ جائیں اور **(دیکھ لیں عذاب دُکھ دینے والا)**۔

یعنی دریائے قلزم میں اپنے غرق ہونے کا منظر اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ کی دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ

فرمایا "بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی، تو تم دونوں جمے رہو اور نہ چلنا

سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

راہ ان نادانوں کی"●

(فرمایا بے شک تم دونوں) بھائیوں **(کی دُعا قبول کی گئی)**۔

حضرت موسیٰ دُعا کرتے تھے اور حضرت ہارون آمین کہتے تھے، اور آمین کہنے والا دُعا میں شریک ہوتا ہے۔ اس جہت سے حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ تم دونوں بھائیوں کی دُعا قبول کی گئی۔ یہ بھی ممکن ہے، کہ حضرت ہارون نے بھی الگ سے یہی دُعا کی ہو۔ یہ دُعا اس لیے کی گئی تھی تاکہ کافروں کی شوکت ٹوٹے۔۔چنانچہ۔۔دُعا کی قبولیت کے نتیجے میں ان لوگوں کا روپیہ اشرفی سب پتھر ہوگیا اُسی صورت اور نقش کے ساتھ جو ان میں تھے، اور صرف یہی نہیں۔۔ ۔۔بلکہ۔۔اُن کے سب مال، کھانے کی چیزیں، درخت اور پھل سب پتھر ہوگئے اور یہ بھی حضرت کلیم کی نبوت کی صداقت کی عظیم نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔

۔۔الختصر۔۔تمہاری دُعا قبول کرلی گئی **(تو تم دونوں)** بھائی **(جمے رہو)** یعنی ثابت قدم رہو دعوت اور الزام حجت پر اور جلدی نہ کرو، اس واسطے کہ تمہارا مطلب اپنے وقت پر ہوگا۔

کہتے ہیں، کہ چالیس برس کے بعد اس دُعا کا اثر ظاہر ہوا۔

۔۔۔الغرض۔۔جلدی (اور) عجلت کرنے میں (نہ چلنا راہ ان نادانوں کی) جو کمالِ جہالت کی وجہ سے نہیں جانتے یہ بات، کہ حق تعالیٰ کا وعدہ اپنے وقت پر انجام کو پہنچتا ہے۔

اور جب اس قوم پر عذاب آنے کا وقت آپہنچا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی، کہ اپنی قوم سمیت مصر سے باہر جاؤ، اس واسطے کہ قبطیوں پر عذاب نازل ہونے کا وقت آ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے گروہ سمیت ملک شام کی طرف چلے۔ جب دریائے قلزم کے کنارے پہنچے، تو فرعون اپنے لشکر سمیت اُن کے پیچھے پہنچا اور حضرت موسیٰ کی دُعا سے دریا پھٹ گیا۔ اور اس قصے کی تفصیل سورۂ شعراء میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگی۔ غرضیکہ بنی اسرائیل دریا سے صحیح سلامت پار اُتر گئے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا

اور بڑھا لے گئے ہم بنی اسرائیل کو دریا پار، تو پیچھے لگا ان کے فرعون اور اس کے لشکر بغاوت وظلم کو،

حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ

یہاں تک کہ جب دھر لیا اس کو غرق نے۔ چلّایا، کہ "میں مان گیا، کہ بیشک کوئی پوجنے کے قابل نہیں سوا اس کے جس کو

اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۹۰

مان چکے ہیں بنی اسرائیل، اور میں مسلمان ہوں"۔

(اور بڑھا لے گئے ہم بنی اسرائیل کو دریا پار) صحیح سلامت، (تو پیچھے لگا اُن کے فرعون اور اس کے لشکر) بنی اسرائیل پر حد سے زیادہ (بغاوت وظلم) کرنے کے ارادے (کو) لے کر۔ تو جب دریا کے کنارے پہنچے اور فرعون کا گھوڑا اُس گھوڑی کی بُو سے جس پر حضرت جبرائیل سوار تھے دریا میں جا پڑا، پھر اُس کے لشکر والوں نے بھی اُس کی پیروی کر کے اپنے اپنے گھوڑوں کو دریا میں ڈال دیا۔ گو فرعون کی یہ خواہش نہ تھی کہ دریا میں آئے، مگر اُس کا گھوڑا اُسے لے گیا (یہاں تک کہ جب دھر لیا اُس کو غرق نے) اور اس نے سمجھ لیا، کہ اب میں ہلاک ہی ہوں گا، تو (چلّایا، کہ میں مان گیا کہ بے شک کوئی پوجنے کے قابل نہیں سوا اس کے جس کو مان چکے ہیں بنی اسرائیل اور میں مسلمان ہوں)۔

فرعون چونکہ نہایت درجہ طمع رکھتا تھا، کہ میرا ایمان قبول ہو، تو یہ مضمون تین بار تین عبارت سے اس نے کہا۔ چونکہ 'ایمانِ یاس' تھا، وقت نکل جانے کی وجہ سے مقبول نہ ہوا۔ وقت پر

ہوتا، تو ایک ہی بار کہنا کافی تھا۔ جب فرعون یہ کہہ چکا، تو حق تعالیٰ نے۔۔۔یا۔۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا۔۔۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾

"اچھااب، حالانکہ نافرمانی کرتا رہا پہلے، اور تو فسادی تھا"

(اچھااب)؟یعنی کیا اب تو ایمان لاتا ہے، جب کچھ اختیار باقی نہ رہا۔(حالانکہ) صورت حال یہ رہی، کہ تو (نافرمانی کرتا رہا) آج سے (پہلے اور تو فسادی تھا)،یعنی گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں میں سے تھا۔

روایت ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام فرعون کے دیوان خانے میں آئے اور یہ سوال لکھ کر اُس کے سامنے پیش کیا، کہ جس غلام کے مال اور نعمت میں آقا کی بدولت زیادتی ہو اور آقا کی پرورش سے وہ غلام اور سب غلاموں میں ممتاز ہو جائے، پھر ناشکری اور کفرانِ نعمت کر کے اس غلام نے دعویٰ کیا کہ میں آقا ہوں اور اپنے مالک کی فرمانبرداری نہ کرے، تو ایسے غلام کا کیا حکم ہے؟ فرعون نے اپنے ہاتھ سے جواب لکھ دیا، کہ۔۔۔ابوالعباس ولید بن مصعب کہتا ہے، کہ جو غلام اپنے مالک سے بغاوت کرے اور اس کی نعمت کا ناشکر گزار ہو، اس غلام کی سزا یہ ہے کہ اُسے دریا میں ڈبو دیں۔۔۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہ کتبہ لے لیا اور فرعون جب ڈوبنے لگا اور ایمان ظاہر کرنے لگا، تو جبرائیل علیہ السلام نے اُس کا لکھا اُس کو دکھایا اور کہا، کہ تیرے ہی حکم کے بموجب یہ کام تیرے ساتھ ہوا۔ پھر حضرت جبرائیل نے دریا سے ایک مٹھی کیچڑ اٹھا کر اس ملعون کے منہ میں ڈال دی، تا کہ اس پر واضح کر دیا جائے کہ وہ آیاتِ الٰہیہ سے مسلسل انکار اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں بے پناہ گستاخیوں کے سبب راندہ درگاہ ہو چکا ہے، اور اب اس کا ایمان لانا مقبول نہیں۔ اس واسطے، کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جانتے تھے، کہ یہ 'ایمانِ یاس' ہے، جو مقبول نہیں۔۔بلکہ۔۔۔ اُسے زیادہ ذلیل وخوار کرنے کو کہا، کہ اب ایمان لاتا ہے جب تجھے کچھ اختیار اور قدرت باقی نہ رہی اور ایمان لانے کا وقت گزر گیا۔ ہاں عبرت کے لیے ابھی تیرے جسم کو باقی رکھنا ہے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ

"تو آج ہم بچائے دیتے ہیں تیرے بدن کو، تا کہ تو اپنے پیچھے والوں کیلئے نشانی رہ جائے۔"

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝

اور بے شک بہتیرے لوگ ہماری آیتوں سے بے خبر ہیں●

(تو آج ہم بچائے دیتے ہیں تیرے بدن کو، تا کہ تو اپنے پیچھے والوں کے لیے نشانی رہ جائے)

--الغرض--تیری سب قوم قعرِ دریا میں ہے --ہاں--ہم صرف تیرا بدن پانی پر تیراتے ہیں۔

جب فرعون اور اس کی قوم غرق ہوئی تو بنی اسرائیل کو دغدغہ رہا کہ فرعون ہلاک نہیں ہوا، اور وہ دم کے دم میں کشتیاں تیار کر کے اپنا لشکر دریا کے پار اتار لائے گا اور پھر ہمارا تعاقب کریگا، تو حق تعالیٰ نے فرعون کی لاش پانی پر تیرائی اُس زرہ سمیت جو وہ پہنے تھا، اور اس کے سبب سے لوگوں نے اس کو پہچانا اور فرعون کے جسم بے روح کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو تسلی ہوئی اور اُسی سبب سے بعض عالموں نے 'بدن' کے معنی 'زرہ' کیے ہیں اور باوصف اس کے کہ لوہا پانی میں ڈوب جاتا ہے پھر اس کا پانی پر ترانا قدرت خدا کا ایک نمونہ ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ فرعون کی قوم جو مصر میں باقی رہ گئی تھی، اس نے فرعون کا ڈوب جانا نہ مانا اور وہ لوگ بولے کہ فرعون اپنی قوم سمیت جزیروں سے چڑیوں اور مچھلیوں کے شکار میں مشغول ہے، تو حق تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا، کہ فرعون کی لاش کو کنارے ڈال دے۔ دریا نے اُسے اونچے ٹیکرے پر پھینک دیا اور سبھوں نے اُسے دیکھ لیا اور اسی سبب سے 'ننجیك ببدنك' کے معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں، کہ۔۔'ڈالے دیتے ہیں ہم تجھے اونچی زمین پر'۔

بہر تقدیر حاصل کلام یہ ہے کہ ہم تیرا بدن دریا سے باہر نکالتے ہیں، تا کہ تو اپنے بعد والوں کے لیے نشانی رہے اور بعد والے اُس سے عبرت حاصل کریں اور سمجھیں کہ جو مملوک و مقہور ہو، وہ اپنے مالک اور قاہر ہونے کے دعوے سے دور رہے۔ جو بندہ اپنے تئیں بحرِ فنا میں غرق ہونے سے چھٹکارا نہ پاسکے وہ 'اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى' اہل جہاں کو کیوں سنائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جسم کو بچالینے کا اعلان فرمایا، تو اس کا جسم آج تک محفوظ ہے۔ مصر میں غیر مسلموں کی حکومت بھی رہی، لیکن کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی، کہ وہ اُس کے جسم کو ضائع کردیتا۔ یہ قرآن مجید کی صداقت اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

عام لوگوں کی خام خیالی (اور) زبوں کرداری کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ **(بے شک بہتیرے لوگ ہماری آیتوں سے بے خبر ہیں)** نہ ان میں کچھ فکر کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے عبرت لیتے ہیں۔

فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے بعد بلاشبہ۔۔۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ

اور بے شک ٹھکانہ دیا ہم نے بنی اسرائیل کو اچھی جگہ میں، اور روزی فرمائی انھیں پاکیزہ چیزیں۔

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَھُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

تو وہ جھگڑے میں نہیں پڑے، یہاں تک کہ آ گیا انکے پاس علم۔ بیشک تمہارا پروردگار فیصلہ فرمائے گا ان کا قیامت کے دن،

فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

جس بات میں جھگڑتے تھے●

(اور بے شک ٹھکانہ دیا ہم نے بنی اسرائیل) یعنی اولادِ یعقوب علیہ السلام (کو اچھی جگہ میں) اور پاکیزہ، جیسی کہ ہمارے سچے وعدے کے لائق تھی، (اور روزی فرمائی انہیں پاکیزہ) اور لذیذ (چیزیں)۔

ایک قول کے مطابق کہ اس جگہ بنی اسرائیل سے رسول مقبول ﷺ کے زمانے کے یہود مُراد ہیں، کہ حق تعالیٰ نے مدینہ طیبہ میں انہیں جگہ دی اور تر خرمے انھیں روزی دِیے۔

(تو وہ جھگڑے میں نہیں پڑے) اور اختلاف نہیں کیا اپنے دین کے امر میں۔۔یا۔۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں (یہاں تک، کہ آ گیا اُن کے پاس علم) توریت کا اور اس کے احکام کا، تو اس میں تاویل کر کے انہوں نے اختلاف کیا اس زمانہ تک، کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نعتیں اور صفتیں انہیں معلوم ہوئیں، تو وہ ان کی تحریف اور تغییر میں مشغول ہوئے۔۔۔ اور بعضوں نے کہا کہ وہ قرآن کا علم ہے جو نازل ہوا اور اختلافِ یہود کا سبب ہوا۔۔ (بے شک تمہارا پروردگار فیصلہ فرمائے گا ان کا قیامت کے دن، جس بات میں) عناد۔۔یا۔۔ جہل کی رو سے (جھگڑتے تھے)۔

فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ

تو اگر تم شک میں ہوتے، جسے اتارا ہم نے تمہاری طرف، تو پوچھ لیتے ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تم

مِنْ قَبْلِکَ ۚ لَقَدْ جَآءَکَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ

سے پہلے۔ بے شک آیا ہے تمہارے پاس حق، تمہارے پروردگار کی طرف سے، تو مت رہو

مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۹۴﴾

شکیوں کے ساتھ●

(تو اگر تم شک میں ہوتے) ان احکامات وواقعات کے تعلق سے (جسے اُتارا ہم نے تمہاری طرف،تو) ظاہر ہے کہ تم ضرور (پوچھ لیتے ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تم سے پہلے) یعنی اہل کتاب سے ان واقعات اور حالات کے ان کی کتابوں میں ہونے کے تعلق سے تحقیق حال کر لیتے۔

یہ بات بھی اُس وقت تھی جب آپ شک میں ہوتے،لیکن جب آپ اُن کے تعلق سے شک میں رہے ہی نہیں،تو کسی سے پوچھنے کا سوال ہی کیا۔۔ہاں۔۔اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر امت رسول ﷺ وغیرہ میں کوئی اس تعلق سے شک میں ہو،تو اُسے چاہیے کہ اپنے عہد کے اہل کتاب سے معلومات حاصل کر کے اُس کی تصدیق کر لے۔

اور اب جبکہ صورتِ حال یہ ہے،کہ (بے شک آیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے پروردگار کی طرف سے) جس کی صحت اور درستگی میں کوئی شک نہیں،(تو مت رہو شکیوں کے ساتھ)۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ

اور نہ ہو ان میں،جنھوں نے جھٹلائیں اللہ کی آیتیں،کہ تو ہو جائے

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٩٥

خسارے والوں میں●

(اور نہ ہو ان میں جنہوں نے جھٹلائیں اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں،کہ تو ہو جائے خسارے والوں میں)۔

نبی کریم نہ کبھی شک میں تھے اور نہ ہی شکیوں کے ہم نوا رہے۔۔نیز۔۔نہ ہی جھٹلانے والوں میں شامل ہوئے۔۔لیکن۔۔اس سے امتیوں کو سبق ملا،کہ قرآنی احکامات کو سن لینے کے بعد وہ اُس کے حق ہونے کے تعلق سے کسی طرح کے شک وریب میں گرفتار نہ ہوں، اور اپنے کو اس خسارے کا مستحق نہ بنائیں،جو شک کرنے والوں کا مقدر ہے۔حق کو ماننا بھی رب کریم کی توفیق پر موقوف ہے۔۔تو۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٩٦

بے شک جن پر کلمۃ الحق ہو گیا تمہارے پروردگار کا،نہ مانیں گے●

(بے شک جن پر کلمۃ الحق ہو گیا تمہارے پروردگار کا)،یعنی ان پر واجب ہو گئی لوحِ محفوظ

میں لکھی ہوئی تیرے رب کی بات، کہ وہ کفر ہی پر مریں گے۔
۔۔یا۔۔وہ اس گروہ میں شامل ہوگئے جن کے تعلق سے رب نے فرمایا کہ۔۔ہم ان کو ضرور بالضرور آگ میں ڈال کر جہنم کو بھر دیں گے اور ہمیں کوئی پرواہ نہ ہوگی۔۔بہر تقدیر جب کلمۂ رب اُن کے حق میں ثابت ہوگیا، تو پھر وہ کسی حال میں بھی۔۔۔
(نہ مانیں گے) یعنی ایمان نہ لائیں گے۔اس واسطے کہ حق تعالیٰ کی بات جھوٹ نہیں اور اُن کے ایمان کا اصلی سبب ارادۂ الٰہی کا متعلق ہونا ہے۔جب وہی مفقود ہے، تو ہرگز وہ ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

گوآجائے ان کے پاس ساری نشانی، یہاں تک کہ دیکھ لیں عذاب کو دکھ دینے والا●

(گوآجائے اُن کے پاس ساری نشانی) جو وہ چاہتے ہیں (یہاں تک کہ دیکھ لیں عذاب کو) جواُن کے لیے نامزد ہو اور (دُکھ دینے والا) ہو۔لیکن عذاب نازل ہونے کے بعد ایمان انھیں کچھ نفع نہ پہنچائے گا، جس طرح قوم فرعون اور اگلی سب امتوں کو فائدہ نہ ہوا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ

تو کوئی بستی نہیں جو ایمان لائی، اور اس کے ایمان نے اس کو نفع دیا، سوا قوم یونس کے۔

لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

جب ایمان لے آئے، تو ہم نے دور کر دیا ان سے دنیاوی زندگی میں رسوا کر دینے والے عذاب کو،

وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

اور مہلت دی ہم نے انہیں ایک میعاد تک●

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کا حکم صادر ہو چکا، وہ ایمان نہیں لائیں گے، خواہ اُن کے پاس تمام نشانیاں آجائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو بھی دیکھ لیں۔اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کفر کے بعد ایمان لائی۔اس طرح کافر قوموں کی اب دو قسمیں ہو گئیں:
ایک وہ جن کا خاتمہ کفر پر ہوا، اور دوسری وہ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔
حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ مختصر طور پر یہ ہے، کہ حق تعالیٰ نے انہیں گروہِ نینوا کی طرف

بھیجا زمین موصل میں، اور انہوں نے مدت تک ان لوگوں کو خدا کی طرف بلایا۔ یہ لوگ انکار کر کے انہیں رنج پہنچاتے رہے، آخر تنگ آ کر حضرت یونس علیہ السلام نے جنابِ الٰہی میں عرض کی، کہ اے میرے اللہ! میری قوم نے میری تکذیب کی، اب تو ان پر عذاب نازل کر۔

حق تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور ارشاد کیا کہ اپنی قوم کو خبر کر دے، کہ تین[۳] دن۔۔۔ یا۔۔ چالیس[۴۰] دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہوگا۔ یونس علیہ السلام نے انہیں خبر کر دی اور قوم میں سے نکل ایک پہاڑ کی دراڑ میں چھپ رہے۔ جب وقتِ موعود آیا، تو حق تعالیٰ نے مالک علیہ السلام کو، جو دوزخ پر متعین ہیں حکم دیا، کہ ایک جَو کی قدر دوزخ کی ہوا اس قوم پر چلاؤ۔

مالک حکم الٰہی بجالائے اور وہ گرم ہوا ابرِ سیاہ۔۔۔ یا۔۔ غلیظ دھوئیں اور آگ کی چنگاریوں کی صورت میں آئی اور شہر نینوا کو گھیر لیا۔ شہر والے سمجھ گئے، کہ یونس علیہ السلام نے سچ کہا تھا۔ سب اپنے بادشاہ کے پاس آئے، وہ مَردِ عاقل تھا، بولا کہ یونس علیہ السلام کو بلاؤ، ہر چند ڈھونڈا، وہ نہ ملے۔ بادشاہ بولا، کہ اگرچہ یونس علیہ السلام چلے گئے، مگر جس خدا کی طرف ہمیں بلاتے تھے، وہ تو موجود ہے اور جانتا سنتا ہے۔ اب اور کچھ چارہ نہیں، مگر یہ کہ اُسی کی درگاہ میں ہم سب عاجزی اور زاری کریں۔ پھر بادشاہ ننگے سر، ننگے پاؤں، موٹا کپڑا اوڑھے ہوئے اور رعایا بھی اُسی ہیئت پر صحراء کی طرف چلے۔

عورت مرد، چھوٹے بڑے، سب نے نالہ وزاری کی۔ لڑکوں کو ماؤں سے چھڑا لیا تھا اور ایک بار سب نے اپنی نیتیں خالص کر کے زور سے کہا، کہ یا اللہ یونس علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے ہم سب اس پر ایمان لائے۔ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے محرم کی دسویں تاریخ تک سب اِسی طرح نالہ وزاری کرتے رہے، اور ان چالیس[۴۰] روز میں نالہ وزاری سے آسودہ نہ ہوئے، ماندگی اور بے چارگی کی حالت میں دُعا کیے ہی گئے۔

کچھ لوگوں نے عرض کیا، کہ خداوندا! یونس علیہ السلام نے ہم سے کہا تھا کہ میرے خدا نے کہا ہے کہ تم لونڈی غلام مول لے کر آزاد کرو۔ اے اللہ! ہم تیرے بندے ہیں تو اپنے فضل وکرم سے ہمیں عذاب سے آزاد کر۔ کچھ لوگ رو کر کہتے تھے، کہ اے ہمارے اللہ یونس علیہ السلام نے ہمیں خبر دی تھی، کہ تو نے حکم فرمایا ہے کہ بیچاروں اور عاجزوں کی دستگیری کرو، ہم بیچارے اور عاجز ہیں، تو اپنے فضل سے ہماری دستگیری کر۔

اور بعضے لوگ یوں عرض کرتے تھے، کہ اے ہمارے پروردگار! یونس علیہ السلام تیرے

فرمانے کے بموجب حکم کرتے تھے جو کوئی تم پر ظلم کرے، تو تم معاف کر دو۔ خداوندا ہم نے گناہ کے سبب سے اپنے اوپر ظلم کیا، تو ہمیں معاف فرما دے اور ایک گروہ اس طرح التجاء کرتا تھا، کہ اے خدا! یونس علیہ السلام ہم سے کہتے تھے کہ میرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ سوال کرنے والوں کو رَد نہ کرو۔ ہم تیری درگاہ میں سوال کرتے ہیں، ہمارا سوال رَد نہ کر۔ غرضیکہ چالیسویں روز کہ جمعہ اور عاشورے کا دن تھا، اُن کی دُعا کا اثر ظاہر ہوا۔ دیوانِ رحمت سے پروانۂ نجات لکھا گیا، اَبر کی سیاہی دفع ہوئی، ابرِ رحمت نے اُن کے سروں پر سایہ کیا۔

یونس علیہ السلام چالیس دن کے بعد نینوا کی طرف متوجہ ہوئے، اور چاہا کہ قوم کی خبر لیں۔ جب شہر کے قریب پہنچے اور یہ حال دیکھا، تو انہیں نہایت رنج ہوا، کہ میں نے تو انہیں عذاب سے ڈرایا تھا اور عذاب رحمت سے بدل گیا، اب اگر میں اس شہر میں جاؤں گا، تو ضرور مجھے جھوٹا کہیں گے۔ یہ خیال کر کے صحرا کی راہ لی اور ان کا دریا میں جانا اور مچھلی کے پیٹ میں قید ہونا انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ انبیاء اور سورۂ صافات میں مذکور ہوگا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے واقعات سے ظاہر ہو گیا، کہ ایسی۔۔۔

(تو کوئی بستی نہیں جو) عذاب نازل ہونے کے وقت (ایمان لائی اور اس کے ایمان نے اس) گاؤں والوں (کو نفع دیا، سوا قوم یونس کے)، کہ (جب) وہ (ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے دُنیا کی زندگی میں رسوا کر دینے والے عذاب کو اور مہلت دی ہم نے انہیں ایک میعاد تک) یعنی اُن کی اجل پہنچنے تک۔

اس تفسیر پر 'ایمانِ یاس' کا نفع اُسی قوم کے ساتھ خاص رہے گا، اور 'ایمانِ یاس' کے مقبول نہ ہونے کا جو عام ضابطہ ہے اُس سے اُس قوم کا معاملہ مستثنیٰ رہے گا۔ بعض جماعتِ مفسرین اس بات پر ہیں، کہ اِس آیت کے یہ معنی ہیں کہ عذاب دیکھنے کے قبل دیہات والے کیوں نہ ایمان لائے اور کیوں نہ انہوں نے جلدی کی، کہ اُن کا ایمان انہیں فائدہ دیتا، مگر یونس علیہ السلام کی قوم نے جب عذاب کے آثار دیکھے، تو ایمان لانے میں انہوں نے دیر نہیں لگائی، کہ جب عذاب آلیتا تو وہ ایمان لاتے۔

اِس صورت میں استثناء منقطع ہوگا۔ جبکہ پہلی تفسیر کی صورت میں استثناء متصل ہے۔ حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ قوم کے ایمان پر بہت حریص تھے، جب وہ لوگ ایمان نہ لاتے تو آپ کے قلب شریف اور رحیم و کریم دل کو بہت ملال ہوتا، تو حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے اگلی

آیت نازل فرمائی اور خلق کے ایمان کو اپنی مشیت کے ساتھ وابستہ کیا اور فرمایا، کہ۔۔۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ

اور اگر تمہارا پروردگار چاہے، تو ایمان لائیں سارے زمین والے سب کے سب۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾

تو کیا تم مجبور کرو گے لوگوں کو؟ یہاں تک کہ ہو جائیں مسلمان●

(اور اگر تمہارا پروردگار چاہے تو ایمان لائیں سارے زمین والے سب کے سب) لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے، لیکن اُس کی حکمت میں نہیں ہے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے صرف تبلیغ کے لیے بھیجا ہے اور اگر کوئی شخص آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود ایمان نہیں لاتا، تو آپ غم نہ کریں۔ کیونکہ آپ کو اس لیے تو نہیں بھیجا گیا ہے، کہ آپ اُن پر جبر کر کے اُن کو کلمہ پڑھا دیں۔ (تو کیا تم مجبور کرو گے لوگوں کو؟ یہاں تک کہ) وہ (ہو جائیں مسلمان) یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، کہ وہ لوگوں کو اختیار کے بجائے اضطراری طور پر اُن کو ایمان والا بنا دے۔۔ چنانچہ۔ ازلی طور پر جس کے تعلق سے خدا کو یہ علم ہے، کہ کفر کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرے گا، اُسی کے لیے اللہ تعالیٰ ایمان پیدا کرے گا۔ اس کے برعکس جس کے تعلق سے اُس کے علم ازلی میں یہ بات ہو، کہ وہ ایمان کے مقابلے میں کفر اختیار کرے گا، تو اس کے لیے ایمان نہیں پیدا کرے گا، بلکہ کفر پیدا کرے گا۔ المختصر۔۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ

اور کوئی نہیں ہے کہ ایمان قبول کرے بغیر چاہے اللہ کے۔ اور ڈالتا ہے

الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

گندگی ان پر جو نادان ہیں●

یقیناً (اور) بے شک (کوئی نہیں ہے کہ ایمان قبول کرے بغیر چاہے اللہ) تعالیٰ (کے) یعنی بغیر خدا کے ارادے اور اس کی توفیق وحکم کے، (اور ڈالتا ہے) کفر کی (گندگی ان پر جو نادان ہیں) اور سمجھ سے عاری ہیں۔

علمی طور پر کفر سے قبیح تر اور کیا شے ہو سکتی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ بے عقلوں پر کفر جیسی قبیح تر قابل کراہت ونفرت چیز کو باقی رکھتا ہے۔ کافروں کی تعبیر بے عقلوں

سے اسی لیے کی ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل وآیات کے دیکھنے سننے کے باوجود اُن کی عقلیں ایسی اندھی ہیں، کہ وہ ہدایت نہیں حاصل کر سکتے۔ اسی لیے ایمان کو اذن سے متعلق فرما کر آخر میں فرمایا، کہ ایسے لوگ قبائح کفر وضلال میں ہمیشہ ڈوبے رہیں گے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ

کہو، کہ "دیکھو تو لو کہ کیا ہے آسمانوں میں اور زمین میں" اور نہیں کام دیتیں آیتیں

وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور ڈرانے والی ہستیاں ان کے، جو نہ مانیں●

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا، کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اُس کی تقدیر اور مشیت کے بغیر ایمان نہیں حاصل ہوسکتا، اور اِس آیت میں زمین اور آسمانوں میں جو اُس کی ذات اور اُس کی قدرت پر نشانیاں ہیں، ان میں تدبر اور تفکر کا حکم دیا ہے، تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ انسان مجبور محض ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک گونہ مختار بنایا ہے، سو اُس پر لازم ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کی بناوٹ پر غور کرے اور اُن میں جو کواکب اور سیارے ہیں اُن میں تفکر کرے، کہ وہ ایک مخصوص نظام کے تحت قائم ہیں اور گردش کر رہے ہیں۔

رات اور دن کے توارد اور اُن کے اختلاف میں، بارشوں کے ہونے اور دریاؤں میں سیلاب اور سمندروں کے طوفانوں میں، اور کھیتوں اور باغات میں غلہ اور پھلوں کی پیداوار میں، یہ نشانی ہے کہ یہ تمام چیزیں نظام واحد کے تحت رو بہ عمل ہیں۔ انسانوں، مویشیوں، چرندوں، درندوں اور پرندوں میں توالد اور تناسل کا نظام واحد ہے۔ موسموں کے بدلنے کا نظام واحد ہے۔ غذا کے انہضام کا نظام واحد ہے، سورج اور چاند کے طلوع اور غروب کا نظام واحد ہے۔ انسان خواہ اپنے باہر کی دنیا کو دیکھے، تو ہر چیز نظام واحد میں مربوط ہے اور اپنے اندر کی دنیا کو دیکھے تو ہر چیز نظام واحد میں منسلک ہے اور نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا بھی واحد ہے۔

یہ جہاں 'عالم کبیر' ہے اور خود انسان 'عالم صغیر' ہے، اور 'عالم کبیر' کے نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے اور 'عالم صغیر' میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے۔ اور نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔۔ الختصر۔۔ اے محبوب! آسمانوں اور زمینوں

میں تدبر وتفکر کی دعوت دیتے ہوئے۔۔۔

(کہو) ان مشرکین سے جو نشانیاں مانگتے ہیں، (کہ دیکھ تو لو) دیدۂ دل سے۔۔یا۔۔ان آنکھوں سے (کہ کیا) کچھ (ہے) عجائبِ فطرت سے (آسمانوں میں اور) بدائع قدرت سے (زمین میں)، تاکہ وہ تمہارے لیے کمالِ صنعتِ الٰہی اور منتہائے علم وحکمتِ بادشاہی پر دلیل ہو، حالانکہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے (اور) سچائی ہے، کہ (نہیں کام دیتیں آیتیں اور ڈرانے والی ہستیاں اُن کے جو نہ مانیں)۔ یعنی علم وحکمتِ خداوندی میں جن کا ایمان نہ لانا متعین ہو چکا ہے، اُن کے لیے خدائی نشانیاں دیکھ لینا ۔۔یا۔۔ڈرانے والوں کی باتیں سن لینا، یہ دونوں چیزیں عذابِ الٰہی کو دفع نہیں کرسکتیں۔۔۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ

تو وہ منتظر ہیں، بس ان لوگوں کے ایام کی طرح، جو گزرے ان سے پہلے۔

قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۱۰۲﴾

کہہ دو کہ نظر لگائے رہو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں●

(تو وہ منتظر ہیں بس ان لوگوں کے ایام کی طرح جو گزرے ان سے پہلے) یعنی انبیاءِ سابقین علیہم السلام اپنے زمانوں میں کفار کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور وہ اُن کی تکذیب کرتے تھے اور اُن کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے، کہ یہ عذاب جلدی کیوں نہیں آتا۔ اِسی طرح رسول اللہ کے زمانہ کے کفار تھے، وہ بھی اُسی طرح کہتے تھے۔ اس لیے فرمایا، اَے محبوب! اُن سے (کہہ دو کہ نظر لگائے رہو) اور اس وعید کے پورا ہونے کا انتظار کرو، (میں بھی تمہارے ساتھ) اس وعید کے پورا ہونے کے دن کا (منتظر ہوں)۔

سابقہ آیت میں نبی کریم کو بھی حکم دیا تھا، کہ کفار جس طرح اپنے اوپر جس عذاب کا انتظار کررہے ہیں، اسی طرح آپ بھی ان پر اس عذابِ الٰہی کا انتظار کریں۔ اور اب اگلی آیت میں اس کی تفصیل فرمائی، کہ عذاب صرف کفار پر نازل ہوگا اور نبی کریم ﷺ اور آپ کی اتباع کرنے والے اہلِ نجات سے ہیں۔ جس طرح پہلے بھی عذاب صرف کفار پر نازل ہوا اور اپنوں کے لیے فرمایا گیا، کہ۔۔۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

پھر ہم بچالیں گے اپنے رسولوں کو اور جو ایمان لاچکے، یہی ہونا ہے حق ہے۔ ہماری ذمہ داری پر کہ ہم بچالیں مسلمانوں کو●

(پھر ہم بچالیں گے اپنے رسولوں کو اور جو ایمان لاچکے، یہی ہونا ہے) یعنی جس طرح رسولوں کو اور ان کی پیروی کرنے والوں کو ہم نے نجات دی، اسی طرح (حق ہے ہماری ذمہ داری پر) یعنی ہمارا صحیح اور درست وعدہ ہے (کہ ہم) مشرکوں کو ہلاک کرتے وقت (بچالیں مسلمانوں کو)۔

۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور کرم کی وجہ سے مومنوں سے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کریم وعدہ کر کے اُسے پورا کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس پر ثواب عطا فرمانا واجب ہے، نہ اس وجہ سے کہ مومنوں کا اللہ پر کوئی حق ہے۔ جیسے کام کرنے والے کا کام کرانے والے پر حق ہوتا ہے۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنے اوپر مومنوں کی نجات کو واجب کرلیا ہے، اور اپنے ذمۂ کرم میں رکھ لیا ہے۔۔۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا

کہو کہ "اے لوگو! اگر تمہیں شک ہو میرے دین کی طرف سے، تو میں

أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي

معبود نہیں مانتا جن کو تم معبود مانتے ہو اللہ کو چھوڑ کر، لیکن میں معبود مانتا ہوں اللہ کو،

يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٤﴾

جو مدت پوری کر دیتا ہے تمہاری۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان رہوں●

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی صحت پر دلائل قائم کیے تھے اور اپنی وحدانیت پر براہین قائم کیے تھے، اور اپنے محبوب ﷺ کی نبوت کا صدق بیان فرمایا تھا، اور اب رسولِ کریم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے دین کا اظہار کریں اور یہ اعلان کریں، کہ وہ مشرکین سے الگ اور علیحدہ ہیں، کیونکہ مشرکین پتھروں سے تراشے ہوئے اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں، جو کسی قسم کا نقصان۔۔یا۔۔نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہیں اور دراصل نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر وہی ذات ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور میں اُسی کی عبادت کرتا ہوں۔ تو اے محبوب! ان مشرکین سے۔۔۔

(کہو کہ اے لوگو! اگر تمہیں شک ہو میرے دین کی) صحت وحقانیت کی (طرف سے)، تو میں

واضح لفظوں میں اپنے دین کو تمہارے واسطے بیان کر دیتا ہوں اور اس کی پوری تفصیل سے تمہیں آگاہ کر دیتا ہوں۔(تو) سنو (میں معبود نہیں مانتا جس کو تم معبود مانتے ہو، اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور اس کا باغی ہو کر۔۔ چنانکہ میں بتوں کو اور فرشتوں وغیرہ کو معبود نہیں مانتا۔ (لیکن میں معبود مانتا ہوں) صرف (اللہ) تعالیٰ (کو جو) قادرِ مطلق ہے اور (مدت پوری کر دیتا ہے تمہاری)۔

مار ڈالنے کی تخصیص تہدید کے واسطے اس لیے ہے، کہ مشرکوں کا مرنا اُن کے عذاب کی میعاد ہے۔

(اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) میں (مسلمان رہوں) یعنی احکام الٰہی اور اخبارِ انبیاءِ علیہم السلام پر دل سے ایمان لاؤں۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور یہ کہ ٹھیک رکھو اپنا رخ دین کیلئے یکسو ہو کر۔ اور مت رہو مشرکوں کے ساتھ●

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ

اور نہ پکارو اپنے گڑھے معبود کو جو نہ تمہارا بنا سکے، اور نہ بگاڑ سکے۔

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

کہ اگر ایسا کیا، تو اندھیر والوں سے ہوا●

(اور یہ کہ ٹھیک رکھو اپنا رخ دین کے لیے یکسو ہو کر) یعنی خالصاً لوجہ اللہ دین اسلام کی طرف مائل رہوں (اور) اپنے تمام وابستگانِ دامن ایمان والوں کو ہدایت کر دوں، کہ (مت رہو مشرکوں کے ساتھ) عقیدہ و عمل میں۔۔۔

(اور نہ پکارو) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی معبود سمجھ کر، چہ جائیکہ (اپنے) ہاتھوں سے (گڑھے) ہوئے خود ساختہ (معبود کو جو نہ تمہارا بنا سکے اور نہ بگاڑ سکے)، یعنی جس کو پکارنے میں تمہیں کوئی فائدہ نہ ملے اور یونہی جسے چھوڑ دینے میں تمہارا کوئی نقصان نہ ہو۔

اِس میں تعریض ہے کہ دین برحق وہ ہوتا ہے، جس میں کوئی صاحبِ عقل شک نہ کر سکے اور جس کی فطرت سلیم ہو، وہ اس کی تحسین کرے اور مشرکین ان بتوں کی پرستش کرتے تھے جن کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، سو جو بت اپنے وجود میں خود مشرکین کے

محتاج تھے وہ اُن کے خالق اور معبود کیسے ہوسکتے ہیں، اور اُن کی مشکلات کو کس طرح دور کر سکتے ہیں۔ یہ ایسا دین ہے جس کا ہر صاحبِ عقل انکار کرے گا۔

تو اے رسول کے امتی! اگر تجھے نبی کریم کی یہ ہدایت ملی، (کہ) تو ایسا نہ کرے، تو پھر (اگر) تو نے (ایسا کیا، تو) سمجھ لے، کہ تو (اندھیر والوں سے ہوا)۔ اس لیے کہ عبادت کا محل یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائے۔ پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت کی، اس نے عبادت کو غیر محل میں رکھا، سو یہی ظلم ہے اور اپنے اوپر سب سے بڑا اندھیر ہے۔

مذکورہ بالا تفسیر نے اشارہ کر دیا، کہ ان تینوں آیتوں میں تعریض ہے۔ ذکر رسول اللہ ﷺ کا کیا گیا ہے، اور مراد آپ کی امت ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا ہے، کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، کہ میں مومنوں سے رہوں، جبکہ آپ پیدائشی اور دائمی مومن ہیں۔ اس میں امت کو بتایا ہے، کہ جب ہمارے نبی پر یہ حکم ہے، تو تم پر بھی یہی حکم ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا آپ مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ آپ معصوم ہیں، آپ کا مشرک ہونا کیسے متصور ہوسکتا ہے، سو اس حکم سے بھی آپ کی امت مراد ہے اور تیسری آیت میں فرمایا، کہ اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا، تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور اس میں تعریض بالکل ظاہر ہے۔

اب آگے یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے، کہ خیر اور شر اور نفع اور ضرر، بالذات صرف اللہ عزوجل کی طرف راجع ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اور استحقاقِ عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔۔ چنانچہ۔۔ فرماتا ہے، کہ سن لے اے سننے والے۔۔۔

وَاِنۡ یَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ‌ۚ وَاِنۡ یُّرِدۡكَ

اور اگر دے تجھے اللہ کچھ تکلیف، تو کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں، مگر وہی۔ اور اگر چاہے تیری

بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ‌ؕ یُصِیۡبُ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ؕ

بھلائی، تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کا۔ پہنچا دے اسے جسے چاہے اپنے بندوں سے۔

وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۷﴾

اور وہی غفور رحیم ہے"●

(اور) یاد رکھ، کہ (اگر دے تجھے اللہ) تعالیٰ (کچھ تکلیف)۔۔ مثلاً: مرض۔۔ یا۔۔ شدت۔۔ یا۔۔ محتاجی وغیرہ، (تو کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں، مگر وہی) جو اللہ ہے (اور اگر چاہے تیری بھلائی)

۔۔مثلاً صحت، راحت اور غنی کر دینا، (تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کا) یعنی کوئی دفع کرنے والا اور باز رکھنے والا نہیں اس کے اس فضل کو، جسے وہ اپنے بندوں کو ان بندوں کے استحقاق کے بغیر محض اپنے کرم اور ارادۂ خیر سے عطا فرماتا ہے۔۔چنانچہ۔۔(پہنچادے اسے جسے چاہے اپنے بندوں سے اور وہی غفور) ہے، بخشنے والا ہے۔تو اے گنہگار بندے! اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے، تو عبادت کر کے اس کی رحمت کی امید رکھو۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں توحید، رسالت، اور قیامت پر دلائل قائم کیے اور منکرین کے شبہات کا ازالہ فرمایا، اور کافروں پر حجت پوری کرنے کے بعد فرمایا، کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا، کہ وہ ہدایت کو اختیار کرے گا، وہی ہدایت کو اختیار کرے گا۔اس لیے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا، کہ آپ کہہ دیں، کہ میں تم کو ہدایت پر مجبور کرنے والا نہیں ہوں۔تم تک ثوابِ عظیم کو پہنچانے کے لیے اور تم کو عذابِ الیم سے چھڑانے کے لیے اس سے زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں، جتنی کوشش میں کر چکا ہوں۔۔الختصر۔۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ

پکار دو کہ "اے لوگو! بیشک آ گیا تمہارے پاس حق، تمہارے پروردگار کی طرف سے۔تو جس نے راہ پائی،

فَإِنَّمَا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ

تو اپنے ہی لئے پائی۔اور جو بہکا، وہ اپنے حق میں بہکا۔

وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ﴿١٠٨﴾

اور میں نہیں ہوں تم پر جبر●

اے محبوب! (پکار دو، کہ اے لوگو! بے شک آ گیا تمہارے پاس حق) کلام صحیح۔۔یا۔۔سچا پیغمبر (تمہارے پروردگار کی طرف سے)، تاکہ تمہیں کوئی عذر باقی نہ رہے۔(تو جس نے راہ پائی) اور ایمان لایا اور اطاعت کی، (تو اپنے ہی لیے پائی) یعنی اس کا فائدہ اُسی کی ذات کو ملے گا۔(اور جو بہکا) یعنی انکار و تکذیب کے سبب گمراہ ہوا، تو (وہ اپنے حق میں بہکا) یعنی اُس گمراہی کا وبال اُسی پر ہے (اور میں نہیں ہوں تم پر جبر) کرنے والا۔کسی کو بھی بالجبر منوانا میرے فریضۂ نبوت میں نہیں۔مجھ پر صرف صحیح راستہ دکھا دینا لازم ہے، منزل تک پہنچا دینا لازم نہیں۔۔چنانچہ۔۔تبلیغ و ہدایت کے تعلق سے جو فرض تھا

اُسے میں نے بفضلہٖ تعالیٰ بخوبی ادا کر دیا ہے۔اے محبوب! اتنی واضح ہدایت فرمانے کے بعد بھی اگر کوئی راہ پر نہ آئے،تو آپ فکرمند نہ ہوں۔۔۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ

اور تم چلو جو وحی بھیجی جاتی ہے تمہاری طرف،اور صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ فرمادے اللہ۔

وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠٩﴾

اور وہ خوب فیصلہ فرمانے والا ہے"●

ع ۱۶

(اور تم) حسبِ معمول **(چلو)** اور چلتے رہو اس پر، **(جو وحی بھیجی جاتی ہے تمہاری طرف)** اس پر عمل کرتے رہو اور دوسروں تک پہنچاتے رہو، **(اور صبر کرو)** دعوتِ اسلام پر اور اس ایذاء پر جو تجھے پہنچتی ہے اور تحمل اختیار کیجیے **(یہاں تک کہ فیصلہ فرمادے اللہ)** تعالیٰ،یعنی حکم فرمادے اللہ تعالیٰ تیری نصرت کا۔۔یا۔۔بُت پرستوں کے قتل کا۔۔یا۔۔اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم فرمائے، **(اور وہ خوب فیصلہ فرمانے والا ہے)**۔اس لیے کہ اس کے فیصلے میں خطا،طرفداری اور ظلم نہیں ہے۔۔یا۔۔چھپی باتوں پر مطلع ہے اور گواہ کا محتاج نہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ سورۂ یونس کی تفسیر بتاریخ

۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۱۰ر مئی ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ بوقت پونے دو بجے دن مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ پورے کلام مقدس کی تفسیر کی سعادت ارزانی فرمائے۔

آمین يَا مُجِيبَ السَّائِلِينَ بِحُرْمَةِ حَبِيبِكَ سَيِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ۔ مطابق۔ ۱۲/مئی ۲۰۱۰ء

بروز چہارشنبہ سورۂ ہود کی تفسیر شروع کردی۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل اور پورے قرآن کریم کی

تفسیر کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَۃِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

سورۂ ہود مکیۃ — آیات ۱۲۳ رکوع ۱۰
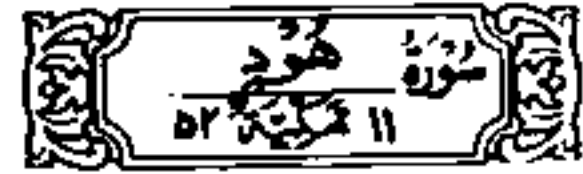
اس سورۂ مبارکہ کا نام سورۂ ہود ہے، کیونکہ اس سورہ میں حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم، عاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ گو بعض دوسری سورتوں میں بھی حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر شریف ہے، مگر اِس سورت میں آپ کا اِسم شریف، پانچ ۵ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور کسی سورت میں ایسا نہیں ہے۔۔ نیز۔۔ اِس سورت میں یہ تصریح ہے، کہ عاد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے اور کسی سورت میں اس طرح تصریح نہیں ہے کہ 'سنو ہود کی قوم عاد کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہے'۔۔۔ سورۂ ہود مکی اور اس میں ایک سو تیئیس ۱۲۳ آیتیں اور دس ۱۰ رکوع ہیں۔ جمہور کے نزدیک سورۂ ہود کی تمام آیتیں مکی ہیں۔۔ لیکن۔۔ بعض علماء نے اس کی آیت ۱۲، آیت ۱۷ اور آیت ۱۱۴ کا استثناء کیا ہے، کیونکہ اُن کے نزدیک یہ تین ۳ آیتیں 'ابوالیسر' کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

سورۂ ہود ہجرت سے کچھ پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اور سورۂ یونس کے بعد متصلاً نازل ہوئی۔ اس وقت وہی حالات تھے، جو نبی کریم ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا پیش خیمہ تھے۔ سورۂ ہود کے مضامین، سورۂ یونس کی طرح ہیں۔ سورۂ یونس کی طرح یہ سورت بھی 'الف لام را' سے شروع ہوتی ہے۔ سورۂ ہود، سورۂ یوسف سے پہلے اور سورۂ یونس کے بعد نازل ہوئی۔ ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۲ ہے۔ سورۂ ہود ان پُر

جلال اور خشیتِ الٰہی پیدا کرنے والی سورتوں میں ہے، جن کے تعلق سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کہ ان سورتوں نے مجھے بوڑھا کردیا۔

اس سورہ میں بعض ان انبیاءِ کرام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، سورہ یونس میں جن کا ذکر نہیں ہے۔۔نیز۔۔اس سورت کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے، کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جو طوفان آیا تھا، اس کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

تو ایسی پُر جلال اور باعظمت سورہ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍۙ ﴿١﴾

ال راء۔۔ ایسی کتاب کہ محکم ہیں جسکی آیتیں، پھر تفصیل کردی گئی ہے حکمت والے خبردار کی طرف سے●

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌۙ ﴿٢﴾

کہ معبود نہ مانو سوا اللہ کے۔ بے شک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے خوف وخوشخبری لانے والا ہوں●

(ال راء)۔

یہ ان حروف مقطعات میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بھید ہیں۔اُن کے معنی کے تعلق سے سوال نہ کرنا ہی راہِ اسلم ہے۔بس ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی کیا اپنی مراد ہے، یہ وہی جانے، یا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے وہ رسول جانے جس پر ان کلمات کو نازل فرمایا گیا۔۔یا۔۔خدا کے وہ محبوبین جانیں، جن کو خدائے تعالیٰ نے اُن کے اسرار و رموز سے آگاہ فرما دیا ہو۔ایک طریقہ سالم یہ بھی ہے، کہ کہا جائے، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انا اللّٰہ امری یعنی میں خدا ہوں، کہ دیکھتا ہوں۔ میں مطیعوں کی طاعت اور عاصیوں کی معصیت اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مناسب جزا دوں گا، تو اس کلمہ میں وعدہ اور وعید دونوں ہیں۔

یہ ایک (ایسی کتاب) ہے (کہ محکم ہیں جس کی آیتیں) دلیلوں سے۔۔یا۔۔نظم محکم کے ساتھ منتظم کی گئی ہیں، جیسے کہ مستحکم عمارت کہ خلل اور نقصان کو اس میں دخل ہی نہیں۔ (پھر تفصیل کردی گئی

ہے) یعنی پھر جدا کردی گئی سورت سورت اور آیت آیت۔۔یا۔۔مفصل کی گئی ہے اس میں وہ چیز کہ بندے جس کے محتاج ہیں۔یعنی بیان کی گئی ہے (حکمت والے خبردار کی طرف سے) جو سب چیزیں جانتا ہے، یہ (کہ معبود نہ مانو سوا اللہ) تعالیٰ (کے۔بے شک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے خوف وخوشخبری لانے والا ہوں) یعنی ڈرانے والا ہوں شرک اور زیادتی کے عذاب سے اور خوشخبری دینے والا ہوں توحید وایمان کے ثواب کی۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ

اور یہ کہ بخشش مانگو اپنے پروردگار کی، پھر توبہ کرو اسکی طرف، کہ دے تم کو اچھا سامان رہن سہن کا مقرر وقت تک،

مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ

اور دے ہر ثواب والے کو اس کا ثواب۔ اور اگر منہ پھیریں" تو بیشک میں ڈرتا

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝

ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کو●

(اور یہ) یعنی آیات کا مضبوط کرنا اور مفصل کرنا اس واسطے ہے، تا (کہ بخشش مانگو اپنے پروردگار کی) اپنے گزرے ہوئے گناہوں کی، (پھر توبہ کرو اس کی طرف) یعنی اس کی درگاہ میں زمانہ آئندہ میں ہوسکنے والے گناہوں سے، کہ رب کریم ان گناہوں سے بچاتا رہے اور ہمیں گناہ نہ کرنے کے عزم پر ثابت قدم رکھے۔اور تا (کہ دے تم کو اچھا سامان رہن سہن کا مقررہ وقت تک) یعنی تمہیں درازی عمر عطا فرمائے۔۔یا۔۔بے خوف اور صحت مند زندگی سے نوازے، تا حیات یعنی آخری عمر تک۔

محققین کا کہنا ہے، کہ جو کچھ نعمت ہاتھ آئے اس پر راضی رہنا اور جو رنج ومحنت پہنچے اس پر صبر کرنا 'متاع حسن' ہے۔بعض علماء کے نزدیک 'متاع حسن' یہ ہے، کہ لوگوں کی حاجت اُس کے ہاتھ پر چھوڑی جائے۔

(اور) تا کہ حق تعالیٰ (دے ہر ثواب والے کو اس کا ثواب) یعنی ہر بڑائی والے کو جو دین میں بڑا ہے، ثواب اور جزا اس کی بڑائی کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

'ذو فضل' اس شخص کو کہیں گے جس کی نیکیاں برائیوں سے فاضل اور زیادہ ہوں سےایک

قول کے مطابق 'ذو فضل' وہ شخص ہے، کہ دیوانِ ازلی میں جس کے نام فضل کا نشان لکھا ہو، تو پیدا ہونے کے بعد البتہ وہ اس فضل سے مشرف ہوگا۔

(اور اگر) کافر لوگ (منہ پھیریں) اور روگردانی کریں اسلام سے۔۔یا۔۔انکار کریں میری متابعت سے، (تو) اے کافرو تمہارے تعلق سے (بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن) یعنی روزِ قیامت (کے عذاب کو)۔

ایک قول کے مطابق بڑے دن سے مراد جنگِ بدر کا دن ہے، اور بعضوں نے کہا شدت اور مشقت کا دن اس سے مراد ہے۔ اور وہ قحط وفاقہ کا ایسا دن ہے، کہ مُردہ اور مُردار وہ کھالیں ۔۔الحاصل۔۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④

اللہ ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ اور وہ ہر چاہے پر قادر ہے"●

(اللہ) تعالیٰ (ہی کی) جزا (کی طرف تمہارا لوٹنا ہے اور وہ) دوبارہ زندہ کرنے، ثواب دینے اور عذاب کرنے۔۔الغرض۔۔(ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔۔۔

اور ظاہر ہے کہ جو قادرِ مطلق ہوگا، وہ عالم الغیب والشہادۃ بھی ہوگا، اس سے کوئی چیز چھپائی نہیں جاسکتی۔ تو اخنس بن شریق جیسے منافقین کا یہ سوچنا، کہ رسولِ کریم کی بارگاہ میں باتیں بنا کر اور شیریں زبانی کا مظاہرہ کر کے اور خوش آیند باتیں کر کے۔۔نیز۔۔یکجہتی اور خیرخواہی کا دم بھر کے ہم اپنے خبثِ باطنی کو چھپالے جائیں گے اور اپنے باطن کی تاریکی اور سیاہی پر پردہ ڈال دیں گے، تو یہ ان سب کی خام خیالی ہے۔ مسلمانوں کو اُن کے شر سے ہشیار رہنا چاہیے اور ان کی چرب زبانی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ

خبردار! یہ لوگ دوہرا کرتے ہیں اپنے سینوں کو، تا کہ چھپالے جائیں اس سے۔ خبردار!

يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ

جب کہ ڈھانپ لیتے ہیں اپنے سب کپڑے، تو وہ جانتا ہے جو چھپائیں اور جو ظاہر کریں۔

اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ۝

بے شک وہ دلوں کی بات کا جاننے والا ہے۔●

تو (خبردار) اوران سے ہشیار رہو، کیونکہ (یہ لوگ دوہرا کرتے ہیں اپنے سینوں کو) فراہم کرلیتے ہیں اپنے سینے ہمارے حبیب کی عداوت پر۔۔یا۔۔دُہرے کرلیتے ہیں اپنے سینے۔

سینے دُہرے کرلینا دل میں بھید چھپا رکھنے سے عبارت ہے۔یعنی رسول اللہ ﷺ کی عداوت دل کے اندر رکھتے ہیں اور جب سرکار کے سامنے سے کبھی گزرنا ہوتا ہے،تو اپنے کو چادروں میں چھپالیتے ہیں،تاکہ سرکار دیکھنے نہ پائیں،وہ یہ نظر بچا کر گزرجائیں۔ان کا خیال ہے کہ اس طریقۂ کار کو اپنانے سے انکی دلی عداوت پر کوئی مطلع نہ ہوسکے گا۔

اور یہ ان کا طرزِ عمل اسی لیے ہے، (تاکہ چھپالے جائیں اس سے) یعنی خدا سے۔تو (خبر دار) ہوجاؤ اور آگاہ ہوجاؤ، کہ (جبکہ ڈھانپ لیتے ہیں اپنے سب کپڑے) یعنی سر پر کھینچتے ہیں اپنے کپڑے اور سر سے پیر تک اوڑھ کر اور اپنے کو چھپا کر بستروں میں گھس جاتے ہیں، (تو) اس صورت میں بھی (وہ) عالم الغیب والشھادۃ (جانتا ہے جو چھپائیں) اپنے سینوں میں (اور جو ظاہر کریں) اپنی زبانوں سے۔

۔۔الغرض۔۔ان کی پوشیدہ اور ظاہر بات خدا کے علم میں یکساں ہے، کیونکہ (بے شک وہ دلوں کی بات کا جاننے والا ہے)۔۔المختصر۔۔جو باتیں دلوں میں چھپی ہیں سب اس پر ظاہر ہیں۔

حق تعالیٰ نے منافقین کے خبثِ باطنی اور سوءِ عقیدت کو اس آیت سے ظاہر فرمادیا، تاکہ کوئی شخص اُن کے ظاہر وباطن کی تاریکی اور سیاہی سے غافل نہ ہوجائے۔بے شک منافق سانپ کے مشابہ ہے۔اس کے اندر تو زہر بھرا ہوا ہے، اور ظاہر میں نقش ونگار ہے۔

بفضلہ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۶ / جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۲ / مئی ۲۰۱۰ء

بروز چہار شنبہ بوقت سوا ایک بجے دن

گیارھویں پارے کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔ دعا گو ہوں، کہ مولیٰ تعالیٰ

پورے قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین يَا مُجِيْبَ السَّائِلِيْنَ بِحُرْمَةِ حَبِيْبِكَ سَيِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

وما من دابۃ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۹/جمادی الاولیٰ ۔۔ مطابق ۔۔ ۱۵/مئی ۲۰۱۰ء

بروز شنبہ بارھویں پارہ کی تفسیر کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور اس کے بعد کے تمام پاروں کی

تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا

اور نہیں ہے کوئی جاندار زمین کا مگر اللہ کے کرم پر ہے اس کی روزی، اور وہ جانتا ہے ان کی قیام گاہ کو،

وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦﴾

اور انکی سونپے جانے کی جگہ کو، سب کچھ روشن کتاب میں ہے●

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں، اور اسی کے موافق اس آیت میں یہ واضح کیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ہر جاندار کو اس کا رِزق پہنچاتا ہے۔ پس اگر وہ ہر جاندار کو، اس کی موت وحیات کو، اس کے قیام اور اس کے سفر کی جگہ کو نہ جانتا ہوتا، تو وہ ان کو رزق کیسے پہنچاتا۔

عرف میں دَآبَّة چوپایہ کو اور زمین پر چلنے والے کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد ہے جاندار، خواہ مذکر ہو۔۔یا۔۔مونث۔ اور اس میں کوئی شک نہیں، کہ جانداروں کی بہت سی اقسام ہیں۔ یہ دریاؤں، سمندروں اور خشکی میں رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی طبائع کی کیفیتوں کو، ان کے احوال کو، اُن کی غذاؤں کو اور اُن کے موافق اور مخالف چیزوں کو اور ان کے مسکنوں کو جانتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

بے شک اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشھادۃ (اور) علیم بذاتِ الصدور ہے۔ تو **(نہیں ہے کوئی جاندار زمین کا)** دریاؤں، سمندروں اور خشکی میں رہنے والا **(مگر اللہ)** تعالیٰ **(کے)** ذمہ **(کرم پر ہے اس کی روزی)** فضل ورحمت کی راہ سے۔۔یا یہ۔۔کہ سب کی روزی اللہ سے ہے، وُہی عطا فرمانے والا ہے۔۔یا یہ۔۔کہ سب کی روزی اللہ کی طرف مُفَوَّض ہے، اگر چاہے اس میں وسعت دے اور اگر چاہے تو قلت کرے۔ **(اور وہ جانتا ہے ان کی قیام گاہ کو)** ان کی زندگی میں، **(اور ان کی سونپے جانے کی جگہ کو)** مرنے کے بعد۔

۔۔الحاصل۔۔ مُسْتَقَرّ حیوان کے رہنے کی جگہ ہے، زمین۔ پانی۔ ہوا میں اور مُسْتَوْدَع ان کے قرار کی جگہ ہے۔ اپنی خواہش سے قرار پکڑنے کے قبل جیسے صلب، رحم اور بیضہ۔

یہ جو ابھی مذکور ہوا، یعنی حیوانات، ان کا رزق اور ان کے مُسْتَقَرّ اور مُسْتَوْدَع یہ **(سب کچھ روشن کتاب میں ہے)**، یعنی لوحِ محفوظ میں ان سب کا ذکر موجود ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے اور

بڑے سے بڑے جانوروں کا رزق ان تک پہنچانا، خدائے قادرِ مطلق کے لیے ہرگز دشوار نہیں۔ وہ قادرِ مطلق اور خالق کائنات ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ

اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمادیا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں۔ اور اس کا عرش

عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ

پانی پر تھا، تاکہ آزمائش میں ڈالے تم کو، کہ تم میں کون کارگزاری میں بہتر ہے۔ اور اگر تم نے کہا کہ

مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا

بلاشبہ تم اٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد، تو ضرور بک ڈالیں گے جو کافر ہیں،

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا جادو●

(اور وہ وُہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں) دُنیا کے دنوں میں سے، کہ پہلا روز ہفتہ کا دن ہوتا ہے اور اخیر روز جمعہ۔ (اور) زمین وآسمان پیدا کرنے کے قبل (اس کا عرش پانی پر تھا)۔

ابتدائے خلقت میں حق تعالیٰ نے ایک یاقوت سبز پیدا کیا اور نظرِ ہیبت سے اُسے دیکھا، وہ جوہر پانی ہوگیا۔ پھر حق تعالیٰ نے ہوا پیدا کی اور پانی کو ہوا پر رکھا، اور عرش کو پانی کے اوپر جگہ دی۔ پانی پر عرش کا ہونا اور ہوا پر پانی کا ٹھہرنا، ان دونوں میں بندوں کے لیے بڑے ہی غور وفکر اور عبرت وتدبر کا مقام ہے۔ ان امور میں غور وفکر اور فکرِ صحیح سے کام لینے والوں کے لیے قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ وتامہ کی عظیم نشانیاں ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ نے۔۔۔

آسمان، زمین، عرش، پانی اور ہوا کو اس لیے پیدا کیا (تاکہ آزمائش میں ڈالے تم کو) یعنی تمہارے ساتھ آزمانے والوں کا معاملہ کرے، تاکہ کھل جائے (کہ تم میں کون کارگزاری میں بہتر ہے) عمل کی رو سے۔ یعنی اس نعمت پر کس کا شکر بڑھا ہوا ہے۔۔ یا۔۔ عرش پانی پر ہونے اور پانی ہوا پر ٹھہرنے کی تصدیق کسے کامل ہے؟

صرف نبی کریم ﷺ سے سن کر بلاتکلف شرح صدر کے ساتھ اس کی تصدیق کر دینا، یہ

بات نصیب والوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ رہ گئے وہ بے عقل جو انکار کر دینے کی عادت بنائے ہوئے ہیں، وہ تو ہر بات کو خواہ وہ کتنی ہی سچی کیوں نہ ہو، جھٹلانے کو تیار رہتے ہیں۔
۔۔چنانچہ۔۔اے محبوب! ان جھوٹوں (اور) انکار کر دینے والوں سے (اگر تم نے کہا، کہ بلاشبہ تم اٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد، تو ضرور بک ڈالیں گے) وہ (جو کافر ہیں)، یعنی ان کی یہ ساری بک جھک ان کے کفر کا ثمرہ ہے۔ تو اے محبوب! آپ کے ارشاد کو سن کر وہ یہ کہیں گے (کہ یہ نہیں ہے)، یعنی مبعوث ہونے اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے والی بات، نہیں ہے (مگر کھلا جادو)۔ یعنی فریب یا باطل ہونے میں کھلے ہوئے جادو کے مثل ہے۔

اس سے پہلی آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ اگر آپ ان سے کہیں گے کہ تم یقیناً موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے، تو کافر ضرور یہ کہیں گے، کہ یہ صرف کھلا ہوا جادو ہے۔

اب ان کے خرافات میں سے ایک اور باطل قول کو نقل فرماتا ہے، کہ جب ان سے وہ عذاب موخر ہو گیا جس عذاب سے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ڈرایا تھا، تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: یہ عذاب کس لیے ہم سے روک لیا گیا؟۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ خداوندی۔۔۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ

اور اگر ہم نے ہٹا رکھا ان سے عذاب کو کچھ گنتی کی مدت تک، تو ضرور بکیں گے کہ کون

مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ

اس کو روکے ہے۔ خبردار! جس دن آجائے گا ان تک، تو پلٹنے گا نہیں ان سے، اور گھیر اپڑ گیا

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۸ع

ان پر جس کا ٹھٹھا کرتے تھے●

ع ۸

(اور) فرمانِ الٰہی ہے، کہ (اگر ہم نے ہٹا رکھا ان سے عذاب کو کچھ گنتی کی مدت تک)، یعنی معدودے چند دن اور وقتِ معلوم تک، (تو ضرور بکیں گے) بطورِ استہزاء (کہ کون اس کو روکے ہے)؟

اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا، کہ۔۔۔

(خبردار جس دن آجائے گا ان تک) وہ عذابِ موعود (تو پلٹنے گا نہیں ان سے)۔

اس عذاب سے مراد یا تو دُنیا کا عذاب ہے۔۔یا۔۔آخرت کا عذاب ہے۔ اگر دُنیا کا

عذاب مراد ہو، تو یہ وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں ان کو ذلت آمیز شکست کی صورت میں حاصل ہوا تھا، اور اگر اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے، تو وہ قیامت کے بعد ان پر نازل کیا جائے گا۔

۔۔الغرض۔۔اپنے انکار و تکذیب کی وجہ سے استہزاء کرنے والے۔۔اور پھر۔۔استہزاء کی وجہ سے مستحق عذاب ہو جانے والے کسی خام خیالی میں نہ رہیں، اس لیے کہ عذابِ موعود کا آنا اس قدر یقینی ہے، کہ گویا وہ آہی گیا (اور گھیرا پڑ گیا ان پر جس کا ٹھٹھا کرتے تھے) اور جس کے مطالبہ پر عجلت کر رہے تھے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کو عذاب ضرور ہوگا، خواہ تاخیر سے ہو۔

اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ سبب بتایا جس سے ان کو عذاب ہوگا۔اور یہ، کہ اس سبب سے وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ

اور اگر چکھا دیا ہم نے انسان کو اپنے کرم سے رحمت کو، پھر چھین لیا اس کو اس سے،

اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹

تو بیشک وہ ناامید ناشکرا ہے●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (اگر چکھا دیا ہم نے انسان کو اپنے کرم سے رحمت کو، پھر چھین لیا اس کو اس سے، تو بے شک وہ ناامید ناشکرا ہے) بے صبری کی جہت سے، اور ہمارے کرم پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے، اور ہماری عطا کردہ نعمت کی ناقدری کی وجہ سے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ

اور اگر ہم نے مزہ دیدیا نعمتوں کا بعد زحمتوں کے جو اس کو پہنچیں، تو ضرور ہی کہہ دے کہ خرابیاں مجھ سے دور

عَنِّیْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰

ہو گئیں۔ بیشک وہ بڑا اترا شیخی باز ہے●

(اور اگر ہم نے مزہ دے دیا نعمتوں کا) یعنی تندرستی اور مالداری وغیرہ کا (بعد زحمتوں کے جو اس کو پہنچیں)۔۔مثلاً: بیماری اور محتاجی وغیرہ، (تو ضرور ہی کہہ دے) گا (کہ خرابیاں مجھ سے دور ہو گئیں) یعنی مصیبتیں اور سختیاں جو مجھے بُری معلوم ہوتی تھیں، وہ مجھ سے دور ہو گئیں۔اس صورت میں (بے

شک) اپنے کردار اور اپنی گفتار سے ظاہر کردے گا، کہ (وہ بڑا اترا) نے والا اور (شیخی باز ہے)۔
مذکورہ بالا آیت میں خواہ انسان سے مراد مطلق انسان ہو، پھر آیت ۱۱ میں نیک اور صبر کرنے والے مسلمانوں کا استثناء فرمایا ہو، خواہ انسان سے مراد صرف سارے کفار ہوں اور چاہے اس سے مراد خاص کر کے ولید ابن مغیرہ۔۔یا۔۔عبداللہ ابن ابی امیہ مخزومی ہو، ارشادِ پاک کا خلاصہ یہی ہے، کہ مصیبت میں اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور راحت میں ناشکرا ہونا کفار کا شیوہ ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾

مگر جنھوں نے صبر کیا اور کام کئے اچھے، وہ ہیں کہ انھیں کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے●

(مگر جنہوں نے صبر کیا) سختی اور بلاء میں (اور کام کیے اچھے)، یعنی لوازم شکر ادا کیے راحت اور مصیبت میں، (وہ) گروہ جو صبر اور شکر کی صفت سے موصوف ہیں، وہی (ہیں کہ انہیں کے لیے بخشش) گناہوں کی (اور بڑا ثواب ہے) جنت جس کے مقابلے میں تھوڑی ہے۔۔یا یہ کہ۔۔ اَجْرٌ كَبِيْرٌ جنت میں ایک ایسی نعمت ہے، کہ جنت کی ساری نعمتیں اس کے سامنے حقیر اور ناچیز ہیں، اور وہ ہے انوارِ لقاء کا مشاہدہ۔۔۔

سابقہ بعض آیات سے ظاہر ہوا، کہ کفار عذابِ موعود کا نزول بعجلت چاہ رہے تھے اور نزول کی تاخیر پر استہزاء کر رہے ہیں۔ ان کا خیال یہ تھا، کہ عذاب کے نزول کی باتیں اپنے اندر کوئی صداقت نہیں رکھتیں۔ اور صرف یہی نہیں، بلکہ عرب کے کافر تعصب اور عناد کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے بے دھڑک معجزات مانگ بیٹھتے اور کلام مجید سے اہانت اور ٹھٹھے بازی کے ساتھ پیش آتے۔ ان کی بے دھڑک باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ رسولِ مقبول ﷺ سے وہ نالائق کہہ بیٹھے، کہ خدا نے تجھے خزانہ کیوں نہیں دیا۔۔یا۔۔فرشتہ کو تیری تصدیق کے لیے کیوں نہیں بھیجا۔ مشرکین کی یہ خفیف الحرکاتیاں ان کی اس فاسد توقعات کی بنیاد پر ہوسکتی ہیں، کہ شاید آپ اس سے ذہنی دباؤ محسوس کریں اور مصلحتاً ان کے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا

تو بھلا تم چھوڑ دو گے کچھ حصہ اس پیغام کا جو وحی کیا جاتا ہے تمہاری طرف، اور بھلا تنگ ہوگا اس سے تمہارا سینہ، کہ کہنے لگیں گے،

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ

کہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا ان پر خزانہ، یا آتا ان کے ساتھ فرشتہ۔ تم بس ڈرسنانے والے ہو۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ﴿۱۲﴾

اور اللہ ہر چاہے پر نگراں ہے●

(تو) اے محبوب! آپ کی ذات سے کافروں کی یہ توقع کیسے پوری ہوسکتی ہے؟ آپ کے تعلق سے انہیں سوچنا چاہیے، کہ کیا (بھلا تم چھوڑو گے کچھ حصہ اس پیغام کا جو وحی کیا جاتا ہے تمہاری طرف) یعنی وہ چیز جو مشرکین کی رائے کے خلاف ہو، جیسے ان کے باطل معبودوں کو بُرا کہنا، (اور) کیا (بھلا تنگ ہوگا) ان کافروں کی (اس) بکواس (سے تمہارا سینہ، کہ کہنے لگیں گے، کہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا ان پر خزانہ) کہ لوگوں پر خرچ کریں اور اس خزانے کے سبب سے لوگ ان کے تابع ہوجائیں، (یا آتا ان کے ساتھ فرشتہ) جو ان کی نبوت کی گواہی دیتا۔۔ المختصر۔ مشرکین کی بکواس سے تنگدل ہونے والے نہیں۔ تو نہ تو تم اپنی دعوت کو چھوڑ سکتے ہو اور نہ ہی اپنے سینے میں کسی تنگی کا شکار ہوسکتے ہو۔

۔۔الغرض۔۔اے محبوب! تم کافروں کی ان باتوں کے سبب رسالت کے ادا کرنے اور احکام پہنچانے سے کیسے باز رہ سکتے ہو؟ اس لیے کہ (تم بس ڈر سنانے والے ہو) تمہاری ذمہ داری صرف ڈرادینا ہے۔ تو اس کام میں تم تقصیر کرو۔۔یا۔۔ان کے ردوانکار سے تنگدل ہوجاؤ، اس کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟ (اور) تم سے بہتر اس حقیقت کو کون جاننے والا ہے؟ کہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر نگراں ہے) یعنی گواہ اور نگہبان ہے۔۔یا۔۔اس کا کام بنانے والا ہے جو اپنا کام اس پر چھوڑ دے اور اس کی حفاظت کرنے والا ہے، جو اپنے تئیں اس کے سپرد کردے۔ تو اے محبوب! آپ تو اسی پر توکل فرمانے والے ہیں، تو حسد اور عناد کرنے والے کے کہنے سننے کا آپ پر کیا اثر ہوسکتا ہے؟۔۔۔ یہ بکنے والے کچھ بھی بکیں اور مذکورہ بالا باتیں کہیں۔۔۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا

یا بکیں، کہ "گڑھ لی ہے وحی کو"۔ جواب دے دو "کہ تو اس کے مثل دس سورتیں گڑھی ہوئی لے آؤ، اور بلالو

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

جن کی سکت رکھتے ہو اللہ کو چھوڑ کر، اگر سچے ہو"●

(یا بکیں، کہ گڑھ لی ہے وحی کو)۔ان کی اس بکواس کا (جواب دے دو، کہ) میں بنام کلام الٰہی جو سورتیں پیش کر رہا ہوں، اگر تمہارے خیال میں میری گڑھی ہوئی ہیں، (تو اس کے مثل) جو بیان وخوبیٔ نظم اور فصاحت و بلاغت میں اس کی طرح ہو، (دس سورتیں) اپنی (گڑھی ہوئی لے آؤ)۔یعنی تمہیں یہ زعم ہے، کہ قرآن اپنی طرف سے بنا سکتے ہو اور میری طرف بھی گمان کرتے ہو کہ میں خود قرآن بنالیتا ہوں، تو تم عرب کے فصیح لوگ ہو، چاہیے کہ تم بھی ایسا کلام بنالینے پر قادر ہو۔ اس واسطے کہ قصص اور اخبار سے تمہیں واقفیت ہے اور اشعار کہنے کی تمہیں قدرت ہے۔

(اور) تم چاہو تو اس کام کے لیے (بلالو جن کی سکت رکھتے ہو) یعنی جن جن کو بلا سکتے ہو ان سب کو بلالو (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔الختصر۔خدا کے سارے باغیوں کو اکٹھا کرلو (اگر سچے ہو) اس بات میں، کہ یہ کلام بنایا ہوا ہے۔

اور جب وہ لوگ قرآن کے مثل دس سورتیں لانے سے عاجز ہوئے، تو دوسری آیت نازل ہوئی، یعنی اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ۔اور ویسی ہی ایک سورت لانے میں بھی ان کی عاجزی سب پر ظاہر ہوگئی۔

فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ

پس اگر نہ جواب دیں تم کو، تو جان لو کہ وہ نازل کیا گیا ہے اللہ کے علم سے، اور

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

یہ، کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل سوا اسکے، "تو کیا تم لوگ تسلیم کرتے ہو؟"●

(پس اگر نہ جواب دیں تم کو) اور مقابلہ کرنے سے گریز کریں، جو ان کو کرنا ہی ہے، اس کے سوا ان کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں، (تو جان لو) اور یقین کرلو، (کہ وہ نازل کیا گیا ہے اللہ) تعالیٰ (کے علم سے) یعنی اس علم سے ملا ہوا ہے جو خاص خدا ہی کو ہے، اور وہ علم بندوں کی مصلحتوں کا ہے اور اس چیز کا جو بندوں کے کام آئے معاش اور معاد میں۔(اور یہ) جان لو (کہ نہیں) ہے (کوئی پوجنے کے قابل سوا اس کے)۔جو ایسا علم رکھتا ہے، کہ اس کا غیر نہیں رکھتا اور ایسی چیز پر قادر ہے جو اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، (تو کیا تم لوگ تسلیم کرتے ہو؟)۔

قرآنِ کریم کا اعجاز دیکھ کر، اگر ایک طرف ایمان والوں کو اپنے ایمان واسلام پر ثابت قدم رہنا چاہیے، تو دوسری طرف غیر مسلمین کو اسلام وقرآن کی حقانیت تسلیم کرلینی چاہیے۔اس لیے

کہ آخرت کی بھلائی اور عاقبت کی کامیابی اسی میں ہے۔اب اگر پست ہمتی کے سبب۔۔۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا

جو چاہتا ہو دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش کو، تو ہم پورا بدل دیں گے ان کے اعمال کا،

وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اس میں ان کی کمی نہ کی جائے گی●

(جو چاہتا ہو دُنیاوی زندگی اور اس کی آرائش کو) خواہ وہ منافقین سے ہو۔۔یا۔۔ریاکار یہود ونصاریٰ سے ہو۔۔یا۔۔کوئی بھی ہو۔۔الغرض۔۔جو کوئی اچھا کام کر کے دُنیا کا فائدہ چاہے اور آخرت پر نظر نہ کرے، (تو ہم پورا بدل دیں گے ان کے اعمال کا) دُنیا میں صحت، دولت، رزق کی وسعت اور اولاد کی کثرت وغیرہ سے، (اور اس میں ان کی کمی نہ کی جائے گی)۔یعنی ان کی اجرت میں کچھ کمی نہ کریں گے۔اب رہ گیا ان کی آخرت کا معاملہ، تو۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا

یہی ہیں وہ، کہ نہیں جن کے لئے آخرت میں مگر آگ۔ اور ملیامیٹ ہو گئے جو انھوں نے دنیا میں کیا،

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور نیست ہو گئے جو اعمال تھے●

(یہی ہیں وہ، کہ نہیں جن کے لیے آخرت میں مگر آگ)۔اس واسطے، کہ ان کے اعمال کی اجرت جو تھی، وہ تو انہیں دے چکے اور ان کی فاسد نیتیں اور باطل ارادے جو باعثِ عذاب ہیں باقی رہ گئے، (اور ملیامیٹ ہو گئے جو انہوں نے دُنیا میں کیا)۔اس لیے کہ آخرت کا ثواب تو اخلاص پر موقوف ہے اور وہ عمل میں اخلاص نہ رکھتے تھے۔۔چنانچہ۔۔برباد (اور نیست ہو گئے جو اعمال تھے)۔

اب آگے یہ بتایا جا رہا ہے، کہ دُنیا کی راحت وآرائش کے چاہنے والے ان کی طرح نہیں ہو سکتے، جو آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ

کیا تو جو ہوا اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر اور بیان کرتا ہوا اس کو اللہ کی طرف سے آیا ہوا گواہ، اور اس کے پہلے سے

كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ

موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت، وہ لوگ مانتے ہیں اس وحی کو۔ اور جو انکار کرے اس کا

مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ

سارے گروہوں سے، تو آگ اس کے وعدہ کا مقام ہے۔ تو تم نہ ہو اس کی طرف سے کسی شک میں۔ بیشک وہ حق ہے

مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

تمہارے رب کی طرف سے، لیکن بہتیرے لوگ نہیں مانتے●

(کیا تو جو ہوا پنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر) جو اُسے راہِ صواب بتائے۔۔نیز۔۔ صورتِ حال یہ ہو، کہ ظاہر کرتا **(اور بیان کرتا ہو اس)** کی حقانیت **(کو اللہ)** تعالیٰ **(کی طرف سے آیا ہوا گواہ)**۔ وہ روشن دلیل قرآن کریم ہے، عقلی دلیل جس کی صحت پر گواہ ہے۔ تو ایسی دلیل والا آدمی کیا اس کے برابر ہے، جو پست ہمت دُنیا کی زینت چاہے اور کام وجہ صواب پر نہ کرے۔

ایک قول کی بنیاد پر دلیل والے، اہل کتاب مومن ہیں۔۔یا۔۔ ہر ایک مومن مخلص اور **شَاهِدٌ**، رسول مقبول ﷺ۔ اور بعضوں نے کہا، کہ دلیل والے، تو رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کا تابع **شَاهِدٌ** ہے۔ اور وہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔۔یا۔۔ وہ فرشتہ جو آپ کی حفاظت پر مامور تھا۔۔یا۔۔ حضرت ابوبکر۔۔یا۔۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔۔یا۔۔ خود صورتِ مصطفیٰ ﷺ، کہ جو کوئی چشمِ انصاف سے دیکھتا، تو انوارِ حق اور آثارِ صدق آپ کے چہرۂ مبارک میں دیکھ لیتا۔

بعضے مفسرین اس بات پر ہیں، کہ دلیل قرآن شریف ہے اور **يَتْلُوْهُ** کا معنی یہ ہیں، کہ پڑھتا ہے اُسے اور **شَاهِدٌ** جبرائیل علیہ السلام ہیں۔۔یا۔۔ رسول مقبول کی زبانِ مبارک۔۔یا۔۔ قرآن کا اعجاز اور نظم۔ اور اگر **يَتْلُوْهُ** کو تابع کے معنی میں لیا جائے، تو انجیل **شَاهِدٌ** ہے۔ انجیل اگرچہ قبل نازل ہوئی، مگر تصدیق اور بشارت میں قرآنِ شریف کی تابع ہے۔

(اور اس کے پہلے سے) یعنی انجیل۔۔یا۔۔ قرآن سے پہلے اس کی تابع تھی، **(موسیٰ کی کتاب)** یعنی توریت۔ اسواسطے، کہ وہ بھی نبی امی کی تصدیق اور ان کے پیدا ہونے کی خوشخبری میں قرآن کی تابع، یعنی موافق ہے۔ حال یہ ہے، کہ توریت **(پیشوا)** تھی اہل دین کی **(اور رحمت)** یعنی سبب بخشش تھی ان لوگوں کے لیے جن پر نازل ہوئی کہ وہ مومن ہیں۔ **(وہ لوگ)** جو دلیل والے ہیں **(مانتے ہیں اس وحی)** الٰہی یعنی قرآنِ کریم **(کو۔ اور)** اب **(جو انکار کرے اس کا سارے گروہوں سے)**،

یعنی رسولِ کریم کی عداوت رکھنے والے مکہ والوں میں سے، (تو آگ اس کے وعدے کا مقام ہے)۔ لامحالہ وہ دوزخ میں جائے گا۔

(تو) اے مخاطب! (تم نہ ہو اس کی طرف سے کسی شک میں)، یعنی تمہیں قرآن کے متعلق شک نہ ہو۔۔بلکہ۔۔یقین کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ (بے شک وہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے) جو تمہاری دینی اور دُنیوی تربیت کرتا ہے۔۔یا یہ۔۔کہ اے مخاطب! ابھی اوپر جس مقام وعدہ کا ذکر ہوا ہے، اس کے پیش آنے میں شک نہ کر۔ بے شک تمہارے رب کی طرف سے اُسے آنا ہی ہے، (لیکن بہتیرے لوگ نہیں مانتے) کہ واقعی قرآن کا منجانب اللہ ہونا۔۔یا۔۔مقام وعدہ کا اپنے وقت پر پیش آنا حق ہے، اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔

کافروں میں متعدد بدعقیدگیاں اور بداعمالیاں تھیں۔ وہ دُنیا اور اس کے عیش اور زیبائش پر بہت حریص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا سورۂ ہود آیت ۱۵ میں رد فرمایا۔ اور وہ سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے معجزات کے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا سورۂ ہود آیت ۱۳ میں رد فرمایا۔ اور ان کا یہ عقیدہ تھا، کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی شفاعت کریں گے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بدعقیدگی کا رد فرمایا اور واضح فرما دیا، کہ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے، یعنی حساب اور سوال کرنے کے جو مقامات بنائے گئے ہیں، ان کفار کو وہاں پیش کیا جائے گا۔۔یا یہ۔۔کہ اللہ تعالیٰ ان کو نبیوں، فرشتوں اور مومنوں میں سے جس کے سامنے چاہے گا، پیش فرمائے گا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ

اور اس سے بڑا اندھیر مچانے والا کون ہے، جو افتراء کرے اللہ پر جھوٹ، وہ لوگ پیش کیے جائیں گے

عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ

اپنے پروردگار پر، اور بیان دیں گے گواہ لوگ، کہ یہ ہیں جنھوں نے جھوٹ باندھا تھا اپنے پروردگار پر۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۸

خبردار! اللہ کی لعنت ہے ان اندھیر مچانے والوں پر●

(اور اس سے بڑا اندھیر مچانے والا کون ہے، جو افتراء کرے اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) یعنی وحی کی نفی کرے۔۔یا۔۔اس کے واسطے اثبات شریک کرے اور جو 'ماذون الشفاعۃ' نہیں ہیں، انہیں

بارگاہِ خداوندی میں اپنا سفارشی قرار دے۔ (وہ لوگ پیش کیے جائیں گے اپنے پروردگار) کی بارگاہ میں ٹھہرنے کے مقام (پر۔ اور) اس وقت (بیان دیں گے گواہ لوگ) یعنی وہ فرشتے جوان کی حفاظت کرتے ہیں اور کراماً کاتبین۔۔یا۔۔پیغمبر لوگ ہر امت کے واسطے۔۔یا۔۔خود ان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کہیں گے، (کہ یہ ہیں جنہوں نے جھوٹ باندھا تھا اپنے پروردگار پر)، کہ وہ اولاد والا ہے اور اس کے شریک ہیں۔ (خبردار) اور آگاہ ہو جاؤ، کہ (اللہ) تعالیٰ (کی لعنت ہے ان اندھیر مچانے والوں پر)، یعنی یہ بارگاہِ قربِ الٰہی سے دور رہنے والے اور رحمتِ خداوندی سے محروم رہنے والے ہیں۔

پھر ان ظالموں کا حال بیان فرماتا ہے، کہ یہ وہ ہیں۔۔۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ

جو روکیں اللہ کی راہ سے، اور چاہیں اس میں ٹیڑھا پن۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور وہی آخرت کے منکر ہیں●

(جو روکیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی اس کے دین سے، (اور چاہیں اس میں ٹیڑھا پن) یعنی خدا کی راہ کو کجی اور ناراستی کے ساتھ موصوف کرتے ہیں، اور دینِ الٰہی میں نادرستگی دکھانے کے خواہشمند ہیں (اور) مزید برآں (وہی آخرت کے منکر ہیں)۔ ان کے دعوے تو بہت بڑے بڑے ہیں، مگر ان کی بے چارگی اور بے کسی کا عالم یہ ہے، کہ۔۔۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نہ یہ زمین میں عاجز کردینے والے ہیں، اور نہ ان کے اللہ کے

مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ

مقابلہ پر بنائے ہوئے کچھ حمایتی ہیں۔۔۔ دوچند عذاب دیا جائے گا انھیں، کہ نہ سن سکتے تھے،

وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور نہ دیکھتے تھے●

(نہ) تو (یہ زمین میں) عذاب کرنے سے خدائے عزوجل کو (عاجز کردینے والے ہیں)، کہ خدا ان کے رعب ودبدبے میں آکر عذاب ہی نہ کرے، (اور نہ) ہی (ان کے اللہ) تعالیٰ (کے مقابلہ

وقف لازم

پر بنائے ہوئے کچھ حمایتی ہیں) جو عذابِ الٰہی کو ان تک آنے نہ دیں، یہاں تک کہ اگر خدا ان پر عذاب کرنا چاہے جب بھی وہ عذاب کرنے نہ دیں، اور اپنی طاقت وتوانائی سے عذاب کو روک دیں۔ ۔۔المختصر۔۔نہ تو وہ خود کسی شمار میں ہیں، اور نہ ہی خدا کے مقابلے میں ان کا کوئی مددگار ہے۔ وہ تو ایسے بدنصیب ہیں، کہ (دوچند عذاب دیا جائے گا انہیں):۔ایک گمراہ ہونے کی وجہ سے، اور دوسرے گمراہ کرنے کی وجہ سے۔ان کا حال تو دُنیا میں یہ رہا، (کہ نہ سن سکتے تھے) حق بات، اس واسطے کہ اس کے سننے میں وہ بہرے تھے، (اور نہ) ہی (دیکھتے تھے) قدرت کی نشانیاں، اس واسطے کہ انہیں دیکھنے میں اندھے تھے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾

وہی ہیں کہ دیوالہ کر دیا خود اپنا، اور گم ہو گیا جو وہ افترا کرتے تھے●

یہ (وہی) لوگ (ہیں، کہ دیوالہ کر دیا) معاملات کے بازار میں (خود اپنا) یعنی خود اپنی ذات کو زبردست نقصان پہنچایا (اور گم ہو گیا جو وہ افتراء کرتے تھے)۔نہ بتوں کی شفاعت کا پتا چل سکا، اور نہ ہی ان کے حق میں ملائکہ کی درخواست کا۔

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿۲۲﴾

ناچار، وہی آخرت میں گھاٹے میں ہیں●

(ناچار وہی آخرت میں گھاٹے میں ہیں) یعنی وہی ہیں جنہوں نے سب نقصان کرنے والوں میں سب سے بڑا نقصان کیا۔اس واسطے، کہ خدا کی عبادت ہاتھ سے دے کر بتوں کی پرستش انہوں نے مول لی، اور عقبیٰ باقی کی نعمتوں پر دُنیا کی فانی متاع انہوں نے اختیار کی اور اس سودے میں غبن فاحش ہے۔ان کے برعکس وہ لوگ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ

بے شک جو مان گئے، اور نیک کام کیے، اور جھک پڑے اپنے پروردگار کی طرف،

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۳﴾

وہ ہیں جنت والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(بیشک جو مان گئے) اور پر خلوص ایمان لائے (اور نیک کام کیے) اچھے فرائض ادا کیے اور نوافل کی کثرت کی، (اور جھک پڑے) اپنے تن من سے (اپنے پروردگار کی طرف)، یعنی ذکرِ الٰہی کرتے رہے۔ بارگاہِ خداوندی میں عاجزی وانکساری سے حاضر ہوتے رہے، اور ماسویٰ اللہ سے اپنے کو منقطع کرلیا۔ وہی کرتے رہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہے، تو یہ (وہ) خوش نصیب ہیں جو (ہیں جنت والے) اور (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔ ان کو اور ان کی نعمتوں کو فنا نہیں۔

اوپر مومن وکافر کے اوصاف بیان کردینے کے بعد ان کے مابین واضح فرق کو نمایاں کیا جارہا ہے اور فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ؕ

دونوں فریق کی مثال ہے، جیسے اندھا بہرا، اور آنکھ کان والا۔

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾

کیا دونوں کی مثال برابر ہے؟ کیا تو تم نہیں سوچتے●

(دونوں فریق کی مثال) ایسی (ہے، جیسے اندھا، بہرا اور آنکھ کان والا)۔ کافر آنکھ رکھ کر بھی آنکھ والا نہیں، اس لیے کہ آنکھ بنائی گئی ہے بنیادی طور پر حق دیکھنے کے لیے، لیکن وہ حق نہیں دیکھتا ہے اس لیے بنیادی طور پر وہ اندھا ہے۔۔ یونہی۔ کان بنایا گیا ہے بنیادی طور پر حق سننے کے لیے، لیکن وہ حق نہیں سنتا اس لیے بنیادی طور پر وہ بہرا ہے۔

اس کے برخلاف مومن اپنی آنکھ سے حق دیکھنے اور کان سے حق سننے کا کام لیتا ہے، تو حقیقی معنوں میں یہی آنکھ والا اور کان والا ہے۔ تو (کیا دونوں کی مثال برابر ہے؟) یعنی کیا دونوں کو ایک طرح کا سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ دونوں فریق صفت اور مشابہت میں ایک جیسے نہیں۔ (کیا تو تم نہیں سوچتے) یعنی ان مثالوں سے نصیحت نہیں پکڑتے، اور ان مثالوں پر غور وتامل نہیں کرتے۔

ذہن نشین رہے، کہ وہ اندھا ہے جو باطل کو حق اور حق کو باطل دیکھے، اور وہ بہرہ ہے جو باطل کو حق اور حق کو باطل سنے۔ حقیقی معنوں میں دیکھنے والا وہ ہے، جو حق کو حق دیکھ کر اس کی پیروی کرے اور باطل کو باطل دیکھ کر اس سے بچے۔ اور سننے والا وہ ہے، جو حق کو حق سنے اور

اس پر عمل کرے اور باطل کو باطل سمجھے اور اس سے پرہیز کرے۔ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ حقیقت میں بصیر یعنی دیکھنے والا وہ ہے، جس کی چشم بصیرت نے 'بِیْ یُبْصِرُ' کے سرمے سے روشنی پائی ہو، اور سننے والا وہ ہے جس کے کان 'بِیْ یُسْمَعُ' کے گوشوارے سے آراستہ ہوں۔ جو کوئی خدا کے ساتھ دیکھتا ہے، وہ خدا کے سوا نہیں دیکھتا۔ اور جو کوئی خدا کے ساتھ سنتا ہے، وہ خدا کے سوا نہیں سنتا۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تھا اور اس سورہ میں اس قصہ کو پھر دُہرایا ہے، کیونکہ اس سورہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی زیادہ تفصیل ہے۔ انبیاءِ سابقین کے واقعات کو بار بار دُہرانے میں یہ حکمت ہے، کہ سیدنا محمد ﷺ کو تسلی دی جاتی رہے۔ کفارِ مکہ آپ کی تکذیب کرتے رہتے تھے اور دل آزار باتیں کرتے رہتے تھے۔ ایسی باتیں سن کر آپ کو رنج ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ انبیاءِ سابقین علیہم السلام کے واقعات پر مشتمل وحی نازل فرماتا، کہ اس قسم کے واقعات انبیاءِ سابقین علیہم السلام کو بھی پیش آتے رہے ہیں۔ وہ کفار کی ایسی باتوں پر صبر کرتے تھے، سو آپ بھی صبر کریں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾

اور بیشک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف، کہ بیشک، میں تمہارے لئے کھلا ہوا ڈر سنانے والا ہوں●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف)۔ پھر کہا نوح نے ان لوگوں سے (کہ بے شک میں تمہارے لیے کھلا ہوا ڈر سنانے والا ہوں)، یعنی جو باتیں عذاب کی موجب ہیں ان کو ظاہر کرنے والا ہوں، اور ان سے چھٹکارے کی صورتوں کو بیان کرنے والا ہوں۔۔ یا یہ۔۔ کہ میں ڈرانے والا ہوں۔۔۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾

یہ کہ نہ پوجو اللہ کے سوا۔ بیشک میں ڈرتا ہوں دکھ دینے والے دن کے عذاب کو تم پر●

(یہ کہ نہ پوجو اللہ) تعالیٰ (کے سوا) اس لیے کہ اگر تم اس کی عبادت نہ کرو گے، تو (بے شک میں ڈرتا ہوں دُکھ دینے والے دن کے عذاب کو تم پر)۔

چونکہ اس دن رنج والم واقع ہوگا، اس لیے اس دن کو بطورِ اسنادِ مجازی 'دکھ دینے والا دن' فرمایا گیا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

تو بولے چودھری لوگ اس قوم کے جو کافر تھے، "کہ ہم نہیں دیکھتے تم کو مگر اپنا جیسا بشر،

وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ

اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کی کسی نے، مگر وہ جو ہم میں کمینے ہیں سرسری رائے سے، اور ہم نہیں دیکھتے

عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾

تمہارے لئے ہم لوگوں پر کوئی بڑائی، بلکہ ہم خیال کرتے ہیں تم کو جھوٹا"●

(تو بولے چودھری لوگ اس قوم کے جو کافر تھے، کہ ہم نہیں دیکھتے تم کو مگر اپنا جیسا بشر)، یعنی تجھ میں وہ فضیلت ہم نہیں پاتے، جس کے سبب سے نبوت کے ساتھ تیری تخصیص ہو اور ہم پر تیری اطاعت واجب ہو۔ انہوں نے بشر کی صورت دیکھی اور حقائق انسانی کے ادراک سے غافل رہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دوسری بات یہ کہی، کہ (اور ہم نہیں دیکھتے، کہ تمہاری پیروی کی کسی نے مگر وہ) لوگ (جو ہم میں کمینے ہیں سرسری رائے سے)، یعنی تیری متابعت کرنے والے سب بظاہر دیکھنے میں اَراذِل ہیں۔ یعنی جو کوئی ان پر نظر کرتا ہے رذیل ہونے کی صفت ان میں دیکھتا ہے۔۔ یا یہ۔۔ کہ تم پر ایمان لانے والے اپنی سرسری رائے سے بے سمجھے بوجھے تم پر ایمان لائے۔ (اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے لیے ہم لوگوں پر کوئی بڑائی) اور ایسی فضیلت، کہ اس کے سبب سے ہمیں تمہاری متابعت کرنی چاہیے۔ (بلکہ ہم خیال کرتے ہیں تم کو جھوٹا)، یعنی ہمارے گمان میں تم اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہو اور تمہارے ماننے والے تم کو سچا نبی جاننے میں جھوٹے ہیں۔ اپنی قوم کی یہ بات سن کر حضرت نوح 'علیہ السلام' نے۔۔۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ رَحْمَةً

جواب دیا "کہ اے قوم بھلا بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور بخش دی ہو مجھ کو اسکی طرف سے رحمت،

مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر تم پر اندھا پن چھا دیا گیا، تو کیا ہم چپکا دیں اسے تم سے، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو●

(جواب دیا، کہ اے) میری (قوم بھلا بتاؤ، کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں) ایسی دلیل جو میرے دعوے کی سچائی کی گواہی دے، (اور بخش دی ہو مجھ کو اس کی طرف سے رحمت)، یعنی پروردگار نے اپنی طرف سے مجھے شرفِ نبوت سے مشرف فرمادیا (پھر تم پر اندھاپن چھادیا گیا)، یعنی تمہیں اس کا علم نہیں ہونے دیا اور تم سے اس دلیل کی معرفت کو سلب کر کے تم سے اس دلیل کو پوشیدہ رکھا گیا، (تو کیا ہم چپکا دیں اسے تم سے) یعنی تم پر اس دلیل کا قبول کرنا لازم کردیں، اور بالجبر اس کی ہدایت تم سے منوالیں، (حالانکہ) یعنی جب کہ صورت حال یہ ہو، کہ (تم اس سے بیزار ہو) اور اُسے نہ چاہنے والے ہو اور اس کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے، تو پھر اگر معرفت بھی کرائی جائے، تو کس کو کرائی جائے؟ اور سمجھایا بھی جائے، تو کس کو سمجھایا جائے؟

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے، کہ اگر حضرت نوح علیہ السلام چاہتے تو لازم کردیتے، مگر اختیار کی لگام حق تعالیٰ کی مشیت کے قبضے میں ہے، کہ اس کا پاسبانِ عدل کسی کو نکال دیتا ہے اور اس کا نائبِ فضل کسی کو بُلا لیتا ہے۔ پھر حضرت نوح اپنی قوم سے فرماتے ہیں۔۔۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ

اور اے قوم نہیں مانگتا اس پر تمہارا مال۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ پر، اور میں انھیں ہٹانے والا نہیں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۲۹

جو ایمان لاچکے۔ بیشک وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، لیکن میں تمہیں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کررہے ہو●

(اور) صاف صاف لفظوں میں سمجھاتے ہیں (اے) میری (قوم) تمہاری ہدایت کے تعلق سے میرے اخلاص اور دلی جذبات کو دیکھو، کہ میں تم کو راہِ راست پر لانے کی جو کوشش کررہا ہوں، کسی دُنیوی لالچ سے نہیں کررہا ہوں، اور (نہیں مانگتا) تم سے (اس) تبلیغ رسالت (پر) بطورِ اجرت (تمہارا مال) جس کا دینا تمہیں شاق ہو اور جس کا نہ ملنا مجھے ناگوار ہو۔۔ الختصر۔۔ میں تو صرف تمہاری ہدایت چاہتا ہوں، نہ کہ تمہاری دولت۔ اور سن لو، کہ (نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ) تعالیٰ کے ذمہءِ کرم (پر) ۔۔الغرض۔۔ مجھے تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر وثواب کی امید ہے، ایسا اجر جو باقی رہنے والا ہے، جس کے لیے فنا نہیں۔ میری نظر تمہاری فنا ہوجانے والی دولت پر نہیں۔ کچھ تو سمجھ سے کام لو اور میرے اخلاص کی قدر کرو۔

اب رہ گیا تمہارے اشراف کا یہ کہنا، کہ میں اپنی مجلس سے اپنے مخلصین کو نکال دوں، پھر وہ آ کر ہمارے پاس بیٹھیں گے۔ اس لیے کہ ان کی نظر میں یہ مخلصین ادنیٰ اور رذیل ہیں، جن کے ساتھ ہم نشینی ان کے لیے باعثِ اہانت ہے، تو ان نام نہاد اشراف سے کہہ دو (اور) ان پر واضح کر دو، کہ (میں انہیں) اپنی مجلس سے (ہٹانے والا نہیں جو ایمان لا چکے)۔ اس لیے کہ ایمان کا شرف سب سے بڑا شرف ہے، جس کی وجہ سے وہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے ہو گئے ہیں، جہاں تک تمہارے نام نہاد اشراف کی رسائی نہیں۔ یہ ایمان ہی شرف کا نتیجہ ہے، کہ (بے شک وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں) اور رب کریم اپنے فضل و کرم سے اپنی ملاقات کے شرف سے مشرف فرمانے والا ہے، تو میں انہیں کیونکر اپنی مجلس سے باہر کر دوں۔ تم اپنے کو بہت ہی دانا و بینا سمجھتے ہوں، (لیکن میں تمہیں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کر رہے ہو) اور میری مجلس میں جو مخلصین حاضر رہتے ہیں ان کی قدر و منزلت سے ناواقف ہو، اسی لیے یہ جاہلانہ مطالبہ کر رہے ہو۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۰

اور اے قوم بھلا کون بچنے میں میری مدد کریگا اللہ سے اگر میں نے انکو ہٹا دیا۔ تو کیا سوچ سے کام ہی نہیں لیتے؟●

(اور اے) میری (قوم) ذرا غور کرو، کہ (بھلا کون بچنے میں میری مدد کرے گا اللہ) تعالیٰ (سے اگر میں نے ان کو ہٹا دیا)۔

حضرت نوح کے جواب کا مفہوم یہ ہے، کہ اگر میں بالفرض شریعت کے حکم کے برعکس کروں اور کافر اور فاجر کی تکریم کر کے اس کو اپنی مجلس میں مقرب بناؤں، اور مومن متقی کی توہین کر کے اس کو اپنی مجلس سے نکال دوں، تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہوگی، اور اس صورت میں، میں اللہ عز و جل کے عذاب کا مستحق ہوں گا۔ تو پھر بتاؤ مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا۔

(تو کیا) تم (سوچ سے کام ہی نہیں لیتے) جو ایسی خواہش رکھتے ہو، کہ میں انہیں اپنی مجلس سے اٹھا دوں اور باہر کر دوں۔۔۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ

اور نہیں کہتا میں تمہیں کہ میرے ہی پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ یہی کہ میں، عالم الغیب ہوں، اور نہ یہی کہوں،

مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا

کہ میں فرشتہ ہوں، اور نہ میں انھیں کہوں جن کو تمہاری آنکھیں ناچیز جانتی ہیں، کہ کبھی نہ دے گا انھیں اللہ بہتری کو۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۳۱

اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ بیشک میں ایسا کروں، تو اندھیر مچانے والوں سے ہو جاؤں۔

(اور) اے قوم! اگر تم میری تکذیب اس وجہ سے کرتے ہو اور میری پیروی اس لیے نہیں کرتے، کہ میرے پاس زیادہ مال اور مرتبہ نہیں ہے، تو میں نے کب اس کا دعویٰ کیا ہے اور میں نے کب تم سے یہ کہا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کے خزانے اور اس کا مال میرے پاس ہے، حتی کہ تم اس معاملے میں مجھ سے بحث کرو اور میری نبوت کا انکار کرو۔ میں نے تو صرف رسالت اور خدائے عزوجل کے پیغام پہنچانے کا دعویٰ کیا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔(نہیں کہتا میں تمہیں کہ میرے ہی پاس اللہ) تعالیٰ (کے خزانے ہیں)۔۔الغرض ۔۔اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے مال و دولت کو معیار نہیں بناتا (اور نہ یہی) دعویٰ کرتا ہوں، (کہ میں عالم الغیب ہوں) یعنی از خود غیب جانتا ہوں۔ یہاں تک کہ تم اس کو بعید از قیاس قرار دیتے ہوئے انکار کردو۔ میں نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہے، وہ وحی کے ذریعہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر دینے کی وجہ سے ہے، وہ میرے ذاتی علم کا ثمرہ نہیں ہے۔

(اور نہ یہی کہوں) اور دعویٰ کروں (کہ میں فرشتہ ہوں)، کہ تم یہ کہو کہ آپ تو ہماری طرح بشر ہیں اور فرشتے نہیں ہیں۔۔الغرض۔۔اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے میں نے اپنے فرشتہ ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا۔۔لہٰذا۔۔تم نے جن تین چیزوں کے نہ ہونے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنایا ہے، ان میں سے کسی چیز کا بھی میں نے دعویٰ نہیں کیا۔

جب بشریت نبوت کے منافی نہیں، اور بشر کی ہدایت کے لیے بشر ہی کو نبی و رسول بنا کر بھیجنا سنتِ الٰہیہ ہے، اور نبی و رسول کا مال و دولت والا ہونا لازمی نہیں، تو ان میں سے کسی کو بنیاد بنا کر میری نبوت کا انکار کرنا، بے عقلی اور بے وقوفی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو، کہ مال و دولت کی قلت کی وجہ سے کسی کو حقیر قرار دینا، یہ بھی ایک زیادتی کی بات ہے۔ تو اے میری قوم کے لوگو! نہ تو میں مذکورہ بالا دعووں میں سے کوئی دعویٰ کروں، (اور نہ) ہی (میں انہیں کہوں) اور ان کے تعلق سے اظہارِ خیال

کروں (جن کو تمہاری آنکھیں ناچیز جانتی ہیں، کہ) تمہارے حقیر سمجھنے کی وجہ سے (کبھی نہ دے گا انہیں اللہ بہتری کو) اوران کے ثواب کم کردے گا۔۔یا۔ان کے اجور کو باطل کردے گا۔اس لیے، کہ (اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے جوان کے دلوں میں ہے) پس وہ اس کے موافق ان کو جزاء دے گا۔تو (بے شک) اگر بالفرض (میں ایسا کروں) اور مذکورہ بالا بات کہوں، (تو اندھیر مچانے والوں سے ہو جاؤں) اور میرا شمار بھی ظالمین میں ہو جائے۔اس پر۔۔۔

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ

سب بولے "اے نوح، تم ہم سے بکھئے تو بہت بکھئے، تو لے ہی آؤ جس سے ہم کو ڈراتے ہو اگر

مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ

سچوں سے ہو" ● جواب دیا" کہ اس کو تو اللہ ہی لائے گا اگر اس نے چاہا،

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۳۳﴾

اور تم اسکے لئے روک نہیں ہو ●

(سب بولے، اے نوح! تم ہم سے بکھئے تو بہت بکھئے)، یعنی تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی، (تو) اب قصہ مختصر کرو، بحث ومباحثہ چھوڑو، اور (لے ہی آؤ) وہ عذاب (جس سے تم (ہم کو ڈراتے ہو اگر سچوں سے ہو)۔حضرت نوح علیہ السلام نے (جواب دیا، کہ اس کو تو اللہ) تعالیٰ (ہی لائے گا اگر اس نے چاہا اور تم اس کے لیے روک نہیں ہو) یعنی تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں، کہ تمہارے زور وطاقت سے وہ عذاب کر نہ سکے۔اور یہ بھی سن لو! کہ مشیتِ الٰہی کے آگے کسی کی کچھ نہیں چلتی۔اسی لیے نہیں فائدہ پہنچا سکتی۔۔۔

وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ

اور نہ کام آئے گی تمہارے میری نصیحت اگر میں چاہوں کہ تمہیں نصیحت کروں۔اگر اللہ یہ چاہتا ہے

اَنْ یُّغْوِیَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

کہ تم اپنی گمراہی میں پڑے رہو، وہ تمہارا پروردگار ہے۔۔ اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے" ●

(اور نہ) ہی (کام آئے گی تمہارے میری نصیحت، اگر میں چاہوں کہ تمہیں نصیحت کروں،

اگر اللہ) تعالیٰ (یہ چاہتا ہے، کہ تم اپنی گمراہی میں پڑے رہو)۔اور ظاہر ہے کہ خدا کا چاہا تو ہوگا ہی، اس لیے کہ (وہ تمہارا پروردگار ہے) اور اپنے ارادے کے موافق تمہارے کام میں تصرف کرنے والا ہے (اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اور اپنے اعمال کی جزاء پاؤ گے۔

مذکورہ بالا کلام میں تقدیم تاخیر ہے۔اصل میں کلام یوں ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری گمراہی چاہے، اور میں چاہوں کہ تمہیں نصیحت کروں، تو وہ میری نصیحت کچھ نفع نہ پہنچائے گی۔اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ 'امورِ تکوینیہ' میں ہم مجبور ہیں اور 'امورِ تشریعیہ' میں ہم مختار ہیں۔ 'امورِ تکوینیہ' سے مراد وہ امور ہیں جس میں ہمارے فعل کا دخل نہیں۔۔مثلاً: پیدا ہونا، پیدائش میں مذکر یا مونث ہونا، مرنا، بارشوں کا ہونا، دریاؤں اور سمندروں میں طوفانوں کا آنا، زلزلوں کا آنا، آندھیوں کا آنا، گرمی، سردی، برسات کے موسموں کا آنا، وغیرہ۔۔اور 'امورِ تشریعیہ' سے مراد 'احکامِ شرعیہ' ہیں، جن میں ہمارے فعل کا دخل ہے۔ہم ان میں سے کسی فعل کے کرنے کا پکا ارادہ کرتے ہیں، تو خالق کائنات اس کو ہمارے اندر پیدا فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان امور میں ہم کو اچھا اور بُرا، دونوں کرنے کا اختیار دے رکھا ہے۔اور علمِ الٰہی میں ہے، کہ ہم کیا کرنے والے ہیں۔اس کا علم غلط نہیں ہوسکتا۔اس نے اپنے علم کے مطابق جو لکھ دیا وہی ہونا ہے، اس میں خلاف نہیں ہوسکتا۔اس مقام پر صورتِ حال یہ نہیں ہے، کہ اس نے لکھ دیا اس لیے ہم اس کو انجام دیتے ہیں۔۔بلکہ۔۔صحیح تعبیر یہ ہے، کہ ہم جو کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے علم کے مطابق لوحِ محفوظ میں تحریر فرما دیا۔اپنے عزم وارادہ کی وجہ سے ہم 'کاسب' ہیں، اور تخلیق فرما دینے کی وجہ سے رب کریم 'خالق' ہے۔

قومِ نوح کو گمراہی میں پڑے رہنے اور ہدایت پر آجانے دونوں باتوں کا اختیار تھا، لیکن جب ان کے بعض نے اپنے ذاتی اختیار سے گمراہی میں پڑے رہنے کا عزم وارادہ کرلیا، اور رب علیم وخبیر کے علم ازلی میں بھی یہی بات رہی، کہ وہ ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں اور ہدایت کی توفیق سے محروم ہو چکے ہیں، تو پھر اب ان کے ایمان لانے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟۔۔۔اب رہا اپنے ایمان نہ لانے کے لیے مختلف بہانے تلاش کرنا اور بکواس بازی پر اتر آنا، اور الزام وافتراء سے بھی نہ چوکنا۔تو۔۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي

کیا یہ سب کہتے ہیں، کہ گڑھ لیا ہے اسکو، جواب دو'' کہ اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے، تو مجھ پر میرا جرم ہے،

وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾

اور میں دور ہوں جو تم جرم کر رہے ہو"●

(کیا یہ سب) بکواس پر اتر آئے ہیں، اور (کہتے ہیں کہ گڑھ لیا ہے اس کو) نوح نے اپنی طرف سے، تو ہم نے نوح سے کہہ دیا، کہ ان نادانوں کو (جواب) دے (دو، کہ اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے) اور اپنی خودساختہ بات کو وحی الٰہی قرار دے دیا ہے، (تو مجھ پر میرا جرم ہے) یعنی اگر۔۔بالفرض۔۔ میں نے جرم کیا ہے، تو میرے کیے ہوئے گناہ کا وبال میرے اوپر ہے۔ (اور) حقیقتِ حال یہ ہے، کہ (میں دور ہوں) اور اس سے بیزار ہوں، (جو تم جرم کر رہے ہو) یعنی میں تمہاری اس حرکت سے بیزار ہوں جو تم گناہ کرتے ہو، اور میری طرف افتراء کی نسبت کرتے ہو۔

قوم حضرت نوح علیہ السلام نے ایمان نہ لانے کے تعلق سے جب اپنی سرکشی اور بے باکی کا مظاہرہ کیا، تو حضرت نوح علیہ السلام کی تسلی کے لیے ان پر فرمان نازل کیا گیا۔۔۔

وَاُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّهٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِكَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ

اور وحی کی گئی نوح کی طرف "کہ بے شک ہرگز نہ مانیں گے تمہاری قوم سے مگر جو پہلے مان چکے، تو

فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا كَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾

تم کچھ فکر نہ کرو جو وہ کرتے رہے●

(اور وحی کی گئی نوح کی طرف، کہ بے شک ہرگز نہ مانیں گے تمہاری قوم سے، مگر جو پہلے مان چکے) یعنی جتنے لوگ اب تک تم پر ایمان لا چکے، اب اس کے آگے کوئی ماننے والا نہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا فیصلہ ہے، (تو تم کچھ فکر نہ کرو) اور غمناک نہ ہو اس تکذیب اور ایذاء رسانی پر، (جو وہ کرتے رہے)۔۔الحاصل۔۔ان کے ایمان نہ لانے سے تم پر کوئی الزام نہیں، تم نے اپنا فریضۂ تبلیغ کما حقہٗ ادا کر دیا۔ اور جب دعوتِ اسلام کا فائدہ ان سے منقطع ہو گیا، تو نزولِ عذاب کا وقت آ پہنچا اور حکم ہوا، کہ اے نوح! کوشش کی کمر باندھو۔۔۔

وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا وَلَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ

اور کشتی بنا ڈالو ہماری نگرانی میں اور ہمارے قاعدہ سے۔ اور کچھ نہ کہنا مجھ سے انکے بارے میں جو اندھیر مچا چکے،

إِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝

بلاشبہ وہ غرق کردیے گئے۔

(اور کشتی بناڈالو ہماری نگرانی میں)۔ یعنی ان ملائکہ کی نگہبانی میں جن کو تمہاری مدد کے لیے ہم نے مقرر فرمایا ہے، (اور ہمارے قاعدہ سے)، یعنی بذریعہ وحی جو طریقہ ہم بتاتے رہیں اس طریقے سے۔

روایت ہے کہ حضرت نوح کو کشتی بنانے کا علم نہیں تھا، کہ وہ کیسے بنتی ہے؟ اور اس کی کیا صورت ہوتی ہے۔ تو ان پر وحی آئی، کہ ایسی صورت بناؤ جیسے مرغ کا سینہ ہوتا ہے۔۔ الختصر۔۔ اپنے اس کام میں لگ جاؤ۔۔۔

(اور) اس درمیان میں اب (کچھ نہ کہنا مجھ سے ان کے بارے میں جو اندھیر مچا چکے)۔ یعنی اتمام حجت ہو چکی ہے، اور اب وہ نجات کی سفارش کے مستحق نہیں رہ گئے ہیں۔ (بلاشبہ وہ غرق کردیے گئے) یعنی ان کے لیے ڈبودینے کا حکم ہو چکا ہے، تو اب ان کا غرق ہو جانا اتنا ہی یقینی ہے، گویا وہ غرق کر ہی دیے گئے۔

روایت ہے، کہ جب حضرت نوح نے کشتی بنانے کے لیے لکڑی چاہی، تو انہیں 'سال' کا درخت لگانے کا حکم ہوا۔ وہ درخت بیس[20] سال میں تیار ہوا۔ اس مدت میں کسی کو کوئی فرزند نہیں پیدا ہوا، یہاں تک کہ قوم کے لڑکے بالغ ہوئے، اور انہوں نے بھی اپنے باپوں کی متابعت کی اور حضرت نوح کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا۔ پس نوح علیہ السلام کشتی بنانے میں مشغول ہوئے۔۔۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۗ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوْا مِنْهُ ۚ

اور وہ کشتی بنارہے ہیں۔۔۔ اور جب جب گزرے ان پر انکی قوم کے چودھری، تو ہنسی اڑانے لگے ان سے۔

قَالَ إِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝

جواب دیا، کہ اگر مسخراپن کررہے ہو ہم سے، تو بلاشبہ ہم بھی ہنسیں گے تم سے، جس طرح تم ٹھٹھے لگاتے ہو۔

(اور) اب صورتِ حال یہ ہے، کہ ایک طرف تو (وہ کشتی بنارہے ہیں اور) دوسری طرف (جب جب گزرے ان پر ان کی قوم کے چودھری، تو ہنسی اڑانے لگے ان سے) اور افسوس کرتے ان کے حال پر، کہ میدان میں جہاں پانی کا دور دور تک پتا نہیں یہ کشتی بنارہے ہیں۔ اور طعن کرتے، کہ پہلے تو

نبی تھے اب بڑھئی ہو گئے۔ ان کے مسخرہ پن کا حضرت نوح نے (جواب دیا، کہ اگر) آج (مسخرا پن کررہے ہو ہم سے، تو) ایک دن آئے گا، پھر (بلاشبہ ہم بھی ہنسیں گے تم سے) اور تمہارے حال پر افسوس کریں گے، (جس طرح تم ٹھٹھے لگاتے ہو) اور ہمارے حال پر اظہارِ افسوس کرتے ہو۔۔۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

تو جلد معلوم کرلو گے کہ کون ہے، کہ آئے اس تک عذاب، کہ اسکو رسوا کردے اور اترے اس پر وہ عذاب جو قائم رہ جائے ●

(تو جلد معلوم کرلو گے، کہ کون ہے کہ آئے اس تک) ایسا (عذاب)، جو (کہ اس کو رسوا کردے) دُنیا میں، یعنی وہ غرق ہو جائے۔ (اور اُترے اس پر) آخرت کا (وہ عذاب، جو قائم رہ جائے)۔ یعنی آتش جہنم، جس میں اُسے ہمیشہ رہنا ہے۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دو[۲] برس میں کشتی بنائی جس کا طول تین[۳۰۰] سو گز تھا اور بعضوں نے کہا بارہ[۱۲۰۰] سو گز اور عرض پچاس[۵۰] گز، اور بعضے کہتے ہیں کہ ساٹھ[۶۰] گز اور اس کی بلندی تیس[۳۰] گز اور ایک قول پر تینتیس[۳۳] گز، اور اس سلسلے میں اس کے سوا بھی اقوال ہیں۔ اس کشتی میں تین درجے بنائے اور اس پر سیاہ روغن کردیا اور حکم الٰہی سے ہر جانور کا ایک جوڑا اس میں رکھ لیا۔ نیچے کے درجے میں پرند، اور بیچ کے درجے میں چرند درند، اور اوپر کے درجے میں اسباب اور کھانے کی چیزوں سمیت آدمیوں کی جگہ مقرر کی، اور آپ یہ مہم پوری کرنے کے اسباب مہیا کرنے میں مشغول رہتے۔۔۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

یہاں تک کہ جب آگیا ہمارا فرمان، اور جوش مارا تنور نے، ہم نے حکم دیا کہ لا دلو اس میں ہر ایک

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ

کے جوڑے، نر مادہ اور اپنے اہل وعیال کو، باستثناء ان کے جن پر بات پہلے طے ہو چکی، اور ان کو جو ایمان لا چکے۔

وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

اور نہیں ایمان لائے ان کے ساتھی مگر تھوڑے ●

(یہاں تک کہ جب آگیا ہمارا فرمان) یعنی عذاب کے نزول سے متعلق ہمارا حکم، (اور جوش مارا تنور نے)۔ یہ تنور پتھر کا تھا، حضرت حواء اس میں روٹی پکاتی تھیں، جو میراث میں حضرت نوح کو پہنچا

تھا، اور عذاب کا نشان یہ تھا، کہ اس تنور سے پانی نے جوش مارا۔ پس جب عذاب کی علامت ظاہر ہوئی، تو (ہم نے حکم دیا: لادلو اس میں ہر ایک کے جوڑے نر مادہ) یعنی ہر قسم کے جانوروں میں سے دو۲ جوڑے کشتی پر چڑھالو۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ہم نے نوح کو کہا، کہ۔۔۔

'چڑھالے کشتی میں ہر ایک جنس سے دونوں جوڑے حیوانات سے، یعنی ان میں سے جو جفتی کرتے ہیں، دو۲ نر مادہ'۔۔۔ (اور اپنے اہل وعیال کو باستثناء ان کے جس پر بات پہلے طے ہو چکی) یعنی ان کے ہلاک ہونے کا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اس سے کنعان اور واعلہ یعنی نوح علیہ السلام کا بیٹا اور جورو مراد ہے۔۔ الحاصل۔۔ اپنے ایمان والے اہل وعیال کو کشتی پر سوار کرالیں (اور ان کو) بھی چڑھالیں (جو ایمان لاچکے۔ اور) صورتِ حال یہ تھی، کہ (نہیں ایمان لائے ان کے ساتھی، مگر تھوڑے)۔

ایمان لانے والوں میں ایک تو ان کی مسلمان بی بی تھیں اور تین۳ بیٹے حام، سام، یافث اور ان کی بیبیاں اور ان کے سوا بہتر۷۲ آدمی مرد اور عورتیں، کہ سب اناسی۷۹ آدمی تھے، اور حضرت نوح کو ملا کر اسی۸۰ ہوئے۔ تو حضرت نوح ان لوگوں کو کشتی کے پاس لائے اور سرپوش جو بنایا تھا کشتی پر اڑھا دیا اور زمین سے چالیس۴۰ دن رات پانی جوش مارتا رہا اور آسمان سے بلا کا مینھ برسنے لگا، تو حضرت نوح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔۔۔

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۱﴾

اور انھوں نے سب سے کہا، کہ "سوار ہو جاؤ اس میں، نام سے اللہ کے اس کا چلنا ہے اور ٹھہرنا ہے، بیشک میرا پروردگار یقیناً مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے"

(اور انہوں نے سب سے کہا، کہ سوار ہو جاؤ اس میں نام سے اللہ کے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے) ۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ حضرت نوح جب کشتی کو چلانا چاہتے تو بسم اللہ کہتے، تو کشتی چل پڑتی اور روکنا چاہتے جب بھی بسم اللہ کہتے، تو کشتی ٹھہر جاتی۔

آیت کا ایک معنی یہ بھی ہے، کہ کشتی میں سوار ہو خدا کا نام لیتے ہوئے اور بسم اللہ کہتے ہوئے، کشتی چلانے کے وقت اور اس کو روکنے کے وقت۔۔۔ الغرض۔۔۔ کشتی پر سوار ہونا ہو یا کشتی کو چلانا ہو۔۔۔ یا۔۔۔ اُسے روکنا ہو، ہر کام خدا کے نام سے کرو۔

(بے شک میرا پروردگار یقیناً مغفرت فرمانے والا) ہے ایمان والوں کی اور انہیں (بخشنے والا) مہربان (ہے)، کہ انہیں طوفان کی بلا سے نجات دیتا ہے۔ کشتیٔ نوح شانِ قدرتِ الٰہی کا منظر دکھا رہی تھی۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۚ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ

اور وہ چل رہی ان کو لیے ایسی موج میں جیسے پہاڑ۔۔ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو، جب کہ

فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾

وہ تھا الگ، ''کہ اے بیٹا سوار ہو جا ہمارے ساتھ اور نہ رہ جا کافروں کے ساتھ'' ●

(اور وہ چل رہی) تھی (ان) سب (کو لیے) ہوئے (ایسی موج میں)، جو بڑائی میں تھی (جیسے پہاڑ)۔حضرت نوح کا بیٹا قصداً کشتی پر سوار نہیں ہوا تھا اور کشتی کے باہر تھا، تو آواز دی (اور پکارا نوح نے) ازراہِ شفقت (اپنے بیٹے کو، جبکہ وہ تھا الگ) یعنی کشتی سے الگ۔

کیونکہ اس کا یہ گمان تھا، کہ وہ پہاڑ کی پناہ کے سبب غرق ہونے سے بچ جائے گا۔۔یا یہ۔۔ کہ وہ اپنے باپ، بھائیوں اور مسلمانوں سے الگ تھا۔۔یا یہ۔۔ کہ وہ کفار کی جماعت سے الگ کھڑا تھا، اس لیے حضرت نوح نے یہ گمان کیا، کہ شاید وہ ایمان لے آئے، کیونکہ وہ ان سے الگ کھڑا ہوا ہے۔ اسی لیے انہوں نے اس کو ندا کی تھی اور فرمایا تھا، کہ۔'اور کافروں کے ساتھ نہ رہو'۔

حضرت نوح کو اُسے پکارنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ ممکن ہے کہ وہ بیٹا منافق ہو، اور حضرت نوح کے سامنے اپنا ایمان ہی ظاہر کرتا ہو، اور درحقیقت کافر ہو۔۔یا یہ۔۔ کہ حضرت نوح کو، تو اس بات کا علم تھا، کہ وہ کافر ہے، لیکن ان کو یہ گمان تھا، کہ جب وہ طوفان کی ہولناکیوں اور اس میں غرق ہونے کا خطرہ مشاہدہ کرے گا، تو ایمان لے آئے گا۔۔لہٰذا۔۔ انہوں نے جو کہا، کہ اے میرے بیٹے میرے ساتھ سوار ہو جاؤ، ان کا یہ قول اس کو ایمان پر راغب کرنے کے لیے تھا۔

۔۔المختصر۔۔ حضرت نوح نے فرمایا (کہ اے بیٹا سوار ہو جا ہمارے ساتھ، اور نہ رہ جا کافروں کے ساتھ)، کہ انہیں کے ساتھ تو بھی غرق ہو جائے۔ تو وہ۔۔۔

قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ

بولا ''کہ ابھی ابھی پناہ لیے لیتا ہوں کسی پہاڑ کی، جو مجھ کو بچالے گا پانی سے۔'' جواب دیا، ''کہ نہیں بچانے والا ہے آج

اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

اللہ کے قہر مان سے، مگر جس پر اسی نے رحم فرمایا'' اور درمیان آگئی ان دونوں کے موج، تو وہ ڈوبنے والوں سے ہو چکا تھا ●

(بولا، کہ ابھی ابھی پناہ لیے لیتا ہوں کسی پہاڑ کی، جو مجھ کو بچالے گا پانی سے)۔ جب بیٹے نے یہ کہا، کہ پہاڑ مجھے بچالے گا، تو حضرت نوح نے جواب دیا، کہ تو غلط کہتا ہے، کیوں (کہ نہیں بچانے والا ہے آج اللہ) تعالیٰ (کے قہرمان سے، مگر جس پر اس نے رحم فرمایا)۔ یہ کوئی معمول کے مطابق گاہے بگاہے آنے والا سیلاب ۔۔یا۔۔ دریائی طوفان نہیں ہے، جس کے آنے کے ظاہری اسباب معروف و متعارف ہیں اور جو جس طرح زور و شور سے آتے ہیں اسی طرح آسانی سے چلے بھی جاتے ہیں۔ بلکہ یہ خدائی قہر ہے اور اس کی طرف سے نازل ہونے والا عذاب ہے۔

باپ بیٹے کی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی، کہ طوفان نے شدت پکڑی (اور درمیان آگئی ان دونوں) باپ بیٹے (کے موج، تو وہ ڈوبنے والوں) میں (سے ہو چکا تھا)۔ گو بظاہر وہ اپنے باپ کے روبرو غرق ہوا۔ لیکن علم الٰہی میں وہ ڈوب جانے والوں میں اَزل ہی سے ہو چکا تھا۔

القصہ حضرت نوح علیہ السلام کوفہ ۔۔یا۔۔ ہندوستان ۔۔یا۔۔ جزیرہ عین وردہ کے کسی مقام سے کشتی پر رجب کی دسویں تاریخ کو بیٹھے، کشتی تمام روئے زمین پر پھری اور جب طوفان تمام ہوا اور سارے کافر غرق ہو گئے، تو حکم الٰہی پہنچا۔۔۔

وَقِيلَ يَٰٓأَرْضُ ٱبْلَعِى مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقْلِعِى وَغِيضَ ٱلْمَآءُ وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ

اور فرمان صادر کیا گیا، کہ "اے زمین نگل جا اپنے پانی کو، اور اے آسمان تھم جا"۔ اور سکھا دیا گیا پانی، اور ختم کر دیا گیا معاملہ،

وَٱسْتَوَتْ عَلَى ٱلْجُودِىِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿۴۴﴾

اور ٹھہری کشتی جودی پہاڑ پر، اور اعلان کر دیا گیا "کہ دور ہوں اندھیر مچانے والے لوگ"۔

(اور فرمان صادر کیا گیا، کہ اے زمین نگل جا اپنے پانی کو) جو تو نے اگل دیا ہے۔ (اور اے آسمان تھم جا) یعنی روک لے اپنا پانی جو تو نے چھوڑ دیا ہے۔ (اور سکھا دیا گیا پانی)، یعنی زمین پر پانی کم کر دیا گیا۔ (اور ختم کر دیا گیا معاملہ)، یعنی وہ کام جس سے خدا کا حکم متعلق تھا، اشرار کا ہلاک ہو جانا اور ابرار کا نجات پانا، (اور ٹھہری کشتی جودی پہاڑ پر) جو موصل میں ہے ۔۔یا۔۔ شام میں ہے، عاشورہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ اور طوفان کی مدت چھ[۶] مہینے کامل تھی۔ (اور اعلان کر دیا گیا، کہ دور ہوں اندھیر مچانے والے لوگ) یعنی کافروں اور ظالموں کے لیے ہلاکت ہو۔

جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر آئے، تو ان [illegible]

سے عاشورہ کا روزہ نبی کی سنت ہو گیا۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ طوفان آنے سے چالیس سال پہلے کافر عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے بانجھ کر دیا تھا، تو اس طوفان سے چالیس سال سے کم عمر کا کوئی آدمی ہلاک نہیں ہوا۔ لہٰذا۔ یہاں یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا، کہ اس طوفان میں نابالغ بچے بھی ہلاک ہو گئے تھے۔ آخر بچوں کا کیا قصور تھا، جو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ یہ بات تو خدائی اصول وحکمت کے خلاف ہے۔۔۔۔

اب اگر بالفرض بچوں کا وجود تسلیم ہی کر لیا جائے، تو انکی موت مدتِ عمر پوری ہو جانے کی وجہ سے ہوئی، بطور سزا انہیں ہلاک نہیں کیا گیا، جس طرح پرندوں، چرندوں اور درندوں کی ہلاکت جو ان کے حق میں عذاب نہیں تھی، بلکہ ان سب کی مدتِ حیات پوری ہو گئی تھی۔ جس طرح حلال جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے اِذن سے ذبح کرنا ان کے حق میں عذاب نہیں ہے، اسی طرح ان بچوں کا طوفان میں غرق ہونا بھی، ان کے حق میں عذاب نہیں تھا ۔۔ الختصر۔۔ یہ طوفان عذاب انہیں کے لیے تھا، جو یہاں ڈوب کر مرے اور پھر وہاں جہنم کی آگ میں جلے۔

اس سلسلے میں آخری بات تو یہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا مالکِ مطلق ہے، وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان اپنے باپ سے اپنا کفر چھپاتا تھا اور آپ کے سامنے منافقت سے پیش آتا تھا، اسی لیے جب اُسے ڈوبتا ہوا ملاحظہ فرمایا۔۔۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

اور پکارا نوح نے اپنے پروردگار کو، پس عرض کیا " کہ اے میرے پروردگار، میرا بیٹا تو میرے اہل سے ہوا، اور تیرا وعدہ حق ہے،

وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے"●

(اور) غرق ہوتے دیکھا، تو (پکارا نوح نے اپنے پروردگار کو، پس عرض کیا، کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا تو میرے اہل سے ہوا، اور تیرا) مجھے اور میری اہل کو ہلاکت سے بچانے کا (وعدہ حق ہے، اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے)، تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، تو اس میں کیا حکمت ہے؟

چونکہ حضرت نوح علیہ السلام سارے کافروں کی ہلاکت کی خود دعا فرما چکے تھے، تو اگر وہ

کنعان کو کافر سمجھتے، تو ہرگز اس کی نجات کی درخواست نہ کرتے، اور خدائی عمل کی حکمت نہ دریافت کرتے۔۔الحتصر۔۔جب انہوں نے عرض پیش ہی کر دی، تو اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ٭۫ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ

فرمایا "اے نوح وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ بے شک وہ نابکار ہے، تو وہ چیز

مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۴۶﴾

نہ مانگا کرو جس کی تمہیں تحقیق نہ ہو۔ میں روکے دیتا ہوں تمہیں کہ نادانوں سے ہو"●

(فرمایا اے نوح!) میں نے تمہارے اہل کو ہلاکت سے بچانے کا وعدہ کیا ہے، لیکن رہا تمہارا بیٹا کنعان، تو (وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے)، بلکہ (بے شک وہ نابکار) اور کافر (ہے) جو اپنے کفر کو تم سے چھپاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا، کہ 'ابنیت' تو نسب سے ملتی ہے، لیکن 'اہلیت' ایمان وعمل سے حاصل ہوتی ہے۔

(تو وہ چیز نہ مانگا کرو جس کی تمہیں تحقیق نہ ہو)۔یعنی پہلے اس کے ایمان وعمل صالح کی تحقیق کر لیتے، پھر اس کی نجات کے لیے دُعا کرتے۔ تحقیق کیے بغیر دُعا کرنا خلافِ اولیٰ ہے، جو تمہاری شان کے لائق نہیں۔آئندہ کے لیے (میں روکے دیتا ہوں تمہیں کہ نادانوں سے ہو)، یعنی اس طرح کے خلافِ اولیٰ کام سے بھی بچنے کی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔

اس فرمانِ الٰہی سے حضرت نوح علیہ السلام پر واضح ہو گیا، کہ ان سے اجتہادی خطا ہو گئی ہے، اگرچہ یہ جرم کے کسی خانے میں نہیں۔۔مگر۔۔جن کا رتبہ ہے سوا ان کو سوا مشکل ہے۔حضرت نوح نے تواضع وانکسار کے طور پر اس کو اپنی ایک تقصیر تصور فرمایا۔۔چنانچہ۔۔ان کی روحِ سعادت نے انہیں توبہ واستغفار کی طرف مائل کر دیا۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے۔۔۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ

عرض کیا، "اے میرے پروردگار بے شک میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے، کہ تجھ سے مانگوں جس کی مجھ کو تحقیق نہیں۔

وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر تو نہ بخش دے مجھ کو، اور رحم نہ فرمائے مجھ پر، تو میں ٹوٹے میں پڑنے والوں سے ہو جاؤں گا"●

(عرض کیا اے میرے پروردگار، بے شک میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے، کہ تجھ سے مانگوں جس کی مجھ کو تحقیق نہیں) یعنی بلاتحقیق سوال کر لینے کو جائز رکھنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔اور تیری مغفرت ورحمت کا طلب گار ہوں۔ مجھے علم ہے(اور) بخوبی معلوم ہے، کہ (اگر تو نہ بخش دے مجھ کو) میری تقصیر کو، (اور رحم نہ فرمائے مجھ پر)، اور میرے حال پر، (تو میں ٹوٹے) اور خسارے (میں پڑنے والوں سے ہو جاؤں گا) اور زبردست نقصان کا شکار ہو جاؤں گا۔

اس نیازمندانہ عرض کے بعد، رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام سے۔۔۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ

فرمایا گیا" اے نوح اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ، تم پر بھی اور ان لوگوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں۔

وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٨﴾

اور کچھ لوگ ہیں جنہیں ہم برتنے کا وقت دیں گے، پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دکھ دینے والا عذاب"●

(فرمایا گیا) کہ (اے نوح اترو) کشتی سے (ہماری طرف سے سلامتی) یعنی سلام وتحیت۔۔یا ۔۔ہماری درگاہ سے حاصل شدہ سلامتی (اور برکتوں کے ساتھ، تم پر بھی) یعنی تیری نسل پر بھی۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے تین بیٹوں کے سوا کوئی باقی نہ رہا اور اہل عالم کا نسب انہیں تین آدمیوں کی طرف تمام ہوتا ہے۔ سام تو عرب اور فرس کے باپ ہیں اور یافث ترک کے اور حام ہندوستان کے باپ ہیں۔

(اور ان لوگوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں) یعنی وہ لوگ جو پیدا ہونے والے اور بڑھنے والے ہیں، اُس جماعت سے جو تیرے ساتھ ہیں۔ یعنی مومن لوگ۔ ان لوگوں کے علاوہ (اور) بھی (کچھ لوگ ہیں جنہیں ہم برتنے کا وقت دیں گے) یعنی دُنیا میں عیش وعشرت کی فراخی و وسعت، مگر یہ بات دُنیا کی حد تک ہی رہے گی، (پھر پہنچے گا انہیں) ان کے کفر وشرک ونفاق کی وجہ سے آخرت میں (ہماری طرف سے دُکھ دینے والا عذاب) جو لازوال ہوگا۔۔الختصر۔۔ایمان والے سلامتی وبرکت کے سایے میں رہیں گے اور کفر والے عذاب ورسوائی کا شکار ہوں گے۔۔اے محبوب! یہ قصہ جو مذکور ہوا۔۔۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ

یہ غیب کی خبریں جو وحی فرماتے ہیں ہم تم تک، نہ تم ہی جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم

مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾

اس سے پہلے۔ تو صبر اختیار کرو۔ بیشک انجام کار ڈرنے والوں کیلئے ہے●

(یہ غیب کی خبریں) ہیں۔ جہاں تک بذاتِ خود کسی کی عقل وحواس کی رسائی ممکن نہیں، اور (جو) بذریعہ (وحی) نازل (فرماتے ہیں ہم تم تک)، کیونکہ (نہ تم ہی جانتے تھے اور نہ) ہی (تمہاری قوم اس سے پہلے)، یعنی ہمارے بذریعہ وحی خبر دینے سے پہلے۔ ایسے واقعات جن کا علم بغیر وحی ہو ہی نہ سکے، ان کو قوم کے سامنے صاف صاف بیان کر دینا، یہ آپ کی نبوت کی واضح دلیل ہے۔ (تو) اے محبوب! تبلیغ رسالت پر قوم کے ایذا دینے پر (صبر اختیار کرو) جیسے نوح علیہ السلام نے صبر کیا تھا۔ (بے شک) اچھا (انجام کار ڈرنے والوں کے لیے ہے) دُنیا میں دشمنوں پر فتح وظفر حاصل ہونے سے اور آخرت میں بلند درجوں کی وجہ سے۔

کسی عارف نے خوب فرمایا، کہ صبر کنجی ہے بستگیوں کی اور شکیبائی دوا ہے خستگیوں کی۔
صبر کا نتیجہ فتح وظفر ہے اور بے صبروں کا کام ہر روز تبر ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

اور قوم عاد کی طرف ان کی برادری کے ہود کو۔ پکارا کہ "اے میری قوم، پوجو اللہ کو، کوئی تمہارا معبود نہیں اس کے سوا۔

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

تم لوگ صرف گڑھنت والے ہو●

اس سورت میں انبیاءِ سابقین علیہم السلام کے جو قصص ذکر کیے گئے ہیں ان میں یہ دوسرا قصہ ہے، جو حضرت ہود علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

(اور) ہم نے بھیجا (قوم عاد کی طرف) ان کی ہدایت کے لیے (ان کی برادری کے ہود کو)۔

حضرت ہود نہ ان کے دینی بھائی تھے اور نہ ہی نسبی۔۔ہاں۔۔ان کے قبیلے اور برادری کے ایک فرد تھے۔ ان کا قبیلہ عرب کا ایک قبیلہ تھا اور وہ لوگ یمن کی جانب رہتے تھے۔ اسی طرح آیت ۶۱ میں فرمایا ہے، کہ قوم ثمود کی طرف ان کے قبیلے کے ایک فرد حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اِس طرزِ کلام سے مکہ والوں پر یہ حجت قائم کرنا مقصود ہے، کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو نبی اور رسول بنانا بہت مستبعد سمجھتے تھے، کیونکہ آپ انہیں کے قبیلے کے ایک فرد تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا اس میں حیرت اور تعجب کی بات کیا ہے، حضرت ہود علیہ السلام عاد کے قبیلے کے ایک فرد تھے اور ان کو نبی بنایا گیا۔۔یونہی۔۔حضرت صالح علیہ السلام ثمود کے قبیلے کے ایک فرد تھے اور انہیں بھی نبی بنایا گیا، جن کا قصہ آگے آرہا ہے۔تو سیدنا محمد ﷺ تمہارے قبیلے کے ایک فرد ہیں اور ان کو بھی نبی بنایا گیا ہے، تو یہ کون سی نئی بات ہے جس پر حیرت کا اظہار کیا جائے۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ کبریائی سے حضرت ہود علیہ السلام کو قومِ عاد کا اور حضرت صالح علیہ السلام کو قومِ ثمود کا بھائی فرمایا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ ہم بھی انبیاءِ کرام کو اپنا بھائی کہیں۔۔یا۔۔اگر کہیں ہمارے نبی ﷺ نے تواضعاً خود کو صحابہ کا بھائی قرار دیا ہے، یہ اس کو مستلزم نہیں، کہ ہم بھی نبی ﷺ کو کہیں کہ ہمارے بھائی ہیں۔

اس لیے کہ قرآن کریم کی کسی آیت میں یا کسی بھی حدیث صحیح میں یہ تصریح نہیں ملتی، کہ کسی صالح امتی نے اپنے نبی علیہ السلام کو اپنا بھائی کہا ہے اور جب یہ چیز ہرگز ثابت نہیں، تو پھر امتی کے لیے اپنے نبی کو اپنا بھائی کہنا بھی ثابت نہیں۔غالباً اسی لیے 'عقائدِ علمائے دیوبند' (صفحہ ۲۸، مطبوعہ: مطبع سعیدی، کراچی) میں شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ نے صاف لفظوں میں لکھ دیا ہے، کہ 'جو اس کا قائل ہو، کہ نبی کریم ﷺ کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے، جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے، تو اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے، کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔۔اِلیٰ قولہٖ۔۔حضرت محمد ﷺ کا افضل البشر اور تمام مخلوقات سے اشرف اور جمیع پیغمبروں کا سردار اور سارے نبیوں کا امام ہونا ایسا قطعی امر ہے، جس میں ادنیٰ مسلمان بھی تردد نہیں کرسکتا'۔۔الحاصل۔۔حضرت ہود اپنی برادری اور اپنے ہم قوم کی طرف ان کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے، تو آپ نے ان کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔۔اور۔۔

(پکارا، کہ اے میری قوم! پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) یگانگی کے ساتھ، یعنی صرف اُسی کو پوجو اور اس کے سوا کسی کو بھی نہ پوجو، کیونکہ (کوئی تمہارا معبود نہیں) جو مستحق عبادت ہو (اس کے سوا)۔سو تم اس کے واسطے شریک ثابت کرتے ہو، یہ سب تمہارا افتراء ہے اور تمہاری من مانی حرکت ہے، اور (تم لوگ صرف گڑھنت والے ہو) جو چاہتے ہو دل سے گڑھ لیتے ہو۔

اس مقام پر حضرت ہود نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور ثبوت پر دلائل قائم کیے بغیر، اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دے دی۔اس کی وجہ صاف ظاہر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے

وجود پر دلائل بالکل ظاہر ہیں اور یہ دلائل اس خارجی کائنات میں بھی پھیلے ہوئے ہیں اور خود انسان کے اپنے اندر بھی موجود ہیں۔

کچھ لوگ اس کائنات کے نظم اور تسلسل کو دیکھ کر اور اس میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے جسم کے اعضاء کی منظم کارکردگی کو دیکھ کر اس کی قدرت پر ایمان لاتے ہیں، اور کچھ لوگ اس کی صفات اور اس کے ثمرات سے اس کو پہچان لیتے ہیں۔

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کے فضل اور احسان اور اس کے جود وعطا سے پہچان لیتے ہیں۔ بعض لوگ اس کے عفو، اس کے حلم، اور اس کے درگزر کرنے سے اس کو پہچان لیتے ہیں۔ بعض لوگ اس کی گرفت اور اس کے انتقام سے اس کو پہچان لیتے ہیں۔ اور بعض لوگ مشکلوں اور مصیبتوں میں اس کی فریادرسی سے اور اپنی ضرورتوں میں اس کی حاجت روائی سے اور اپنی دعاؤں کے قبول ہونے سے اس کو پہچان لیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس دُنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہوں۔ حضرات انبیاءِ کرام ان کو بت پرستی سے روکتے تھے۔ کافروں نے نیک لوگوں کے مجسمے بنا لیے تھے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے، کہ ان کی پرستش کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا، اور ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں بتایا، کہ یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے۔ یہ مجسمے اور مورتیاں جمادات ہیں، ان میں حس ہے نہ قوتِ ادراک، پھر یہ کس طرح درست ہوگا، کہ تم اپنی پیشانی اپنی ہی بنائی ہوئی مورتیوں کے آگے جھکاؤ۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اس مقام پر یہ بھی واضح فرمادیا، کہ اے میری قوم تم ہرگز یہ گمان مت کرو، کہ ہمارا تبلیغ رسالت اور دعوتِ وہدایت کا کام کسی دُنیوی لالچ کی وجہ سے ہے اور ہم اس کام کے لیے تم سے کسی اجرت کے خواستگار ہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ ہمارا کام کسی بھی دُنیوی طمع سے خالی ہے۔ خیال رہے، کہ تمام رسولوں نے اپنی قوم کو اپنی بے طمعی کی خبر دی ہے، تا کہ ان کے دامن پر دُنیاوی حرص وطمع کا داغ نہ لگے اور دُنیوی غرضوں کی آمیزش ان کی نصیحتوں میں نہ ہو۔ اس واسطے کہ دعوت اس وقت فائدہ دیتی ہے، جب طمع فاسد کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہو، تو پیغمبروں نے دعوت کی اجرت اپنی قوم سے نہیں چاہی، جیسا کہ ہود علیہ السلام نے فرمایا۔۔۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ

اے میری قوم میں کچھ نہیں مانگتا تم سے اس پر اجر۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اس پر جس نے مجھ کو پیدا فرمایا۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

تو کیوں بے عقلی کرتے ہو●

(اے میری قوم! میں کچھ نہیں مانگتا تم سے اس پر اجر، نہیں ہے میرا اجر مگر اس) کے ذمہ کرم (پر جس نے مجھ کو) محض اپنی قدرت سے (پیدا فرمایا، تو) اصل حقیقت کو سمجھنے میں (کیوں بے عقلی کرتے ہو) اور کیوں اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے ہو، کہ حق کہنے والے کو باطل کہنے والے سے ممتاز کرلو اور حق و باطل کی تمیز کرلو اور جان لو، کہ جو شخص مال کی طمع نہ کرے گا، وہ جھوٹ کیوں بولے گا۔

قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کی، اور حق تعالیٰ نے ان کی شامت سے تین برس پانی نہ برسایا، اور ان کے مردوں میں اولاد کی صلاحیت ختم کردی۔۔ نیز۔۔ ان کی عورتوں کو بانجھ کردیا، اور چونکہ وہ لوگ زراعت والے تھے اور لوگ ان کے دشمن بھی تھے، تو زراعت کے واسطے بارش کے، اور دشمنوں کو دفع کرنے کے لیے اولاد کے محتاج ہوئے، تو ہود علیہ السلام نے فرمایا۔۔۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ

اور اے میری قوم معافی مانگو اپنے پروردگار سے، پھر جھک پڑو اسکی طرف، وہ بھیجے گا آسمان کی بلندی سے تم پر

مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

برسنے والا، اور تمہاری قوت کو مزید قوت دے گا، اور نہ پلٹو مجرم ہوکر"●

(اور) ان کو ہدایت فرمائی، کہ (اے میری قوم! معافی مانگو اپنے پروردگار سے) اور بخشش چاہو اس سے۔ (پھر) دل سے سچی اور کھری توبہ کرو اور (جھک پڑو اس کی طرف)، یعنی اس کے غیر کی پرستش سے اعراض کرو، اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو اس کا فضل و کرم تمہاری طرف متوجہ ہوگا، اور (وہ بھیجے گا آسمان کی بلندی سے تم پر) یعنی تمہارے کھیتوں پر (برسنے والا) موسلا دھار بادل (اور تمہاری قوت کو مزید قوت دے گا) یعنی تمہیں بیٹے عنایت فرمائے گا، کہ ان کی مدد سے دشمنوں کو دفع کرنے پر قادر ہوسکو۔ بس میری بات سنو (اور) نہ پھرو مجھ سے اور منہ نہ پھیرو

پیغام الٰہی سے ۔۔الحاصل ۔۔(نہ پلٹو مجرم ہوکر) اور گناہوں پر اصرار کرنے سے باز آجاؤ۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ

سب بولے "کہ اے ہود تم نہیں لائے ہمارے پاس روشن دلیل، اور ہم اپنے بتوں کو تمہارے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں،

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور نہ ہم تم کو مانیں●

(سب بولے کہ اے ہود تم نہیں لائے ہمارے پاس روشن دلیل) جو دلالت کرے تیرے دعوے کی صحت پر۔ حالانکہ حضرت ہود نے انہیں معجزے دکھائے، لیکن وہ لوگ از راہِ عناد ان معجزوں کو شمار میں نہ لائے اور انکار کرکے بولے، کہ اے ہود سن لو (اور) ذہن نشین رکھو! کہ (ہم اپنے بتوں کو) صرف (تمہارے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں اور نہ) ہی (ہم تم کو مانیں) گے۔ یعنی جس توحید پر ایمان لانے اور بت پرستی کے ترک کرنے کی ہمیں دعوت دیتے ہو، ہم ہرگز ایسا نہیں کرنے والے ہیں۔ گویا انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو صاف جواب دے دیا، کہ ہم سے اپنی دعوت کی اجابت اور اپنی تصدیق کی امید نہ رکھو، اور اے ہود!۔۔۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

ہم نہیں کہتے، مگر یہ کہ بری جھپٹ ماری ہے تم کو ہمارے کسی معبود نے"۔ جواب دیا" کہ میرا اللہ گواہ ہے

وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور تم لوگ بھی گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں، جس کو تم لوگ شریک بناتے ہو●

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

اللہ کو چھوڑ کر، تو تم سب مل کر مجھ پر چوٹ کرو، پھر کچھ بھی مہلت نہ دو●

(ہم نہیں کہتے، مگر یہ کہ بری جھپٹ ماری ہے تم کو ہمارے کسی معبود نے) جبھی تم مجنونانہ باتیں کرتے ہو اور پاگلوں کی طرح لایعنی باتیں بولتے ہو۔ دراصل یہ تمہاری سزا ہے اس غلطی کی، کہ تم ہمارے معبودوں کی پرستش سے روکتے ہو اور ان سے دشمنی رکھتے ہو، اسی لیے ہم تو بس یہی کہتے ہیں، کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو مجنون بنادیا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے (جواب دیا کہ میرا اللہ)

تعالیٰ (گواہ ہے اور تم لوگ بھی گواہ رہو، کہ میں بیزار ہوں جس کو تم لوگ شریک بناتے ہو) (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) یعنی اس کی عبادت میں اوروں کو شریک کرتے ہو۔

یہ ارشاد فرما کر آپ نے ان کے بتوں کی معبودیت کی نفی فرمادی۔ اب رہ گئی دوسری بات، یعنی ان بتوں کا حضرت ہود علیہ السلام کو ضرر پہنچانا، تو اس کے جواب میں حضرت ہود علیہ السلام کے ارشاد کا حاصل یہ ہے، کہ اے کافرو! تم کہتے ہو، کہ جو بھی تمہارے معبودوں کی مذمت کرے اور ان کی پرستش سے روکے، تو تمہارے بت اُسے ضرر پہنچاتے ہیں۔ تمہارے اس قول سے برأت کا اظہار کر کے تمہیں چیلنج کرتا ہوں، کہ تم خود اور تمہارے تمام معبود مل کر مجھے نقصان پہنچانے کے لیے اپنی تمام تدبیریں بروئے کار لاؤ۔

(**تو تم سب مل کر مجھ پر چوٹ کرو پھر کچھ بھی مہلت نہ دو**) اور جو کچھ میرے ساتھ کرنے کا قصد رکھتے ہو، کر گزرو، میں کچھ خوف نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حمایت فرمانے والا ہے۔ تمہارے ضرر پہنچانے سے مجھے کچھ اندیشہ نہیں، کیونکہ۔۔۔

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ

میں نے بھروسہ کرلیا اللہ پر، میرا پروردگار اور تم سب کا پالنہار۔ کوئی چلنے والا نہیں مگر وہ پکڑے ہے اس کی چوٹی۔

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ملتا ہے●

(**میں نے بھروسہ کرلیا**) ہے (اللہ) تعالیٰ (پر) جو (**میرا پروردگار اور تم سب کا پالنہار**) ہے ۔۔ چنانچہ ۔۔ اپنا کام میں نے اُسی پر چھوڑا۔

یہ چیلنج بھی حضرت ہود علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا، کہ ظالموں اور شوکت وقوت والوں کے مقابلہ میں جو ان کے خون کے پیاسے تھے ایسا مبالغہ کیا، کہ تم سب جمع ہو اور متفق ہو کر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرو، اور وہ لوگ اُس شدت وقہر اور اختیار واقتدار کے باوجود انہیں ذرا سا بھی ضرر نہ پہنچا سکے اور عاجز رہے۔ اور چونکہ حضرت ہود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کرم پر کامل اعتماد رکھتے تھے، تو **اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ** ۔۔ الخ کہہ کر اسی اعتماد کا اظہار فرمادیا، اور صاف لفظوں میں یہ واضح فرمادیا، کہ۔۔۔

(**کوئی چلنے والا نہیں مگر وہ پکڑے ہے اس کی چوٹی**) یعنی اس کا مالک ہے اور اس پر قادر و

غالب ہے۔ پیشانی کے بال پکڑنا مالکیت اور قدرت وتصرف کی تمثیل ہے۔ (بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ملتا ہے)، یعنی حق وعدل کی راہ پر۔ تو جو کوئی اس پر توکل کرتا ہے اُسے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے اور اُسے خراب نہیں ہونے دیتا۔ صراطِ مستقیم وہی ہے جو حق کی طرف تمام ہو، اس کے غیر کی طرف نہیں۔۔ الختصر۔۔ سیدھا راستہ وہی ہے جو خدا تک پہنچا دے۔

ذہن نشین رہے، کہ ذاتِ الٰہی تاثیر قبول کرنے والی سب چیزوں میں موثرِ حقیقی ہے، تو وہ ذات تربیت کے حکم سے ہر ایک کی قابلیتوں کے موافق اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تو ہر چلنے والے کی چوٹی کو اپنے دستِ قدرت میں رکھنے کا راز یہی ہے۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں۔۔۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖۤ اِلَيۡكُمۡ‌ؕ وَيَسۡتَخۡلِفُ رَبِّىۡ قَوۡمًا

پس اگر تم نے بے رخی کی، تو میں نے تو پہنچا دیا تم کو جسکے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں تمہاری طرف، اور تمہاری جگہ لائیگا میرا پروردگار تمہارے سوا دوسروں کو،

غَيۡرَكُمۡ ۚ وَلَا تَضُرُّوۡنَهٗ شَيۡـئًا‌ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ﴿۵۷﴾

اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ۔ بے شک میرا پروردگار ہر ایک کا نگہبان ہے"●

(پس اگر تم نے بے رخی کی) اور مسلسل انکار پر ثابت رہے، (تو) میں بارگاہِ خداوندی میں اس کے لیے جواب دہ نہیں۔ اس لیے کہ (میں نے تو پہنچا دیا تم کو جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں تمہاری طرف)۔۔ الغرض۔۔ میں نے اپنا فریضۂ نبوت ادا کر دیا ہے۔ پیغامِ الٰہی تم تک پہنچانا میری ذمہ داری تھی، بفضلہٖ تعالیٰ جسے میں نے بحسن وخوبی ادا کر دیا۔ اب رہ گیا اس کو قبول کرنا اور اُسے تسلیم کرنا، یہ تم پر فرض ہے۔

اب اگر تم نے اسے قبول نہیں کیا، تو یہ نہ سمجھنا دینِ حق کا کام رک جائے گا اور کلمۃ الحق کو سربلندی حاصل نہ ہوگی۔ اس لیے کہ اس صورت میں رب کریم دین کی سربلندی کے لیے انتظام فرمائے گا (اور تمہاری جگہ لائے گا میرا پروردگار تمہارے سوا دوسروں کو) اور پھر ان سے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرائے گا اور تم اس سعادت سے محروم رہو گے۔

اس حقیقت سے ظاہر (اور) واضح ہو گیا کہ (تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا) یعنی حق تعالیٰ کا (کچھ) مجھ سے منہ پھیرنے اور دعوتِ حق نہ قبول کرنے کے سبب سے۔۔ کیونکہ۔۔ (بے شک میرا پروردگار ہر

ایک کانگہبان ہے)۔ سب کے افعال واقوال اور احوال کو نگاہ میں رکھتا ہے اور ان کی جزائیں دینا اس سے فوت نہیں ہوتا۔ ایسے علیم وخبیر اور قادرِ مطلق کا تمہاری خفیف الحرکاتیاں کیا بگاڑ سکیں گی۔

جب قوم ہود کے کافروں نے اس بات سے نصیحت نہ مانی، تو ان پر عذاب نازل ہونے کا حکم الٰہی صادر ہوا۔۔۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

اور جب آپہنچا ہمارا فرمانِ عذاب، تو بچالیا ہم نے ہود کو اور جو ایمان لا چکے تھے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے،

وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾

اور بچالیا ہم نے انہیں گاڑھے عذاب سے ●

(اور جب آپہنچا ہمارا فرمانِ عذاب، تو بچالیا ہم نے ہود کو اور) ان چار ہزار آدمیوں کو (جو ایمان لا چکے تھے ان کے ساتھ)، یعنی ان سب کو ہم نے عذاب سے نجات دی (اپنی رحمت سے)۔ یعنی یہ نجات ہمارے فضل کے سبب سے تھی، ان کے عمل کے باعث نہیں۔۔ الغرض۔۔ اپنے فضل (اور) اپنی رحمت سے (بچالیا ہم نے انہیں گاڑھے عذاب سے) اور وہ دوزخ کی ہوا تھی، کہ ان کے نتھنوں میں چلی گئی اور پاخانے کے مقام سے نکلی، اور ان کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

یہ ہیں عاد۔۔۔ جنھوں نے انکار کردیا اپنے پروردگار کی آیتوں کا، اور نافرمانی کی اسکے رسولوں کی،

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾

اور چلے ہر سرکش ہٹ دھرم کی چال ●

(یہ ہیں عاد) یعنی دیارِ احقاف میں جو اثر دیکھتے ہیں، یہ قبیلہ عاد کے آثار میں سے ہے (جنھوں نے انکار کردیا اپنے پروردگار کی آیتوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی)۔ ذہن نشین رہے کہ ایک پیغمبر کی نافرمانی سب پیغمبروں کی نافرمانی کو مستلزم ہے۔ (اور چلے ہر سرکش ہٹ دھرم کی چال) یعنی گنہگار ہوگئے اس شخص کے باب میں جو انہیں حق کی طرف بلاتا تھا اور مطیع ہوگئے اس کے، جس نے انہیں کفر اور ضلالت کی جانب بلایا۔

وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ

اوران کے پیچھے لگادی گئی اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن۔ خبردار! عاد نے کفر کیا اپنے پروردگار سے۔

اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۟۶۰

ہاں ہاں دور ہوں عاد، قوم ہود●

ان کی سرکشی (اور) نافرمانی کے سبب (ان کے پیچھے لگادی گئی اس دُنیا میں لعنت) جو انہیں ہلاکت کے بعد حاصل ہوئی، (اور قیامت کے دن) بھی ان کے پیچھے لعنت لگی ہے، وہاں بھی یہ رحمت الٰہی سے دؤر ہی رہیں گے۔ (خبردار)! آگاہ ہوجاؤ، کہ قوم (عاد نے کفر کیا اپنے پروردگار سے) اس لیے رحمتِ الٰہی سے دؤر رہے۔ (ہاں ہاں دؤر ہوں عاد، قوم ہود)، یعنی دوری ہے عاد کو یعنی ہلاکت نصیب ہو، اس لیے کہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔ دُنیا کا عذاب ہو۔۔یا۔۔آخرت، وہ دونوں ہی کے مستحق ہیں۔

'عاد، قوم ہود' فرما کر واضح کردیا گیا، کہ جو ہلاک ہوئے وہ پہلے عاد تھے جن پر حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اس عاد سے مراد 'عادارم' نہیں، اس لیے کہ عادارم کو دوسرے عاد کہتے ہیں، جو قوم ثمود کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ قوم ثمود کون؟ جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

اور ثمود کی طرف انکی برادری کے صالح کو۔۔۔ انھوں نے تعلیم دی "کہ اے میری قوم پوجو اللہ کو، تمہارا کوئی معبود نہیں اسکے سوا۔

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ

اسی نے تم کو مٹی سے بنایا، اوراس میں تم کو بسایا۔ تو اس سے مغفرت چاہو، پھراس کی طرف جھکو،

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۟۶۱

بے شک میرا پروردگار قریب ہے دعا قبول کرنے والا ہے"●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ ہم نے بھیجا (ثمود کی طرف ان کی برادری کے صالح کو)۔۔۔ (انہوں نے) بھی یہی (تعلیم دی، کہ اے میری قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) کیونکہ (تمہارا کوئی معبود) یعنی مستحق عبادت (نہیں اس کے سوا۔ اسی نے تم کو) یعنی تمہاری اصل آدم علیہ السلام کو جو تمہارے

باپ ہیں (مٹی سے بنایا)، اور نطفوں کے مواد جن سے نسل انسانی پیدا ہوتی ہے، انہیں خاک سے پیدا کیا (اور) پھر (اس) مٹی کی زمین (میں تم کو بسایا)۔۔الغرض۔۔زندگی اور بقادی تمہیں زمین میں۔ قوم ثمود میں ہر ایک کی عمر تین سو برس سے ہزار برس تک کی تھی۔۔یا یہ۔۔کہ تمہیں عمارتِ زمین کی قدرت عطا فرمائی، کہ اس میں راحت و آرام کی جگہیں تم نے بنائیں اور نہریں کھودنے اور درخت سینچنے میں تم مشغول ہوئے۔

(تو) ایسے رب کریم، صاحبِ فضل عظیم کی بغاوت و نافرمانی سے باز آجاؤ اور (اس سے مغفرت چاہو) یعنی ایمان لاؤ، تاکہ وہ تمہیں بخش دے (پھر اس کی طرف) عبادت کے لیے (جھکو) غیر کی پرستش چھوڑ کر۔ رب کی رحمت سے مایوس مت ہو، (بے شک میرا پروردگار) رحمت کے امید واروں کے (قریب ہے) اپنی رحمتِ بے پایاں کے ساتھ اور مخلصانہ طور پر دعا مانگنے والوں کی (دُعا قبول کرنے والا ہے) اپنے فضل وکرم سے۔۔۔(سب لوگ بولے، کہ اَے صالح! تم تو ہم میں امید گاہ تھے اس سے پہلے)، یعنی ہم نے تم سے بہت اچھی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ تمہاری بزرگی اور متانت کے آثار تمہاری پیشانی سے ہم دیکھتے تھے قبل اس کے کہ تو نبوت کا دعویٰ کرے، اور ہم چاہتے تھے کہ تمہیں اپنا بادشاہ بنائیں۔۔یا۔۔اپنے کاموں میں تم سے مشورہ لیا کریں۔۔یا۔۔ہم یہ امید رکھتے تھے، کہ تم ہمارے دین پر متدین ہوگے۔ مگر اب تمہاری باتوں سے ہم نے تم سے وابستہ ساری امیدیں توڑ دیں۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ

سب لوگ بولے "کہ اے صالح تم تو ہم میں امیدگاہ تھے اس سے پہلے، کیا تم ہم کو روکتے ہو، کہ ہم پوجیں جس کو معبود مانا کیے ہمارے

اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾

باپ دادے، اور ہم تو تردد میں ہیں اس سے جدھر تم ہم کو بلاتے ہو شک میں پڑے ہوئے"●

اَے صالح! غور کرو (کیا تم ہم کو روکتے ہو، کہ ہم پوجیں جس کو معبود مانا کیے ہمارے باپ دادے)، یعنی ہمارے باپ دادے جس کو پوجتے رہے اس کو پوجنے سے تم ہم کو روکتے ہو؟ (ہم تو تردد میں ہیں اس سے جدھر تم ہم کو بلاتے ہو) یعنی توحید اور بتوں کی پوجا کو ترک کر دینا، یہ دونوں باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں، تو ان کے برحق اور درست ہونے میں ہمیں تردد ہے۔ اپنے باپ دادوں

کے متوارث عمل کو صرف تیرے کہنے سے باطل قرار دے کر چھوڑ دینا، یہ ہمارے نزدیک سمجھ داری کا کام نہیں۔۔الغرض۔۔ہم ایسے (شک میں پڑے ہوئے) ہیں جس سے ہمارے جی کو اضطراب، دل کو بے چینی اور عقل کو پریشانی ہے۔حضرت صالح نے اپنی قوم کو۔۔۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً

جواب دیا "کہ اے قوم بتاؤ تو، کہ میں تو روشن دلیل پر ہوں اپنے پروردگار کی طرف سے، اور آئی ہے میرے پاس اسکی طرف سے رحمت،

فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ﴿۶۳﴾

تو بچانے میں کون مدد کریگا میری اللہ سے، اگر کہیں میں نے نافرمانی کی اسکی۔۔ تو تم کچھ نہ بڑھا سکو گے مجھ میں بجز اپنے گھاٹے کے●

(جواب دیا، کہ اے قوم! بتاؤ تو، کہ میں تو روشن دلیل پر ہوں اپنے پروردگار کی طرف سے اور آئی ہے میرے پاس اس کی طرف سے رحمت) یعنی نبوت، تو میں جو کچھ پیش کر رہا ہوں اس کے حق و درست ہونے میں مجھے ذرّہ برابر شک و ریب نہیں۔اب اگر میں ایسے میں جان بوجھ کر خدا کی نافرمانی کروں اور اس کے احکام کی تبلیغ نہ کروں، (تو) ذرا بتاؤ، کہ (بچانے میں کون مدد کرے گا میری اللہ) تعالیٰ (سے، اگر) بالفرض (کہیں میں نے نافرمانی کی اس کی) تبلیغ احکام میں۔

پس میں تو تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے اپنے دین کی طرف، اور مجھ سے جھگڑا کرتے ہو۔(تو) اپنی ان حرکتوں سے (تم کچھ نہ بڑھا سکو گے مجھ میں بجز اپنے گھاٹے کے)۔یعنی اگر بالفرض میں تمہارا کہا مان لوں، تو اس سے نقصان و خسارہ کے سوا میرے ہاتھ کچھ لگنے والا نہیں۔ اور سوا زیاں کاری کی طرف نسبت دینے کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۔۔المختصر۔۔پورے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صالح نے کہا، اے میری قوم یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، تو اللہ کے مقابلے میں میری کون مدد کرے گا۔اگر میں اس کی نافرمانی کروں، تو تم میرے لیے سوا نقصان کے کس چیز میں زیادتی کر رہے ہو۔روایت ہے، کہ قوم ثمود نے بڑے جھگڑے کے بعد معجزہ طلب کیا، جیسا کہ سورۂ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے اور حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی، خدا کے حکم سے پتھر میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔صالح علیہ السلام نے دلیل پکڑی اور اونٹنی کے بارے میں نصیحت شروع فرمادی۔۔۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ

اور اے قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی، تو اس کو چھوٹا رکھو کہ کھائے اللہ کی زمین میں،

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾

اور اس کو مت چھونا برائی سے، کہ پکڑے تم کو نزدیک ہی عذاب"●

(اور) کہا (اے قوم یہ اللہ) تعالیٰ (کی) پیدا کی ہوئی (اونٹنی ہے تمہارے لیے) قدرتِ خداوندی کی (نشانی، تو اس کو چھوٹا رکھو کہ کھائے اللہ) تعالیٰ (کی زمین میں)، یعنی اس کی روزی تم پر نہیں ہے اور اس کا فائدہ تمہارے واسطے ہے، (اور اس کو مت چھونا برائی سے) یعنی اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا (کہ پکڑے تم کو نزدیک ہی عذاب)۔ یعنی وہ عذاب جو اس کو تکلیف دینے کے نتیجے میں ملے گا، تو گویا عذاب اس کو تکلیف پہنچانے کے قریب ہی ہے۔ اِدھر تکلیف پہنچائی اُدھر عذاب آیا۔ اس صورت میں تم عذاب کیے جاؤ گے اور مہلت نہ پاؤ گے۔ کافروں نے حضرت صالح کی نصیحت کا خیال نہیں کیا۔۔۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ

تو ان لوگوں نے کوچیں کاٹ دیں اسکی، تو کہا صالح نے "کہ رہ لو اپنے گھر میں تین دن،

ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

یہ وعدہ ہے، جھوٹ نہ ہوگا"●

(تو ان لوگوں نے کوچیں کاٹ دیں اس کی) یعنی ایڑی سے لے کر پاؤں کے پیٹھے تک، سب کاٹ ڈالے۔۔ الختصر۔۔ پیروں کے ٹکڑے کر دیے۔

اس کے تعلق سے مزید باتیں ان شاء اللہ سورۂ قمر میں بیان ہوں گی۔

اونٹنی کا پاؤں کاٹ ڈالنے کے بعد اس کا بچہ پہاڑ پر چڑھا اور تین۳ بار چلّایا۔ حضرت صالح علیہ السلام اس وقت قوم میں نہ تھے، جب آئے لوگوں نے یہ حال اُن سے بیان کیا (تو کہا صالح نے) عذابِ الٰہی کی خبر دیتے ہوئے (کہ رہ لو اپنے گھر میں تین دن) یعنی بدھ، جمعرات اور جمعہ اور ہفتہ کے دن تم پر عذاب آئے گا، (یہ وعدہ ہے) جو ہو کر رہے گا اور (جھوٹ نہ ہوگا)۔۔ چنانچہ۔۔ بدھ کے دن ان لوگوں کے چہرے زرد ہو گئے اور جمعرات کو سرخ اور جمعہ کو سیاہ اور ہفتہ کو عذاب نازل ہوا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

پس جب آ گیا ہمارا قہرمانی حکم، تو بچالیا ہم نے صالح کو، اور جو مان چکے تھے انکے ساتھ اپنی طرف سے رحمت کر کے،

وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾

اور اس دن کی رسوائی سے۔ بیشک تمہارا پروردگار قوی غالب ہے●

(پس جب آ گیا ہمارا قہرمانی حکم) ان پر عذاب کے واسطے، (تو بچالیا ہم نے صالح کو اور جو مان چکے تھے ان کے ساتھ اپنی طرف سے رحمت کر کے) یعنی اپنے فضل و کرم سے، نہ کہ ان کے عمل کے سبب۔۔الحاصل۔۔صرف اپنے فضل اور رحمت سے صالح علیہ السلام کو اور مومنوں کو اُس بَلا سے ہم نے نجات دی (اور اس دن کی رسوائی سے) انہیں ہم نے بچالیا۔

اگر اس دن سے مراد رُوزِ قیامت ہو، جس کا آنا اتنا ہی یقینی ہے جیسے موجودہ دن کی موجودگی یقینی ہے، تو اس صورت میں حاصل کلام یہ ہوگا۔

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح اور ان کے ماننے والوں کو دُنیا میں عذاب سے نجات دی اور قیامت میں انہیں رُسوائی سے بھی بچائے گا۔ (بے شک تمہارا پروردگار قوی) ہے، یعنی قوت والا ہے جسے مومنوں کی نجات پر پوری قدرت ہے، اور (غالب ہے) دُشمنوں پر، جب چاہے انہیں ہلاک کر دے۔۔الختصر۔۔خدائے عزوجل کا فرمانِ عذاب۔۔۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور دھر پکڑا ان کو جو اندھیر مچا چکے تھے ایک سخت چنگھاڑ نے، تو پڑے رہ گئے وہ اپنے گھروں میں، سکڑے گھٹنوں پر●

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۗ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع

گویا ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ یادرکھو کہ ثمود نے کفر کیا اپنے پروردگار سے، ہاں ہاں دور ہوں ثمود●

(اور) حکم قہرمانی آتے ہی (دھر پکڑا ان کو جو اندھیر مچا چکے تھے ایک سخت چنگھاڑ نے، تو پڑے رہ گئے وہ اپنے گھروں میں سکڑے گھٹنوں پر، گویا ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے)۔

اس کا مختصر قصہ یہ ہے، کہ جن لوگوں سے تین۳ دن جیتے رہنے کا وعدہ تھا، وہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے قبریں کھودا کیے اور عذاب کا انتظار کرتے رہے۔ جب چوتھے دن آفتاب نکلا اور عذاب نہ آیا، تو اپنے اپنے گھر سے باہر نکل کر ایک دوسرے کو بلانے لگا اور ٹھٹھا کرنے

لگا۔ ناگاہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی صورت پر ظاہر ہوئے۔ پاؤں زمین پر، سر بالائے آسمان، پر مشرق سے مغرب تک پھیلائے، پاؤں زرد، پر سبز، دانت سفید چمکتے ہوئے، پیشانی صاف نورانی، رخسارے سرخ، سر کے بال لال، جیسے مونگے کا رنگ۔

اس صورت سے ظاہر ہوکر افق کو چھالیا۔ جب قوم ثمود نے یہ حال دیکھا، تو اپنے گھروں میں جاکر قبروں میں گھس گئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے چیخ کر کہا، کہ مروتم، تم پر خدا کی لعنت۔ ایک ہی بار کی چیخ سے سب مرگئے، اوران کے گھروں میں زلزلہ پڑ گیا، اور چھتیں ان پر پھٹ پڑیں۔ بس وہ اپنے گھروں ہی میں سکڑے گھٹنوں کے بل زمین میں چپکے ہوئے مردے، گویا کہ ہرگز نہ تھے کبھی ان گھروں میں۔

ایک قول کے مطابق، حق تعالیٰ نے اس چیخ سے ان لوگوں کو ہلاک کیا، جو قوم ثمود میں سے مشرقوں، مغربوں، نرم زمینوں اور پہاڑوں میں تھے، مگر ایک شخص بچ رہا جس کا نام ابورغال تھا، جس کے بارے میں جب سرکارِ رسالت ﷺ سے پوچھا گیا، وہ کون تھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا، وہ قبیلۂ ثقیف کا باپ تھا۔

جان لو اور (یادرکھو) مذکورہ بالا واقعات شاہد ہیں، کہ (ثمود نے کفر کیا اپنے پروردگار سے) تو یہ رحمت خداوندی کے مستحق ہی نہیں رہ گئے۔ تو خبردار ہوجاؤ اور جان لو، کہ یہی مرضئ خداوندی ہے، کہ (ہاں ہاں دور ہوں ثمود) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، اپنے بُرے عقائد واعمال کی وجہ سے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ

اور بے شک لائے ہمارے کئی قاصد ابراہیم کے پاس خوش خبری، پہلے کہا سلام۔ جواب دیا سلام،

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾

پھر کچھ ٹھہرے نہیں، کہ لے آئے ایک بچھڑا بھنا ہوا●

انبیاءِ کرام کے واقعات (اور) ان کی قوموں کے حالات کے سلسلے میں، یہ بھی ایک اہم واقعہ ہے، کہ (بے شک لائے ہمارے کئی قاصد ابراہیم کے پاس خوش خبری)۔

یہ قاصد فرشتے تھے جو باختلاف روایات گیارہ[۱۱]۔۔یا۔۔بارہ[۱۲]۔۔یا۔۔سات[۷]۔۔یا۔۔آٹھ[۸] تھے، اور ایک قول کے مطابق تین[۳] فرشتے، یعنی جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے، جو سادہ رُو اور خوبصورت نوجوانوں کی صورت میں آئے۔ خوش خبری کس بات کی لائے؟

اس میں چند احتمالات ہیں: ﴿۱﴾۔فرزند پیدا ہونے کی، ﴿۲﴾۔قوم لوط علیہ السلام کی ہلاکت کی، ﴿۳﴾۔حضرت ابراہیم کے ہمیشہ مقام خلت پر فائز رہنے کی اور کبھی بھی خلت کے منقطع نہ ہونے کی، ﴿۴﴾۔آپ علیہ السلام کی صلب سے سرورِ کائنات کے ظہور کی، اس طرح پر کہ وہ خاتم انبیاء صاحب لواءِ حمد ہیں، اور اس بشارت سے بڑھ کر اور کیا بشارت ہو سکتی ہے، کہ باپ کا بیٹا ایسا ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام قوم لوط کو ہلاک کرنے آئے تھے اور اسرافیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر بیٹا ہونے کی خوشخبری لے کر آئے تھے، اور میکائیل علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے لوگوں کی محافظت کے واسطے اور انہیں مؤتفکات سے نکالنے کو آئے تھے۔ القصہ ملائکہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس آئے۔۔۔

تو (**پہلے کہا سلام**) یعنی سلام کرتے ہیں آپ پر سلام کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (**جواب دیا سلام**) یعنی تمہارے سلام کا جواب میری طرف سے بھی یہی، کہ تم پر ہے سلام۔ *الختصر*۔ حضرت ابراہیم نے فرشتوں کے سلام کا جواب سلام سے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ بہت زبردست مہمان نواز تھے، اس لیے انہوں نے مہمان نوازی میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی، اور (**پھر کچھ ٹھہرے نہیں**) یعنی کچھ دیر نہ کی یہاں تک (**کہ لے آئے**) ان کے سامنے دسترخوان بچھا کر (**ایک بچھڑا بھنا ہوا**) اور ان کو کھانا کھانے کو بلایا، لیکن انہوں نے کھانے پر ہاتھ نہ بڑھایا۔۔۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ

پھر جب دیکھا انکے ہاتھوں کو کہ نہیں پہنچتا اس تک، تو بیگانہ جانا انکو، اور دل ہی دل میں انکی طرف سے پڑ گیا ڈر۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝

سب نے کہا کہ ڈریئے نہیں، ہم بھیجے گئے ہیں قوم لوط کی طرف●

(**پھر جب دیکھا**) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (**ان کے ہاتھوں کو، کہ نہیں پہنچتا اس**) بھنے بچھڑے (**تک**)، یعنی انہوں نے ملاحظہ فرمایا، کہ وہ لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے (**تو بیگانہ جانا ان کو**)، یعنی انہیں پہچان نہ سکے (**اور دل ہی دل میں ان کی طرف سے پڑ گیا ڈر**)۔

خوف کی وجہ یہ ہے، کہ اس زمانے میں جو کوئی شخص کسی کے ساتھ برائی کا قصد رکھتا تھا، تو اس شخص کا کھانا نہ کھاتا تھا۔ تو جب انہوں نے دیکھا، کہ ان لوگوں نے کھانا نہیں کھایا، تو وہ

سوچنے لگے، کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ چور ہوں، جو مجھے ضرر پہنچانا چاہتے ہوں۔
جب فرشتوں نے ان کا خوف دریافت کرلیا، تو (سب نے کہا کہ ڈریئے نہیں، ہم) فرشتے ہیں، جو (بھیجے گئے ہیں قوم لوط کی طرف)، کہ ان پر عذاب کریں۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

اوران کی بی بی کھڑی ہنس پڑیں، تو خوش خبری دی ہم نے ان کو اسحٰق کی، اور اسحٰق کے بعد یعقوب ●

اس گفتگو (اور) بات چیت کو (ان کی) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی (بی بی) حضرت سارہ بنتِ ہارون پردے کی آڑ میں (کھڑی) سن رہی تھیں۔ یہ سن کر وہ (ہنس پڑیں) خوشی کے مارے۔

انہیں حضرت ابراہیم کے خوف زائل ہونے کی خوشی ہوئی۔۔یا۔۔مفسدوں کو ہلاک کرنے کی خبر سن کر خوشی حاصل ہوئی۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق ان کی خوشی تعجب سے تھی۔ دراصل انہیں تعجب یہ ہوا کہ قوم لوط غافل ہے اور ان پر عذاب آیا چاہتا ہے۔۔یا۔۔آدمی کی صورت میں فرشتوں کے آنے سے تعجب ہوا۔۔یا۔۔اس پر ہنسیں کہ اس قدر خدم وحشم موجود ہوتے ہوئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین شخصوں سے خوف لاحق ہوگیا۔

۔۔الختصر۔۔جب حضرت سارہ ہنسیں (تو خوش خبری دی) ملائکہ کی زبانی (ہم نے ان کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب) کی۔

چونکہ عورتوں کو لڑکا پیدا ہونے کی بڑی خوشی ہوتی ہے۔۔نیز۔۔دوسری بات یہ ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضرت ہاجرہ سے ایک فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، جبکہ حضرت سارہ کے کوئی فرزند نہ تھا، ان وجوہ کی بنا پر انہیں خاص طور پر فرزند کی بشارت دی گئی۔ پس جب انہوں نے فرزند کی بشارت سنی، تو ازراہِ تعجب۔۔۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾

وہ بولیں "کہ ہائے مصیبت، کیا میں جنوں گی، حالانکہ میں بڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں۔ بیشک یہ تو انوکھی چیز ہے" ●

۔ (وہ بولیں کہ ہائے مصیبت! کیا میں جنوں گی، حالانکہ میں بڑھی ہوں) ننانوے[۹۹] برس کی، (اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں) ایک سو بیس[۱۲۰] برس کے۔۔یا۔۔ایک سو بارہ[۱۱۲] برس کے۔ (بے شک یہ) خبر جو کہتے ہو، یہ (تو انوکھی چیز ہے)۔ ان کا یہ استعجاب عادت کی راہ سے تھا، قدرت کی وجہ سے

نہیں۔ یہ سن کران سے۔۔۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ

ان سب نے کہا، کہ کیاتم کواچنبھا ہے اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی رحمت اوراس کی برکتیں تم پر ہیں اے اس گھر والو۔

اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

بیشک وہ اللہ خوبیوں والاعظمت والا ہے●

(ان سب) خوش خبری سنانے والے فرشتوں **(نے کہا، کہ کیاتم کواچنبھا ہے اللہ)** تعالیٰ **(کے حکم سے)**، اگروہ اپنی صنعتِ بے آلت اور فضلِ بے علت سے دو بوڑھوں سے لڑکا پیدا فرمادے، اس میں حیرت کی بات کیا ہے؟۔ ذرا غورتو کرو، رب کریم کی تم پر کتنی عنایتیں ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ **(اللہ)** تعالیٰ **(کی رحمت اوراس کی برکتیں تم پر ہیں اے اس گھر والو!)** یعنی مخصوص بابرکت نبی کے گھر والو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا الرحمۃ والرضوان کا رشتۂ زوجیت کتنا بابرکت تھا، کہ اسباط اور سب انبیاءِ بنی اسرائیل حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ علیہم السلام سے پیدا ہوئے۔

(بے شک وہ اللہ) تعالیٰ **(خوبیوں والا)** ہے جس کی تعریف کی گئی ہے اور جو لائق حمد ہے نعمتیں عطا فرمانے پر اور **(عظمت والا ہے)** یعنی بزرگ ہے کرم ظاہر کرنے کے ساتھ۔۔ *الحختصر*۔۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہوگیا، کہ یہ آنے والے فرشتے ہیں، تو ان کے دل میں آنے والوں کے تعلق سے جو خوف پیدا ہوگیا تھا، وہ زائل ہوگیا۔۔۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾

پس جب دور ہوگیا ابراہیم سے خوف، اور آگئی ان تک خوش خبری، تو ہم سے سوال پر سوال کرنے لگے، قوم لوط کے بارے میں●

(پس جب دوُر ہوگیا ابراہیم سے خوف اور) مزید برآں **(آگئی ان تک خوشخبری)** اولاد پیدا ہونے کی، تو اپنی ساری توجہ اپنی نرم دلی اور فرطِ ترحم کی وجہ سے قوم لوط علیہ السلام کی نجات کی طرف لگادی، **(تو)** پھر **(ہم سے)** یعنی ہمارے فرستادہ فرشتوں سے **(سوال پر سوال کرنے لگے قوم لوط کے بارے میں)**۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت ابراہیم نے ملائکہ سے پوچھا کہ جس بستی میں سَو مومن ہوں کیاتم

اس بستی کو ہلاک کر دو گے۔ ملائکہ بولے نہیں۔ فرمایا اگر نوّے۹۰ مومن ہوں، وہ بولے کہ تب بھی ہم ہلاک نہ کریں گے، اسی طرح دس۱۰ دس۱۰ کم کرتے کرتے دس۱۰ کی نوبت پہنچی، پھر پانچ۵ کی، پھر ایک۱ کی، ملائکہ بولے، کہ جس بستی میں ایک بھی مومن ہوگا، ہمیں اس کے ہلاک کرنے کا حکم نہیں۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس مقام پر لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیاں ہیں، ملائکہ بولے ہم لوط علیہ السلام اور ان کے لوگوں کو ان میں سے باہر نکال لائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملائکہ کے ساتھ اس ساری گفتگو کا باعث، ان کا فرطِ ترحم تھا اور ان کی نرم دلی، اور انہوں نے امید کی کہ اُس قوم پر عذاب آنا رک جائے، شاید کہ وہ توبہ کریں اور برائیوں سے باز آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسا کیوں نہ سوچتے، اس لیے کہ۔۔۔

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ﴿۷۵﴾

بے شک ابراہیم ضرور بردبار، آہ و نالہ والے، اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں●

(بے شک ابراہیم ضرور بردبار) تحمل والے اور بدکاروں سے بدلہ لینے میں جلدی نہ کرنے والے، اور (آہ و نالہ والے) یعنی آدمیوں پر تاسف کرنے والے اور آہ کھینچنے والے۔۔نیز۔۔(اللہ) تعالیٰ (کی طرف رجوع کرنے والے ہیں)، اور صرف بارگاہِ الٰہی میں اپنے معروضات پیش کرنے والے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سن کر اور ان کی رحیم الفطرتی کو ملاحظہ کر کے، ملائکہ بولے۔۔۔

يٰٓإِبْرٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ إِنَّهُ قَدْ جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ

اے ابراہیم اس بات سے دور رہو۔ بیشک آ گیا تمہارے پروردگار کا حکم۔

وَإِنَّهُمْ اٰتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿۷۶﴾

اور بیشک ان پر عذاب آنے والا ہے جو واپس نہ ہو●

(اَے ابراہیم! اس بات سے دوُر رہو) اور سوال پر سوال کرنے نے جو بظاہر مجادلہ کی صورت اختیار کر لی، اس سے منھ پھیر لو اور درگزر رو، کیوں کہ **(بے شک آ گیا ہے تمہارے پروردگار کا حکم)** ان پر عذاب کرنے اور ان کو ہلاک کر دینے کو۔ **(اور بے شک ان پر عذاب آنے والا ہے جو واپس نہ ہو)** ۔۔الغرض۔۔ان پر عذاب آ کر ہی رہے گا، جو کسی بھی دُعا۔۔یا۔۔تکرار سے پھرنے والا نہیں۔

پھر فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رخصت کر کے موتفکات کی طرف یعنی ان بستیوں کی طرف جن کو اللہ تعالیٰ نے الٹ کر تباہ کر دیا، متوجہ ہوئے، اور وہ چار شہر تھے: ہر ایک میں لاکھ لاکھ آدمی تلوار چلانے میں ماہر تھے۔ جب فرشتے شہر سدوم کے قریب پہنچے جہاں لوط علیہ السلام رہتے تھے، تو نگاہ کی اور انہیں زمین میں کام کرتا ہوا دیکھا، پھر ان کے سامنے گئے اور سلام کیا۔

وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا

اور جب آ گئے ہمارے قاصد لوط کے پاس تو برا مانا انہیں، اور دل تنگ ہوئے ان سے بے حد،

وَّقَالَ هٰذَا يَوۡمٌ عَصِيۡبٌ

اور کہا کہ آج کا دن سخت ہے●

(اور جب آ گئے ہمارے قاصد لوط کے پاس تو برا مانا انہیں) اور ان کی وجہ سے اندوہگیں ہوئے (اور دل تنگ ہوئے ان سے بے حد)، کچھ ان کی مہمانداری کی کراہت سے نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ انہیں خوش رو اور خوبصورت دیکھ کر قوم کی برائی اور بیبا کی سے اندیشہ کیا، (اور کہا کہ آج کا دن بہت (سخت ہے) مجھ پر۔

روایت ہے، کہ حق تعالیٰ نے ملائکہ سے کہہ دیا تھا، کہ جب تک لوط علیہ السلام چار بار اپنی قوم کی بدی پر گواہی نہ دیں، قوم کو ہلاک نہ کرنا۔

لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو دیکھ کر یہ بات کہی، کیا تمہیں اس شہر کے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی اور جو کام یہ کرتے ہیں تم نے نہیں سنا۔ وہ بولے کیا حال ہے اور کیا کام وہ کرتے ہیں؟ حضرت لوط علیہ السلام کو شرم آئی، کہ ان کے کام کو زبان سے بیان کریں۔ بولے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام دُنیا کے لوگوں سے بدتر یہ قوم ہے، یعنی لونڈے بازیاں کرتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت میکائیل علیہ السلام سے اشارہ کیا، کہ یہ ایک بار گواہی ہوئی۔ پھر لوط علیہ السلام نے ان کے شہر کی راہ لی۔ جب شہر کے دروازے پر پہنچے، تو دوبارہ وہی بات کہی، جب شہر میں پہنچے، تو تیسری دفعہ وہی بات فرمائی، جب اپنے گھر پہنچے تو چوتھی مرتبہ پھر وہی کلمہ کہا۔۔ المختصر۔۔ چاروں بار گواہی ہو گئی۔

آگے کا مختصر قصہ یہ ہے، کہ بعضے لوگوں نے لوط علیہ السلام کے ان مہمانوں کو دیکھا اور اور

لوگوں کو خبر پہنچائی۔۔یا۔۔لوط علیہ السلام کی جورو جو کافرہ تھی، اس نے قوم کے بڑے آدمیوں کو خبر کردی، کہ خوبصورت جوان میرے گھر مہمان ہیں۔قوم کے لوگ لوط علیہ السلام کے دروازے کی طرف چلے۔۔۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ

اور آئی ان کے پاس ان کی قوم بھاگ دوڑ کرتی۔اور وہ پہلے ہی سے بدکاریاں کرتے تھے۔

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ

لوط نے کہا کہ "اے قوم، یہ میری لڑکیاں ہیں، وہ تمہارے لئے صاف ستھری ہیں، تو اللہ کو ڈرو۔اور مجھ کو میرے مہمانوں

فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿٧٨﴾

میں رسوا نہ کرو۔کیا تم میں کوئی اچھی چال کا نہیں ہے"●

(اور) المختصر (آئی ان کے پاس ان کی قوم بھاگ دوڑ کرتی، اور وہ پہلے ہی سے بدکاریاں کرتے تھے) یعنی لواطت، کبوتر بازی، محلوں میں سیٹی بجانا اور ٹھٹھے بازی کے لیے سرراہ بیٹھنا، یہ سب ان کی پرانی عادت تھی۔القصہ جب قوم کے چودھری لوط علیہ السلام کے دروازے پر آئے اور مہمانوں کو طلب کیا، تو ان سے (لوط نے کہا، کہ اے) میری (قوم، یہ میری لڑکیاں ہیں) ان کی خواہش کرو اور ان سے نکاح کرلو۔(وہ تمہارے لیے صاف ستھری ہیں)۔

ان کی شریعت میں مومنوں کا نکاح کافروں سے ہوسکتا تھا۔خود حضرت لوط علیہ السلام کی ایک جورو کافرہ تھی۔۔یا یہ۔۔کہ ان کے لیے نکاح ایمان کی شرط سے مشروط فرمادیا ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے کمال جواں مردی اور کرم اور حمیت سے اپنی بیٹیاں مہمانوں پر فدا کریں اور ان کو نکاح میں دینے کے لیے راضی ہوگئے۔ایک قول یہ ہے کہ بیٹیوں سے قوم کی عورتیں مراد ہیں، اس واسطے کہ نبی امت کا باپ ہے، تربیت اور مرحمت کی حیثیت سے۔ اب حاصل ارشاد ہوگا، کہ ان عورتوں کی خواہش کرو جو تمہارے واسطے حلال ہیں۔

(تو اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) اور بری باتوں کو ترک کردو (اور مجھ کو میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو) یعنی ان کے ساتھ ایسے ناشائستہ کردار کا مظاہرہ نہ کرو، جو خود میری شرمندگی اور پشیمانی کا باعث ہوجائے۔(کیا تم میں کوئی اچھی چال کا نہیں ہے) جو تمہیں نصیحت کرے اور برے کاموں سے تم کو باز رکھے۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾

سب بولے، کہ "تم جان چکے ہو کہ ہمارا تمہاری بیٹیوں میں کوئی حق نہیں ہے۔ اور بیشک تم جانتے ہو جس کی خواہش ہم رکھتے ہیں"●

(سب بولے کہ تم جان چکے ہو، کہ ہمارا تمہاری بیٹیوں میں کوئی حق نہیں)، یعنی ہمیں ان کی کوئی حاجت نہیں اور نہ ہی ان کی طلب ہے، (اور بے شک تم جانتے ہو جس کی خواہش ہم رکھتے ہیں)۔ اس کے جواب میں۔۔۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾

لوط نے کہا "کاش کہ میں تمہارے مقابل کی طاقت رکھتا، یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ میں ہوتا"●

(لوط نے کہا کاش! کہ میں تمہارے مقابلے کی طاقت رکھتا) یعنی کاش کہ ہو مجھے تمہیں دفع کرنے کی قوت ۔۔یا یہ۔۔ کہ اگر میری ذات میں قوت ہو، تو البتہ میں تمہیں نکال دوں ۔۔الغرض۔۔ کاش میں طاقت والا ہوتا، (یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ میں ہوتا) یعنی ہمیں اپنے کسی مضبوط قبیلہ کی پشت پناہی حاصل ہوتی، تو تم کو تمہارے کیفرِ کردار تک پہنچا دیتا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے مذکورہ بالا ارشاد میں جو کچھ بھی کہا، وہ مہمانوں کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے تھا اور ان کے سامنے اپنا عذر ظاہر کرنے کے لیے تھا، کیونکہ عرف اور عادت یہی ہے، کہ لوگ اپنی طاقت اور اپنے قبیلہ کی بنا پر مدافعت کرتے ہیں اور حقیقت میں حضرت لوط علیہ السلام کے عمدہ اخلاق تھے، جن کی بنیاد پر وہ تعریف کے مستحق ہیں۔ اور نبی ﷺ نے جو یہ فرمایا، کہ 'اللہ لوط پر رحم فرمائے'، یہ درحقیقت ان کی تعریف ہے، ان پر تنقید نہیں ہے۔ اور یہ خطاب میں عرب کے عرف کے مطابق ہے۔

وہ کہتے ہیں، کہ 'اللہ بادشاہ کی تائید کرے اور اللہ امیر کی اصلاح کرے'۔ وغیرہ، وغیرہ اور اس کی دلیل قرآنِ مجید میں یہ آیت ہے، کہ 'اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے ان منافقین کو کیوں اجازت دے دی'، کیونکہ آپ نے ان پر نرمی کرنے کے لیے اور ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے ان کو اجازت دی تھی، اور یہ آپ کے مکارمِ اخلاق میں سے تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ اللہ آپ کو معاف کرے، یعنی آپ نے ان کو اجازت دے کر اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں کیوں ڈالا۔ اور یہ ایسا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں

ہے، کہ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اٹھائیں'۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کے دروازے کو بند کر لیا تھا، اور گھر کے اندر ہی سے گھر کے باہر موجود قوم کے افراد سے باتیں کر رہے تھے، تو ان لوگوں نے دیوار توڑ ڈالی اور چاہا کہ گھر میں داخل ہو جائیں۔ لوط علیہ السلام نہایت مضطرب اور غمگین ہوئے۔ تو جب انہیں اضطراب اور صدمہ میں دیکھا، تو۔۔۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ

ہمارے قاصد بولے "کہ اے لوط، ہم تمہارے پروردگار کے قاصد ہیں، یہ نہیں پہنچ سکتے تم تک، تو لے جاؤ اپنے گھر والوں

مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ

کو شبا شب، اور نہ پیٹھ پھیرے تم میں سے کوئی، مگر تمہاری بی بی، اس کو وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچا۔

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾

بیشک ان کے وعدہ کا وقت صبح ہے، کیا صبح نزدیک نہیں ہے؟●

(ہمارے قاصد) یعنی ملائکہ (بولے، کہ اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے قاصد ہیں) اور ان پر عذاب کرنے کو نازل ہوئے ہیں، تو آپ اپنا دل قوی رکھیں۔ اس لیے کہ (یہ نہیں پہنچ سکتے تم تک) یعنی یہ تمہیں ایذاء اور کسی طرح کا ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ تو اپنوں کے ساتھ گھر سے نکل جا اور ہمیں ان لوگوں میں چھوڑ دے۔

پھر جبرائیل علیہ السلام ان لوگوں کے سامنے نکل آئے، اور اپنے پر ان کے منہ پر ملے۔ سب اندھے ہو گئے اور لوط علیہ السلام کے گھر سے باہر بھاگے یہ کہتے ہوئے، حذر کرو لوط کے مہمان جادوگر ہیں۔

پھر جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا، کہ تمہارے لیے راستہ صاف ہے، (تو لے جاؤ اپنے گھر والوں کو شبا شب اور نہ پیٹھ پھیرے تم میں سے کوئی) یعنی کوئی چھوٹنے نہ پائے۔ اپنے تمام لوگوں کو ساتھ نکال لے جاؤ، (مگر تمہاری بی بی) یعنی اپنی کافرہ بی بی کو چھوڑ کر اپنے سارے گھر والوں اور اطاعت شعاروں کو لے کر اس بستی کو چھوڑ دو، اس لیے کہ تمہاری بی بی کافرہ ہے (اس کو وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچا) یعنی وہ بھی کافروں کے ساتھ ہلاک ہوگی۔

لوط علیہ السلام نے نہایت تنگدلی کے ساتھ فرمایا، کہ ان لوگوں کی ہلاکت کب ہوگی؟ جبرائیل

السَّلَام نے کہا (بے شک ان کے وعدے کا وقت صبح ہے)۔ لوط السَّلَام نے کہا، ابھی صبح کو آنے میں کافی دیر ہے، تو حضرت جبرائیل نے فرمایا (کیا صبح نزدیک نہیں ہے؟) یعنی صبح نزدیک تو ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا

تو جب آ گیا ہمارا قہر مانی فرمان، تو کر دیا ہم نے اس کو تہ وبالا، اور برسایا ان پر

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾

پتھریلے ٹکڑے کنکر کے ۔۔۔ لگا تار●

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

نشان دیئے ہوئے تمہارے پروردگار کے یہاں۔ اور نہیں ہیں وہ پتھر ان اندھیر مچانے والوں سے کچھ دور●

(تو جب آ گیا ہمارا قہر مانی فرمان) ان کے عذاب کے واسطے، تو جبرائیل سے ہم نے حکم کیا، وہ اپنے پر ان کے شہروں کے نیچے لایا اور ان شہروں کو اٹھایا اور اتنا بلند کیا، کہ اہل آسمان ان کے مرغوں کی بانگ اور کتوں کی آواز سنتے تھے، پھر ہم نے حکم کیا اور جبرائیل نے ڈال دیا، (تو) اپنی قدرتِ کاملہ سے (کر دیا ہم نے اس کو تہ وبالا، اور برسایا ان پر پتھریلے ٹکڑے کنکر کے لگا تار نشان دیے ہوئے تمہارے پروردگار کے یہاں)۔

ان پتھروں پر سیاہ لکیروں کے نشان تھے، جیسے سلیمانی دانے ہوتے ہیں ۔۔یا۔۔ لال اور سفید نشان تھے۔ ان پتھروں پر مہر بھی لگی ہوئی تھی، بعضے ان میں سفید اور ان پر سیاہ نقطے تھے ۔۔یا۔۔ جس پر پتھر برسا ان کا نام اس پتھر پر لکھا ہوا تھا ۔۔یا۔۔ یہ پتھر مہیا کیے گئے تھے تیرے رب کے خزانے میں ان پر عذاب کرنے کو۔

ایک قول یہ ہے کہ پتھر اس قوم کی ایک جماعت کے سر پر برسے۔ جو جماعت وہاں نہ تھی، تو پھر جہاں کہیں ان میں سے کوئی تھا، اس کے نام کا پتھر اس کے سر آیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ یہاں تک کہ، ان میں کا ایک شخص مکہ معظمہ کے حرم میں آیا تھا، تو جو پتھر اس کے نام کا تھا، وہ چالیس[۴۰] دن ہوا پر اٹکا رہا، اور جیسے ہی وہ شخص حرم کے باہر نکلا، وہ پتھر ہوا سے اس کے سر پر گرا، اور وہ ہلاک ہو گیا۔

(اور نہیں ہیں وہ پتھر ان اندھیر مچانے والوں سے کچھ دور) یعنی نہیں ہیں وہ پتھر ظالموں سے دور۔ اس واسطے، کہ وہ اس کے مستحق ہیں، کہ ان پر پتھر برسیں۔

۔۔یا یہ۔۔کہ قوم لوط کے شہر مکہ کے ظالموں سے دور نہیں ہیں۔اثنائے سفر میں اس دیار سے وہ گزرتے ہیں، تو انہیں اَولیٰ واَنسب ہے عبرت حاصل کرنے کی نظر سے ان شہروں کو دیکھیں۔اور عذاب اور عقوبت سے ڈر کر اپنا حال، ایمان اور نیک کام کرنے سے بدلیں اور اپنے حال کی اصلاح کریں۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور مدین کی طرف ان کی برادری کے شعیب کو۔ انھوں نے پیغام دیا" کہ اے قوم اللہ کو پوجو، اس کے

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ

سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اور مت کمی کرو ناپ اور تول میں۔ میں درحقیقت تم کو دیکھ رہا ہوں

بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾

فراغت کے ساتھ۔اور مجھے واقعی ڈر لگتا ہے تم پر گھیرا ڈالنے والے دن کے عذاب کا ●

اس سورۂ مبارکہ میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص ذکر کیے گئے ہیں، یہ ان میں سے چھٹا قصہ ہے، جو حضرت شعیب علیہ السلام سے متعلق ہے۔مَدْیَنْ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے، پھر یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے قبیلے کا نام پڑ گیا۔اور اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین نے اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔۔الختصر۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ ہم نے بھیجا قوم (مدین) یا شہر مدین میں رہنے والوں (کی طرف ان کی برادری کے شعیب کو) جن سے حضرت شعیب کو نسبی بھائی چارگی بھی تھی، تو انہوں نے انبیاءِ کرام کی سنتِ مستمرہ کے مطابق اپنی قوم کو اوّلاً عبادتِ الٰہی اور ثانیاً اعمالِ صالحہ کی دعوت دی۔۔چنانچہ۔۔ (انہوں نے پیغام دیا، کہ اَے قوم! اللہ) تعالیٰ (کو پوجو)، کیونکہ (اس کے سوا تمہارا کوئی معبود) مستحقِ عبادت (نہیں)، تو عقیدۂ توحید کا پاس ولحاظ رکھو اور صرف خدائے واحد کی پرستش کرو (اور) اعمالِ صالحہ کو انجام دیتے رہو۔

خاص طور پر (مت کمی کرو ناپ اور تول میں) جیسا کہ تم نے اپنی غلط روش بنالی ہے، کہ جب تمہارے پاس کوئی شخص کچھ بیچنے کے لیے آتا ہے، تو تول میں اس سے اس چیز کو جتنا زیادہ لے سکتے ہو

لے لیتے ہو، اور جب تم خود فروخت کرتے ہو، تو ناپ وتول میں کمی کردیتے ہو۔۔الغرض۔۔خرید و فروخت دونوں صورتوں میں تم دوسروں کو نقصان پہنچاتے ہو، اوراس طرح حقوق العباد کی ادائیگی میں جان بوجھ کرلاپرواہی برتتے ہو۔

اور جب کہ صورتِ حال یہ ہے، کہ **(میں درحقیقت تم کو دیکھ رہا ہوں فراغت کے ساتھ)** یعنی تم مال ودولت والے خوشحال لوگ ہو، مفلس اورمحتاج نہیں ہو، تو پھر تمہیں چاہیے کہ خیانت نہ کرو ۔۔بلکہ۔۔ مالدار اور نعمت والے ہونے کی وجہ سے حق گزاری کی رسم یہ ہے، کہ لوگوں کو اپنے مال سے بہرہ مند کرو، یہ نہیں کہ ان کے حقوق میں سے بھی لے لو۔

(اور) غور سے سن لو، کہ **(مجھے واقعی ڈرلگتا ہے تم پر گھیرا ڈالنے والے دن کے عذاب کا)** یعنی روزِ قیامت کے عذاب کا جو تمہیں ایسا گھیرلے گا، کہ تم میں سے کسی کی بھی رہائی نہ ہوسکے گی۔

گھیرنے والا تو عذاب ہے، لیکن چونکہ یہ قیامت کے دن واقع ہوگا، اس لیے روزِ قیامت کو **يَوْمٍ مُّحِيْطٍ** مجازاً کہہ دیا گیا ہے۔۔یا۔۔عذاب سے عذابِ ہلاکت مراد ہے ۔۔الغرض۔۔آپ نے ہدایت فرمائی۔۔۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

اور اے قوم پورا رکھو ناپ اور تول کو انصاف سے اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

ان کی چیزیں، اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے●

(اور) صاف لفظوں میں فرمادیا، کہ **(اَے قوم! پورا رکھو ناپ اور تول کو انصاف سے)** یعنی عدل اور درستگی کے ساتھ۔

پہلے ناپ تول میں کمی کرنے کی ممانعت فرمائی، پھر اُسے پورا کرنے کا حکم دیا۔اس سے نہایت مبالغہ اور تاکید مقصود ہے۔ یہ لوگ ناپ وتول میں تو خیانت کرتے ہی تھے، ساتھ ہی ساتھ ان کی یہ عادت بھی تھی، کہ جو کچھ خرید کرتے اس کی پوری قیمت نہیں ادا کرتے تھے، بلکہ اس میں سے بھی کچھ کاٹ لیتے تھے اور دینار ودرم کی کگر بھی کاٹ لیتے تھے، یعنی اس میں بھی کٹنگ کردیتے تھے، اس لیے ان سے فرمایا گیا۔۔۔

(اور) کہا گیا، کہ **(نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو)** خود اپنے شہر کی **(زمین میں**

فساد مچاتے)، یعنی اپنے شہر کے حالات کو خود اپنے ہاتھوں برباد نہ کرو، اور اپنے ہی لوگوں پر جو ظلم کر رہے ہو اس سے باز آجاؤ۔ یاد رکھو، کہ۔۔۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

اللہ کی دین سے جو بچ رہا تمہارے لئے بہتر ہے، اگر مانو۔۔۔ اور نہیں ہوں میں تم پر پہرا دینے والا●

(اللہ) تعالیٰ (کی دین) اور اس کے فضل وکرم (سے جو بچ رہا، تمہارے لیے بہتر ہے) یعنی ترکِ حرام کے بعد جو مالِ حلال تمہارے پاس بچ رہے، وہ بہتر ہے تمہارے لیے اس مال سے، جو خیانت کر کے جمع کرتے ہو (اگر مانو) اور میری بات کو باور کرو۔ (اور) یاد رکھو، کہ (نہیں ہوں میں تم پر پہرا دینے والا) کہ تمہیں بری باتوں سے باز رکھوں۔۔۔یا۔ عذاب سے تمہاری محافظت کروں۔۔۔ بلکہ ۔۔۔میں رسول ہوں پیغام پہنچانے والا اور نصیحت کرنے والا۔ میرے ذمہ فقط پہنچا دینا ہے بس۔

انبیاءِ کرام میں کچھ تو وہ تھے جنہیں جہاد کا حکم تھا، جیسے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام اور بعض وہ تھے جنہیں لڑنے کا حکم نہیں تھا۔ انہیں میں سے حضرت شعیب تھے جنہیں جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی، تو وہ دن بھر قوم کو نصیحت کرتے اور رات بھر نماز پڑھتے۔ ان حالات کے پیشِ نظر حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد سننے کے بعد ان کی قوم کے۔۔۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ

سب بولے "اے شعیب کیا تمہاری نماز تم کو حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جس کو معبود بنائے تھے ہمارے باپ دادے،

اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

یا اس کو کہ ہم کیا کریں اپنے مال میں جو چاہیں۔ بجا ہے تمہیں، بڑے مآل اندیش معاملہ دار ہو"●

(سب) مخاطب لوگ (بولے، اَے شعیب! کیا تمہاری نماز تم کو حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جس کو معبود بنائے تھے ہمارے باپ دادے)۔

اس مقام میں نماز سے مراد 'دین' ہوسکتا ہے، چونکہ نماز دین کے اظہار کا واضح ذریعہ ہے۔ اور حضرت شعیب کی رات پوری کی پوری اکثر و بیشتر نماز ہی میں گزرتی تھی، تو یہ خود ان کی اور ان کے دین کی شناخت ہوگئی تھی۔ تو اب کفار کے کلام کا حاصل یہ ہوا، کہ کیا یہی

آپ کے دین کی ہدایت ہے جو آپ ہمیں کر رہے ہیں، کہ ہم اپنے باپ دادوں کے خودساختہ معبودوں کی پرستش چھوڑ دیں۔

(یا اس) عمل (کو) بھی ترک کر دیں، (کہ ہم کیا کریں اپنے مال میں جو چاہیں) یعنی ہم اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق صرف کرنا چھوڑ دیں۔ پھر وہ لوگ طنزاً بولے، کہ اس طرح کی ہدایت دینا **(بجا ہے تمہیں)**، کیونکہ تم **(بڑے مآل اندیش)** اور **(معاملہ دار ہو)**۔

یہ ساری گفتگو یا تو تمسخر کے طور پر ہے۔۔یا۔۔وہ کہنا چاہتے ہوں، کہ اے شعیب! علیہ السلام باوصف اس بات کے، کہ تم حلم اور رُشد کے ساتھ موسوم اور موصوف ہو، پھر ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ بالا ارشاد میں نماز سے مراد یہی معروف ومتعارف نماز ہو، اور کفار طنزاً یہ کہنا چاہتے ہوں، کہ اے شعیب! علیہ السلام کثرت نماز کے باوجود آپ کی سمجھ میں کوئی اچھی بات نہ آسکی اور آپ ناسمجھی کی گفتگو کرنے لگے، اور ہمارے باپ دادوں کی راہ سے ہمیں ہٹانے لگے۔۔الختصر۔۔اپنی نماز سے آپ کوئی معقول اور قرینے کی بات نہ سیکھ سکے۔

یہ بھی ایک توجیہ کی گئی ہے، کہ قوم مدین نے حضرت شعیب کو جب بکثرت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو انہوں نے پوچھا کہ یہ نماز آپ کو کیا فائدہ دیتی ہے، تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ یہ نماز اچھائیوں کا حکم دیتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ اس کلام میں کوئی مضائقہ بھی نہیں، اس لیے کہ قرآن کریم نے مجازاً نماز کو 'ناہی' قرار ہی دیا ہے، تو وہ مجازاً 'آمر' بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن قوم مدین کو نماز کا 'آمر و ناہی' ہونا مضحکہ خیز معلوم ہوا، تو انہوں نے استہزاءً کہا، کہ تو کیا تمہاری نماز نے تم کو مذکورہ بالا حکم دیا ہے؟ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا

جواب دیا کہ "اے میری قوم بھلا تمہیں بتاؤ میرا کام، اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے پروردگار کی طرف سے، اور اس نے دی مجھے اپنے کرم

حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ

سے اچھی روزی۔ اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ خود خلاف چلوں اسطرف جس سے تم کو روکتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا مگر درستی کو

مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾

جو ہو سکے۔ اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں●

(جواب دیا، کہ اے میری قوم! بھلا تمہیں بتاؤ میرا کام، اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے پروردگار کی طرف سے) اور میرے پروردگار نے مجھے بصیرت، دلیل اور حجت سے سرفراز فرمایا ہے (اور اس نے دی مجھے اپنے کرم سے اچھی روزی) یعنی نبوت و رسالت۔۔یا۔۔مالِ حلال بے خیانت اور بے کم تولے ناپے۔۔یا۔۔کمال اور تکمیل کی دولت مجھے عطا کی اور روحانی اور جسمانی سعادت دی، تو کیا روا ہوگا، کہ میں اس کی وحی میں خیانت کروں۔

(اور) اچھی طرح سے سن لو! (میں نہیں چاہتا ہوں کہ خود خلاف چلوں اس طرف جس سے تم کو روکتا ہوں) اور (میں نہیں چاہتا مگر درستی) لانے (کو) تمہارے کاموں میں، (جو) اور جس قدر مجھ سے (ہو سکے۔ اور نہیں ہے میری توفیق) تمہارے امور کی اصلاح میں۔۔یا۔۔صواب اور صلاح کی منزل پر پہنچ جانے میں، (مگر اللہ) تعالیٰ کی ہدایت اور اعانت (سے)۔ اسی لیے (اسی پر میں نے بھروسہ کیا) ہے۔ کیونکہ وہ سب چیزوں پر قادر ہے اور اس کے سوا سب عاجز ہیں، (اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں) یعنی اس کی طرف پھرتا ہوں ہر چیز میں جب نیت کرتا ہوں۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ

اور اے میری قوم نہ ابھارے تم کو میری دشمنی، کہ مصیبت آپڑے تم تک، جس طرح مصیبت پڑی

قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾

قوم نوح، یا قوم ہود، یا قوم صالح پر، اور قوم لوط تم سے دور نہیں ہیں ●

(اور اے میری قوم! نہ اُبھارے تم کو میری دشمنی) اس پر کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور بت پرستی اور ناپ تول میں کمی کرنے اور توبہ واستغفار کے ترک کرنے پر جمے رہو اور ڈٹے رہو، یہاں تک (کہ مصیبت آپڑے تم تک، جس طرح مصیبت پڑی قوم نوح) پر جو طوفان میں غرق کر دی گئی، (یا قوم ہود) پر جو زبردست آندھی کے عذاب کا شکار ہوئی، (یا قوم صالح پر) جو چنگھاڑ اور زلزلہ کے عذاب میں گرفتار ہوئی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے اوپر ان کی زمین پلٹ دی گئی، (اور قوم لوط) کے لوگ تو (تم سے) زیادہ (دور نہیں ہیں)۔

کیونکہ لوط علیہ السلام کی بستی مدین کے قریب تھی، تو اُسے قربِ مکانی بھی حاصل تھا۔۔یونہی ۔۔حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم تھا، کہ کچھ عرصہ پہلے حضرت لوط علیہ السلام

کی قوم کو ہلاک کردیا گیا تھا، تو اس طور پر انہیں قربِ زمانی بھی حاصل تھا۔ ہر صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنے کا واقعہ ان سے مخفی نہیں تھا، اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا، تم ان حالات سے عبرت پکڑو اور سبق سیکھو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول' علیہ السلام' کی مخالفت سے گریز کرو، ورنہ تم پر بھی پچھلی قوموں کی طرح عذاب آجائے گا، تو سمجھ سے کام لو۔۔۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾

اور معافی مانگو اپنے پروردگار سے، پھر جھک پڑو اس کی طرف۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا پیار فرمانے والا ہے"●

(اور معافی مانگو اپنے پروردگار سے) یعنی پہلے اپنے کفر، شرک اور ناپ تول میں کمی اور دیگر گناہوں پر نادم ہو کر ان کو ترک کرو، (پھر جھک پڑو اس کی طرف) یعنی آئندہ ان کو نہ کرنے کا عہدِ صمیم کرو، پھر اپنے سابقہ کفر اور معاصی کی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ کفر اور معاصی کو معاف فرمادے گا۔ کیونکہ (بے شک میرا پروردگار بخشنے والا) ہے مغفرت چاہنے والوں کو اور (پیار فرمانے والا ہے) توبہ کرنے والوں کو۔ یعنی وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے اور نیک اُسے دوست رکھتے ہیں۔

اور حقیقت میں ان کی دوستی اُسی کی دوستی کی شاخ ہے۔ اس واسطے، کہ جب تحقیق سے دیکھیں، تو اصل حسن اور احسان جو محبت کا سبب ہوتا ہے، اس کے غیر کو ثابت نہیں، تو وہ آپ اپنے تئیں دوست رکھتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب سن کر۔۔۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ

سب بولے" کہ اے شعیب ہم سمجھتے ہی نہیں بہت سی تمہاری کہی باتوں کو، اور واقعہ یہ ہے، کہ ہم تم کو اپنے میں دیکھ رہے ہیں کمزور۔

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾

اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا، تو ہم نے تم پر پتھراؤ کردیا ہوتا۔ اور تم ہمارے طور پر عزت والے نہیں ہو"●

(سب بولے، کہ اے شعیب! ہم سمجھتے ہی نہیں بہت سی تمہاری کہی باتوں کو)۔۔ مثلاً: توحید کا واجب ہونا، ناپ تول میں کمی حرام ہونا، یعنی یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ اور یہ نہ سمجھنا ان کے قصورِ عقل اور حضرت شعیب علیہ السلام کے کلام پر غور وفکر نہ کرنے کے سبب سے تھا۔۔ یا۔۔ ازراہِ عناد

وہ ایسا کہتے تھے، ورنہ شعیب علیہ السلام کا کلام کیوں نہ سمجھتے، جو خطیب الانبیاء تھے اور خطاب فرمانے میں معجزانہ شان رکھتے تھے۔ چونکہ وہ کفار حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کا معقول جواب دینے سے عاجز تھے، تو عاجز آکر ان کو برا بھلا کہنے اور ڈرانے اور دھمکانے پر اتر آئے۔

۔۔چنانچہ۔۔کہنے (اور) بولنے لگے، کہ (واقعہ یہ ہے کہ ہم تم کو اپنے میں دیکھ رہے ہیں کمزور) یعنی بے زور، کہ اگر ہم کو تم دفع کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکتے۔۔یا۔۔ضعیف نگاہ، یعنی تمہاری بینائی کمزور ہے۔اے شعیب علیہ السلام سن لو! (اور) یقین جان لو! کہ (اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا) جو ہمارے دین پر ہے اور ہم اُسے عزیز رکھتے ہیں، (تو) اب تک (ہم نے تم پر پتھراؤ کر دیا ہوتا) اور تم سنگسار ہو چکے ہوتے۔

اور سن لو، کہ یہ جو ہم نے تمہارے خاندان کا خیال کر کے صلہ رحمی کی ہے اور تمہیں سنگسار نہیں کیا ہے، تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے، کہ تم ہمارے نزدیک بہت بزرگ اور عزت والے ہو۔ تو اچھی طرح سے سن لو! (اور) جان لو، کہ (تم ہمارے طور پر عزت والے نہیں ہو)۔ تمہیں جو کچھ رعایت دی جارہی ہے، وہ تمہارے قبیلے کی وجہ سے دی جارہی ہے۔ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے۔۔

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَهۡطِیۡۤ اَعَزُّ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَکُمۡ ظِهۡرِیًّا ؕ

جواب دیا کہ "اے میری قوم، کیا میرا قبیلہ زیادہ عزت دار ہے تمہارے طور پر اللہ سے، کہ تم لوگوں نے اس کو پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔

اِنَّ رَبِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ ﴿۹۲﴾

بیشک میرا پروردگار تمہارے سب کئے کو گھیرے ہے●

(جواب دیا، کہ اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ زیادہ عزت دار ہے تمہارے طور پر اللہ) تعالیٰ (سے، کہ تم لوگوں نے اس) کے حکم (کو پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے)، یعنی حکم الٰہی کا کچھ پاس ولحاظ نہیں کرتے اور اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اے میری قوم کے لوگو! تم کس خام خیالی میں ہو؟ یاد رکھو! کہ (بے شک میرا پروردگار تمہارے سب کیے) اور سارے کرتوتوں (کو گھیرے ہے)، یعنی ان سب سے آگاہ ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، اور وہ اسی حساب سے جزا دے گا۔

وَ یٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ ؕ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ یَّاۡتِیۡهِ

اور اے میری قوم تم اپنی جگہ اپنا کام کرو، اور میں اپنا کام کروں۔ جلد ہی جان لوگے کہ کس پر آتا ہے

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝

عذاب جو اس کو رسوا کردے، اور کون جھوٹا ہے اور تم لوگ انتظار کرو، اور لاریب تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں●

(اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ اپنا کام کرو) یعنی حسبِ عادت اپنے کفر اور ظلم پر کار بند رہو، (اور میں اپنا کام کروں)۔ یعنی تم کو ان کاموں سے حسبِ سابق منع کرتا رہوں۔ تم (جلد ہی جان لو گے، کہ کس پر آتا ہے عذاب) اور وہ بھی ایسا عذاب، (جو اس کو رُسوا کردے، اور کون جھوٹا ہے)۔ میں نے تم کو جس عذاب کے آنے کی خبر دی ہے (اور) آگاہ کیا ہے، اس کا (تم لوگ انتظار کرو اور لاریب تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں) اُسے حسبِ وعدۂ الٰہی آنا ہی ہے، اور وہ آکے رہے گا۔۔ الغرض۔۔ جلد ہی تمہیں معلوم ہوجائے گا، کہ میں حق پر ہوں۔۔ یا۔ تم۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

اور جب آ گیا ہمارا قہر مانی حکم، بچا لیا ہم نے شعیب کو اور جو مان چکے تھے ان کے ساتھ، اپنی رحمت سے۔

وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

اور پکڑ لیا ان کو جو اندھیر مچا چکے تھے چنگھاڑ نے، تو ہو گئے اپنے گھروں میں گھٹنوں پر جھکے پڑے●

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

ع ۸ / ۱۲ / ۸

گویا رہے ہی نہ تھے اس میں۔ خبردار! دور ہوں مدین، جیسے دور ہوئے ثمود●

(اور جب آ گیا ہمارا قہر مانی حکم)، تو (بچا لیا ہم نے شعیب کو اور) ان کو (جو مان چکے تھے ان کے ساتھ) اپنے فضل اور (اپنی رحمت سے۔ اور پکڑ لیا ان کو جو اندھیر مچا چکے تھے چنگھاڑ نے)، یعنی حضرت جبرائیل کی آواز نے، کہ انہوں نے کہا تم سب مرجاؤ، (تو ہو گئے اپنے گھروں میں گھٹنوں پر جھکے پڑے۔ گویا رہے ہی نہ تھے اس میں) اور بسے ہی نہ تھے ان شہروں میں۔

۔۔ الختصر۔۔ جب حضرت جبرائیل نے وہ گرجدار چیخ ماری، تو ان میں سے ہر ایک کی روح اسی وقت نکل گئی اور ان میں سے ہر شخص اسی وقت اور اسی حال میں مر گیا، اور یوں لگتا تھا جیسے ان مکانوں میں کبھی کوئی شخص رہا ہی نہ تھا۔

پھر فرمایا (خبردار) ہو اور آگاہ ہو جاؤ، کہ (دور ہوں مدین، جیسے دور ہوئے ثمود) یعنی مدین پر دھتکار ہو، جیسے قوم ثمود پر پھٹکار تھی۔ یعنی جس طرح وہ رحمت سے مطلقاً دور کر دیے گئے، اسی طرح

ان کو بھی رحمت سے مطلقاً دور کر دیا گیا۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۹۶﴾

اور تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ●

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان فرمائے ہیں ان میں سے یہ ساتواں اور آخری قصہ ہے۔۔ چنانچہ۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں) یعنی ان آیتوں کے ساتھ، جو آپ کی نبوت کے صحیح ہونے کی نشانیاں تھیں (اور روشن سند کے ساتھ) یعنی غالب اور واضح معجزہ کے ساتھ، کہ وہ عصا تھا۔

عصا کو خاص کر اکیلا ذکر کرنا اس واسطے ہے، کہ وہ کھلا ہوا معجزہ تھا۔۔۔

اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ فَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَ مَاۤ اَمۡرُ فِرۡعَوۡنَ بِرَشِیۡدٍ ﴿۹۷﴾

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، تو سب نے پیروی کی فرعون کے حکم کی، اور فرعون کا کاروبار ٹھیک نہ تھا●

(فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، تو سب نے پیروی کی فرعون کے حکم کی) موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے میں، حالانکہ سچی (اور) صحیح بات تو یہ تھی، کہ (فرعون کا کاروبار ٹھیک نہ تھا)۔یعنی اس کے خیالات اور اس کے مطابق اس کے احکام دُرست نہ تھے۔اور جب دُنیا میں اس کی جمعیت نے اس کی متابعت کی، تو قیامت کے دن بھی اس کے لوگ اُسی کے تابع رہیں گے۔۔ چنانچہ۔۔فرعون۔

یَقۡدُمُ قَوۡمَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَاَوۡرَدَہُمُ النَّارَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡوِرۡدُ الۡمَوۡرُوۡدُ ﴿۹۸﴾

آگے آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن، پھر جھونک دیا ان سب کو آگ میں۔ اور وہ بہت بُرا اترنے کا گھاٹ ہے●

(آگے آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن، پھر) لے گیا اور (جھونک دیا ان سب کو آگ میں اور وہ بہت بُرا اُترنے کا گھاٹ ہے) اس لیے کہ مورد وہ جگہ ہے جہاں پانی پیتے ہیں کلیجے کو ٹھنڈک پہنچنے کے واسطے اور پیاس بجھنے کے لیے، اور دوزخ مورد ہے اس کے خلاف، کہ وہاں پانی پینے سے کلیجا جلے گا اور پیاس زیادہ ہوگی۔

وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

اور پیچھے لگادی گئی ان کے اس دنیا میں لعنت، اور قیامت کے دن، بری جزا ہے جو دی گئی●

(اور پیچھے لگادی گئی ان کے اس دُنیا میں لعنت) یعنی فرعون اور فرعونیوں کے پیچھے اس جہاں میں لعنت و پھٹکار لگادی گئی ہے۔ (اور) یہی لعنت (قیامت کے دن) بھی ان کے پیچھے لگی ہوگی۔ بے شک (بری جزا ہے جو دی گئی) یعنی دونوں جہاں کی لعنتیں۔ کتنی بری جزا ہے، جو ان کو دی گئی ان کے کرتوتوں کے نتیجے میں۔ اے محبوب!۔۔۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِیْدٌ ﴿۱۰۰﴾

یہ ہیں آبادیوں کی خبریں جو ہم ظاہر کررہے ہیں تم پر۔ اُن میں بعض نشان رکھنے والی ہیں اور بعض کٹی کھیتی ہیں●

(یہ ہیں) غارت ہوئی اور تباہ کردی گئی (آبادیوں کی خبریں جو ہم ظاہر کررہے ہیں تم پر۔ ان میں بعض نشان رکھنے والی ہیں) سوکھے کھڑے کھیت کی طرح، (اور بعض کٹی کھیتی) کی طرح (ہیں)، یعنی خراب ومفقود ہیں۔

بعضوں نے کہا قَآئِمٌ وہ ہے جس کا اثر دکھائی دیتا ہے، جیسے عاد وثمود کا شہر۔ اور حَصِیْدٌ وہ ہے جس کا نشان باقی نہ ہو، جیسے قوم نوح کے شہر۔ اے محبوب!۔۔۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ

اور ہم نے ظلم نہیں کیا ان کا، لیکن انھوں نے خود اپنا ظلم کیا۔ تو کام نہ آئے انکے، ان کے سارے معبود،

یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ

جن کو پکارتے تھے اللہ کو چھوڑ کر کچھ بھی، جب آگیا تمہارے پروردگار کا حکم عذاب۔

وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ ﴿۱۰۱﴾

اور نہ بڑھی انھیں اُن کی ہلاکت کے سوا●

صحیح (اور) درست بات یہی ہے، کہ (ہم نے) ان کافروں کو دُنیا میں ہلاک کرکے اور آخرت میں عذاب میں مبتلا کرکے (ظلم نہیں کیا ان کا، لیکن) انہوں نے کفر اور معصیت کرکے خود اپنے آپ کو اس ہلاکت اور عذاب کا مستحق بنایا۔۔ الغرض۔۔ (انہوں نے خود اپنا ظلم کیا)۔۔ القصہ۔۔

اپنے نفسوں پر ان کا ظلم کرنا، یہ ان کا اپنا اختیار کیا ہوا عمل ہے، اس لیے کہ جو ظلم ان کی شناخت اور ان کی صفت ہے، وہ خود ان کا اپنا کمایا ہوا مال ہے۔۔لہٰذا۔۔اس کی جزاء انہیں کو ملنے والی ہے۔ایسی صورت میں کوئی بھی ان کا حامی و ناصر نہ ہوگا۔

۔۔چنانچہ۔۔جب ان پر عذاب نازل فرمایا گیا، (تو کام نہ آئے ان کے، ان کے سارے معبود، جن کو) مستحق عبادت سمجھ کر (پکارتے تھے) معبودِ برحق (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔۔الغرض۔۔وہ سارے معبودانِ باطل (کچھ بھی) کام نہ آئے (جب آگیا تمہارے پروردگار کا حکم عذاب)، تو عذاب نازل ہو کے رہا۔ (اور نہ بڑھی انہیں اُن کی ہلاکت کے سوا) یعنی ان کے حق میں زیاں کاری اور ہلاکت ہی کا اضافہ ہوا۔۔المختصر۔۔اپنے معبودوں کی طرف سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوسکا۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی، کہ پچھلی اقوام نے جب اپنے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کی تو ان پر ایسا ہمہ گیر عذاب آیا، جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔اور یہ بیان فرمایا، کہ چونکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اس لیے ان پر دُنیا میں ہلاکت آفریں عذاب آیا، تو اب یہ فرمایا کہ یہ عذاب صرف ان قوموں کے ساتھ خاص نہیں ہے، جن کا ذکر کیا گیا۔۔بلکہ۔۔جو قوم بھی اس طرح کا ظلم کرتی ہے اس پر ایسا عذاب آتا ہے۔تو جس طرح پہلوں کی گرفت۔۔۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ

اور اسی طرح ہے تمہارے پروردگار کی پکڑ، جب پکڑا آبادیوں کو کہ وہ اندھیر نگری ہیں۔

اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝۱۰۲

بیشک اس کی پکڑ سخت دکھ والی ہے●

(اور) ان کی پکڑ کی گئی، (اسی طرح ہے تمہارے پروردگار کی پکڑ جب پکڑا آبادیوں) یعنی دیہات والوں (کو، کہ وہ اندھیر نگری ہیں) یعنی وہاں بسنے والے ظالم ہیں۔ (بے شک اس کی پکڑ سخت دکھ) دینے (والی ہے) اور اس کی پکڑ سے خلاصی کی صورت اور رہائی کی راہ نہیں۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ

بیشک اس میں سبق ہے اسے جو ڈر گیا آخرت کے عذاب کو۔ یہ دن ہے جس میں

لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿۱۰۳﴾

سب لوگ اکٹھے کیے گئے، اور یہ دن حاضری کا ہے●

(بے شک اس میں) یعنی جن قصوں کو ہم نے بیان کیا ہے، ان میں سے ہر ہر قصہ میں (سبق ہے اُسے جو ڈر گیا آخرت کے عذاب کو)۔ آخرت کا (یہ دن) وہ دن (ہے، جس میں سب لوگ اکٹھا کیے گئے) یعنی تمام مخلوق کو اس دن جمع کریں گے (اور یہ دن) اہل زمین اور اہل آسمان کی (حاضری کا ہے)۔۔المختصر۔۔اس دن سب کو ایک ساتھ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾

اور ہم نہیں مہلت دیتے اس میں، مگر گنتی کی مدت کیلئے●

(اور ہم نہیں مہلت دیتے اس میں) یعنی نہیں پیچھے ہٹاتے ہیں ہم اس دن کو، (مگر گنتی کی مدت کے لیے) یعنی شمار کی ہوئی مدت گزر جانے کے واسطے۔۔الحاصل۔۔جب تک وہ مدت نہ ہو جائے قیامت قائم نہ ہوگی۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

وہ جس دن آئے گا، تو کوئی بول نہ سکے گا، مگر اسکے حکم سے، تو ان میں کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہیں●

(وہ) روزِ مشہود (جس دن آئے گا، تو کوئی بول نہ سکے گا) ایسی بات جو اس کے لیے مفید ہو (مگر اس کے حکم سے)۔ اور یہ حال 'موقفِ خاص' میں ہوگا۔ جو ایک ایسا موقف ہوگا، کہ اس میں بات کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔۔چنانچہ۔۔اس دن نہ بولیں گے اور نہ ہی اِذن دیا جائے گا ان کو، کہ وہ عذر پیش کر سکیں۔ (تو ان) اہل موقف (میں) سے (کچھ بد بخت) ہیں وعید کے موافق جن کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا، (اور کچھ نیک بخت ہیں) وعدہ کے مطابق بہشت ان کی جگہ ہوگی۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے، کہ سعادت کی پانچ نشانیاں ہیں: ﴿۱﴾۔ دل کی نرمی، ﴿۲﴾۔رونا بہت، ﴿۳﴾۔دُنیا سے نفرت، ﴿۴﴾۔آرزو تھوڑی، ﴿۵﴾۔شرمناک ہونا۔اور شقاوت کی بھی پانچ نشانیاں ہیں: ﴿۱﴾۔دِل کی سختی، ﴿۲﴾۔آنکھوں کی خشکی، ﴿۳﴾۔دُنیا کی رغبت، ﴿۴﴾۔آرزو بڑی، ﴿۵﴾۔بے شرمی و بے حیائی۔

یہ بھی بعض کاملین کا ارشاد ہے، کہ حق تعالیٰ نے اس سورت میں دو بڑے کام بیان کیے ہیں: ایک 'سیاستِ جباری' اور 'سطوتِ قہاری' جو زمانۂ کفار کا زور وشور لے گئی۔ اور دوسرے 'حکم ازلی' جو خلق کی سعادت وشقاوت کے باب میں نازل ہوا۔ اور حضرت رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﷺ نے اس خبر کی ہیبت اور اس حکم کی سطوت سے یہ فرمایا، کہ 'سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کردیا'۔

فَأَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾

تو جنھوں نے بدبختی کی، وہ آگ میں پڑے، ان کا اس میں گدھے کی آواز کا چڑھاؤ اتار ہے●

(تو) وہ لوگ (جنہوں نے بدبختی کی، وہ) جہنم کی (آگ میں پڑے، ان کا اس میں گدھے کی آواز کا چڑھاؤ اتار ہے) وہ بدبخت اسی بری آواز کے ساتھ۔۔۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ

ہمیشہ رہنے والے اس میں، جب تک ہیں سارے آسمان اور زمین، مگر جس قدر چاہا تمہارے پروردگار نے۔

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

بیشک تمہارا پالنہار کرگزرتا ہے جو چاہے●

(ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اس) دوزخ (میں، جب تک ہیں سارے آسمان اور زمین)۔

یہ ارشاد عرب کے عرف اور ان کے محاورے کے لحاظ سے ہے، جس سے صرف یہ ظاہر کرنا مطلوب ہے، کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہیں گے۔۔ لہٰذا۔ اہل نار کا دوام آسمان اور زمین کے دوام کے ساتھ متعلق نہ ہوگا۔ اس واسطے، کہ اہل نار کے دوام کا ابد تک رہنے اور زمین وآسمان کے دوام کا منقطع ہوجانے پر دلالت کرنے والی نصیں وارد ہیں۔ تو یہ اعتقاد کرنا چاہیے، کہ کفار اشقیاء ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

(مگر جس قدر چاہا تمہارے پروردگار نے) کہ انہیں 'عذابِ آتش' سے نکال کر 'عذاب زمہریر' میں مبتلا کرے۔۔یا۔۔ 'عذابِ آتش' کے سوا کسی اور عذاب میں ڈال دے۔

اس لیے کہ دوزخ میں طرح طرح کے عذاب اور عقوبتیں ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے، کہ آگ سے عذاب کریں۔ تو ہمیشہ 'عذابِ آتش' میں رہنے سے استثناء، دوزخ میں ہمیشہ رہنے سے استثناء نہیں۔

(بے شک تمہارا پالنہار کر گزرتا ہے جو چاہے) تو عذاب کرنے کے اقسام میں سے جس پر جس قسم کا عذاب نازل فرمانا چاہتا ہے، نازل فرماتا ہے۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

اور جو نیک بخت کئے گئے وہ جنت میں ہیں، اس میں ہمیشہ رہنے والے، جب تک کہ سارے آسمان

وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

اور زمین ہیں، مگر جتنا چاہا تمہارے پروردگار نے۔ عطا ہے انمٹ●

(اور) اس کے برعکس حال ہے ان کا (جو نیک بخت کیے گئے)، تو (وہ جنت میں ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے جب تک کہ سارے آسمان اور زمین ہیں)، یعنی جب تک آخرت کا آسمان اور اس کی زمین ہے۔

آخرت کا آسمان وزمین اِس دُنیا کے آسمان وزمین کے بدلے ہوں گے۔۔یا یہ۔۔کہ جب تک آسمان وزمین اپنے جواہر کی حیثیت سے، نہ کہ موجودہ صورت کی حیثیت سے، موجود ہیں۔۔یا یہ۔۔کہ آسمان اور زمین سے یہاں 'فوق وتحت' مراد ہے، اس لیے کہ عرب ہر اس چیز کو آسمان کہتے ہیں، جو سر کے اوپر ہو اور جو چیز پاؤں کے نیچے ہو اس کو زمین کہتے ہیں۔ تو اب حاصل ارشاد یہ ہوگا: کہ جب تک فوق اور تحت ہوگا، یہ لوگ جنت میں رہیں گے۔

(مگر جتنا چاہا تمہارے پروردگار نے)، یعنی مگر جو کچھ چاہے تیرا رب، کہ انہیں جنت کی نعمت سے اور کسی دولت پر پہنچائے، جو اس سے بھی زیادہ ہو۔

کہ وہ دیدار کا رتبہ ہے۔۔یا۔۔حق تعالیٰ کی رضامندی کا مرتبہ، کہ اس کی حقیقت کوئی نہیں جانتا، مگر حضرتِ حق تعالیٰ جو سارے معلومات کا عالم ہے۔ 'پس نہیں جانتا کوئی کہ کیا چھپایا گیا ہے واسطے ان کے آنکھوں کی ٹھنڈک سے'۔ بعض کے نزدیک اولیٰ یہ ہے، کہ اس استثناء کو ان اہل جنت پر محمول کیا جائے، جو کچھ عرصہ دوزخ میں رہیں گے، پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور اب اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا:

کہ نیک بخت لوگ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، سوا اس وقت کے جب وہ دوزخ میں تھے، پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا دونوں مقامات سے متعلق ایک توجیہ کی روشنی میں پورے ارشاد کا حاصل یہ

ہوتا ہے، کہ کافر شقی جہنم میں اور مومن سعید جنت میں آسمان وزمین کی اس دُنیا میں رہنے کی مدت تک تو رہیں گے ہی۔۔مزید برآں۔۔۔رب عزیز وجلیل اس مدت میں حسب مشیت زیادتی فرمائے گا اور اس 'مدتِ زائدہ' کی کوئی انتہا نہیں ہے۔اس کلام سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے، کہ دونوں ہی اپنے اپنے مقام پر ہمیشہ ہمیش ہی کے لیے رہیں گے۔نہ تو کافر شقی کو جہنم سے رہائی ملے گی، اور نہ ہی مومن سعید کو جنت سے باہر کیا جائے گا۔

یہ توجیہہ ظاہر ارشاد سے بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے اور بہت سارے تکلفات کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔اور سب سے آخری بات تو یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، کہ اپنے اس کلام بلاغت نظام سے اس کی اپنی مراد کیا ہے۔رہ گیا ہمارا معاملہ: تو ہم کسی بھی ایسی توجیہہ کو قبول کرسکتے ہیں، جو کسی بھی 'نص' سے متصادم نہ ہو، اور اس کو قبول کر لینا کسی 'نص' کے انکار کو مستلزم نہ ہو۔اب آگے یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ اہل جنت پر جو نوازش اور ان پر جو بخشش ہوگی۔۔۔

وہ (**عطاہے انمٹ**) جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔۔چنانچہ۔۔ایک منادی ندا کرے گا، کہ اے جنت والو! تم ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہ ہو گے، اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی، اور تم ہمیشہ جوان رہو گے تم کبھی بوڑھے نہ ہو گے، اور تم ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے تم پر کبھی مصیبت نہ آئے گی۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ

پس تم کسی دھوکے میں نہ آؤ اس سے جس کو یہ لوگ معبود مانیں۔یہ سب معبود نہیں بناتے مگر جس طرح معبود بناتے رہے ان کے

اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ؁۱۰۹ؑ

باپ دادا پہلے سے، اور بے شک ہم ضرور انہیں پوری طرح ان کی قسمت کا حصہ دیں گے بے گھٹائے●

حق تعالیٰ نے پہلے سابقہ قوموں کے بت پرستوں کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے، پھر اس کے بعد بدبختوں اور نیک بختوں کے اُخروی انجام کا ذِکر فرمایا اور اس کے بعد اب نبی ﷺ کی قوم کی طرف سلسلہء کلام کو متوجہ فرمایا۔اس آیت میں بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے، لیکن مراد عام مخاطب ہے، کیونکہ بت پرستوں کی عبادت کے باطل ہونے کے متعلق نبی ﷺ کا شک کرنا، تو کسی طرح متصور ہی نہیں۔

(پس) اَے مخاطب! (تم کسی دھوکے میں نہ آؤ اس سے جس کو یہ لوگ معبود مانیں)، بلکہ یقینی سمجھو کہ یہ پرستش گمراہی ہے جو آخرانہیں ہلاک کرے گی، جیسے اگلی امتوں کا کفران کے ہلاک اور ان پر عذاب ہونے کا سبب ہوا۔ الغرض۔۔ (یہ سب معبود نہیں بناتے مگر جس طرح) باطل طور پر (معبود بناتے رہے ان کے باپ دادا پہلے سے)۔۔چنانچہ۔۔ان کے پاس ان کی پرستش پر کوئی دلیل نہیں ہے، وہ صرف اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔(اور) یہ بت پرست کس خام خیالی میں ہیں: (بے شک ہم ضرور) ان کی بت پرستی کی سزا میں (انہیں پوری طرح) عذاب میں (ان کی قسمت کا حصہ دیں گے)، یعنی جو عذاب ان کے لیے مقدر ہے، وہ انہیں مل کے رہے گا (بے گھٹائے)، یعنی اس عذاب میں کسی طرح کی کمی نہ کی جائے گی۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا، کہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے انکار پر اصرار کر رہے ہیں، اور قرآنِ کریم کی تکذیب پر اصرار کر رہے ہیں اور اب اس اگلی آیت میں یہ بیان فرمایا جا رہا ہے، کہ یہ کافروں کی نئی روش نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ سے کفار کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی معاملہ رہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور بیشک دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب، پھر اس میں جھگڑا نکالا گیا، اور اگر نہ ہوتی ایک بات پہلے سے تمہارے

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۱۱۰

پروردگار کی طرف سے، تو ضرور ان کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور درحقیقت وہ لوگ تردد میں پڑے شک کرنے والے ہیں●

(اور) ارشاد فرمایا کہ (بے شک دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب، پھر اس میں جھگڑا نکالا گیا) اور اختلاف کیا گیا، یعنی بعض توریت پر ایمان لائے، بعض نہیں لائے۔ جیسے اَے محبوب! قرآن میں تمہاری قوم نے اختلاف کیا۔ تو سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (اگر نہ ہوتی ایک بات پہلے سے تمہارے پروردگار کی طرف سے) یعنی اگر تمہارے پروردگار نے پہلے ہی سے یہ طے نہ فرما دیا ہوتا، کہ وہ ان کے عذاب میں تاخیر فرمائے گا، (تو ضرور ان کا فیصلہ کر دیا جاتا)، تا کہ باطل کرنے والے عذاب میں مبتلا ہو جاتے اور حق کرنے والے اس سے نجات پاتے۔ (اور) اَے محبوب! (درحقیقت وہ لوگ)

یعنی تیری قوم کے کافر (تردُّد میں پڑے شک کرنے والے ہیں)۔قرآن کریم کے تعلق سے ایسا شک، جوان کے جی کو مضطرب اور عقل کو پراگندہ کیے ہوئے ہے۔اے محبوب! سن لو۔۔۔

وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١١﴾

اور واقع میں سارے کے سارے، دیتے وقت ضرور پوری جزا دیگا انھیں تمہارا پروردگار انکے اعمال کا۔ بیشک اسے ان سب کے کرتوت کی خبر ہے●

(اور) سب کو آگاہ کردو، کہ (واقع میں) بلاشبہ (سارے کے سارے) اختلاف کرنے والوں کو (دیتے وقت ضرور پوری جزا دے گا انہیں تمہارا پروردگار ان کے اعمال کا)۔یعنی بے شک آپ کا رب ان میں سے ہر ایک کو قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دے گا۔

اس کا معنی یہ ہے، کہ جس نے رسول کی تصدیق کی۔۔یا۔۔جس نے رسول کی تکذیب کی۔۔یا۔۔جس کو دُنیا میں جلدی سزا مل گئی۔۔یا۔۔جس کی سزا مؤخر کی گئی، وہ سب اس امر میں برابر ہیں، کہ ان کو پوری پوری جزا آخرت میں ملے گی۔مصدقین کو ان کے ایمان اور اطاعت پر ثواب ملے گا، اور مکذبین کو ان کے کفر اور معصیت پر عذاب ہوگا۔سو یہ آیت وعدہ اور وعید کی جامع ہے، پھر اس کی دلیل یہ بیان فرمائی، کہ۔۔۔

(بے شک اسے ان سب کے کرتوت کی خبر ہے) یعنی جو کچھ یہ کررہے ہیں، وہ ان کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔اور جب وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، تو اس کو ہر ایک کی اطاعت اور معصیت کا علم ہے۔اس لیے اس کو یہ علم ہے، کہ کون شخص کس جزا کا مستحق ہے۔اس لیے وہ کسی کا حق اور اس کی جزا کو ضائع نہیں ہونے دے گا اور وہ ہر شخص کو اس کے کاموں کی پوری پوری جزا دے گا۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ

تو مضبوط جم جاؤ جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے، اور جنہوں نے توبہ کرلی تمہارے ساتھ، اور تم لوگ سرکشی نہ کرو،

إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾

بے شک وہ جو کرو دیکھنے والا ہے●

(تو مضبوط جم جاؤ جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور) وہ لوگ بھی چاہیے کہ مستقیم رہیں۔۔یا۔۔تو حکم کردے، کہ مستقیم ہوجائیں (جنہوں نے توبہ کرلی) ہے اور (تمہارے ساتھ) اللہ کی طرف رجوع کرلیا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ استقامت یہ ہے کہ آدمی امر و نہی پر مستقیم رہے۔ایک قول کے مطابق مستقیم وہ شخص ہے، جو راہِ حق سے نہ پھرے، تاکہ منزلِ وصال پر پہنچ جائے۔ سمجھ داری کی بات یہ ہے کہ انسان استقامت کا طالب ہو، نہ کہ کرامت کا۔ اس لیے کہ استقامت ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ وہ چیز جس کے ہونے سے سب نیکیاں نیک ہوتی ہیں اور جس کے نہ ہونے سے سب برائیاں بری ہوتی ہیں، وہ استقامت ہے۔اے عزیز! جس کا قدم جمنے والا اور مضبوط نہیں، اُس کی محبت ضائع ہے۔ عارفین کے نزدیک استقامت یہ ہے، کہ اپنے باطن کو ماسوی اللہ سے محفوظ رکھے۔

(اور) اے لوگو! (تم لوگ سرکشی نہ کرو، بے شک وہ) حق تعالیٰ (جو کرو) گے اس کا (دیکھنے والا ہے)۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور نہ جھکو ان کی طرف، جو اندھیر مچا چکے، کہ چھو لے تم کو آگ۔ اور نہیں ہیں تمہارے کام کے یہ، اللہ سے الگ

مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

بنائے ہوئے حمایتی، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی●

(اور نہ جھکو ان کی طرف) یعنی ان لوگوں سے دلی میل جول نہ رکھو (جو اندھیر مچا چکے ہیں) اور ظلم کرتے رہے ہیں، (کہ چھو لے تم کو آگ)۔ یعنی اگر تم ظالموں کا ساتھ دو گے، تو تمہیں بھی دوزخ کی آگ لگ جائے گی۔۔ المختصر۔ ظالموں کے طریقے اور ان کی روش پر راضی نہ ہو، اور ان کے طریقے کی تحسین نہ کرو، اور اس کو خوبصورت نہ سمجھو، اور اس طریقے کے کسی ایک باب میں بھی شریک نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص دفع ضرر یا وقتی منفعت کے حصول کے لیے ناپسندیدگی کے ساتھ ان کے طریقے میں داخل ہو، تو اسے رکون اور قلبی جھکاؤ نہیں قرار دیا جائے گا۔

(اور) یاد رکھو، کہ (نہیں ہیں تمہارے کام کے یہ اللہ) تعالیٰ (سے الگ بنائے ہوئے حمایتی) جو عذاب الٰہی سے تم کو باز رکھیں۔ مبتلائے عذاب ہو جانے کے بعد (پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی) یعنی اللہ کے سوا تمہارے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔ اور اس وقت صورتِ حال یہ ہو گی، کہ پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا تھا اور اس کے متصل بعد اس آیت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی عبادت نماز پڑھنا ہے، اور جب بھی کبھی کسی شخص کو مصیبت یا پریشانی لاحق ہو، تو اس کو نماز پڑھنی چاہیے۔۔ الختصر۔۔ دین پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ اور بے دینی کے ساتھ مصالحت نہ کرو۔۔۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ

اور پابندی کرو نماز کی، دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات آنے پر۔ بے شک نیکیاں

یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾

دور کر دیتی ہیں برائیوں کو۔ یہ نصیحت ہے، نصیحت قبول کرنے والوں کیلئے●

(اور پابندی کرو نماز کی دن کے دونوں سروں) کے قریب و متصل وقت **(پر)**۔ لہٰذا صبح کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو طلوعِ شمس کے قریب ہے، اور یہ وہ وقت ہے جب سفیدی اور روشنی ہوتی ہے، کیونکہ اندھیرے وقت کے بہ نسبت سفیدی کا وقت طلوعِ شمس سے قریب ہے۔ اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو غروبِ شمس کے قریب ہے اور یہ وہ وقت ہے، جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو چکا ہوتا ہے۔ اور ایک مثل سایہ کی بہ نسبت دو مثل سایہ کا وقت غروبِ شمس کے زیادہ قریب ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ دنوں کے دونوں طرفوں کا جو حقیقی معنی ہے، ان وقتوں میں بغیر ضرورتِ شرعیہ کے نماز پڑھنا اجماعاً جائز نہیں۔ اس لیے دونوں طرفوں سے طرفین کے قریب کا وقت مجازاً مراد لیا گیا ہے، اور مجاز حقیقت کے جتنا قریب ہو، اس پر لفظ کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

اوپر کی وضاحت کی روشنی میں طرفِ اوّل کی نماز فجر کی نماز ہے، اور طرفِ ثانی کی نماز عصر کی نماز ہے۔ رہ گئی ظہر کی نماز، تو وہ غایتِ قرب کی وجہ سے عصر کی تابع ہے۔ اس صورت میں طرفِ اوّل کی نماز سے نمازِ فجر مراد ہوگی، اور طرفِ ثانی کی نماز سے ظہر و عصر کی نمازیں مراد ہوں گیں۔

ان نمازوں کے سوا **(اور کچھ)** یعنی مغرب و عشاء اور وتر کی نمازیں ہیں **(رات آنے پر)**۔

زُلَف جمع کا صیغہ ہے، سو اس کا معنی ہے رات کے تین[۳] قریبی اوقات۔ کیونکہ کم از کم جمع

کا اطلاق تین پر ہوتا ہے، اس لیے وتر کی نماز کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا ہے۔ اس صورت میں وتر کی نماز واجب ہو جاتی ہے۔ اور جن کے نزدیک وتر کی نماز واجب نہیں۔ وہ رات کی نماز سے صرف مغرب وعشاء کی نمازیں مراد لیتے ہیں اور ایک سے زیادہ پر بھی جمع کا اطلاق کرلیتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ افعالِ خیر میں خطاب صرف رسول اللہ ﷺ کو ہے، لیکن ان افعالِ خیر میں امت مراد ہوتی ہے، اور یہ قرآنِ مجید کی بہترین بلاغت میں شمار ہوتا ہے۔ تو اے وابستگانِ دامن مصطفیٰ ﷺ! پنج وقتہ نماز کی کما حقہ دائمی طور پر ادائیگی تم سارے مکلفین پر فرض ہے۔

اس لیے، کہ (بے شک نیکیاں دوُر کر دیتی ہیں برائیوں کو)، یعنی پانچوں وقت کی نماز لے جاتی ہیں اور مٹا دیتی ہیں گناہِ کبیرہ کے سوا ساری برائیوں کو۔۔ چنانچہ۔۔ اگر کسی سے 'خدانخواستہ' کوئی گناہِ صغیرہ ہوگیا، اور پھر آنے والے وقت کی فرضی نماز اس نے ادا کرلی، تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ ہوگیا۔

حدیث سے یہ مضمون ثابت ہے، کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک جو گناہ ہوتے ہیں، بشرطیکہ کبیرہ نہ ہوں، تو نماز ان گناہوں کا کفارہ ہے۔ اسی لیے جب عمر بن عذبہ سے ایک غلطی ہوئی، انہوں نے نادم ہوکر بارگاہِ رسول میں حاضر ہوکر عرضِ حال کیا، تو یہ آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے عمر بن عذبہ سے پوچھا، کہ تو نے ظہر کی نماز میرے ساتھ پڑھی؟ کہا کہ ہاں: آپ نے فرمایا، کہ یہی نماز اس گناہ کا کفارہ ہے۔ بعض عارفین کا کہنا ہے، کہ صبح وشام کے ذکر اور مراقبوں کے انوار ان وقتوں کی ظلمتوں کو دفع کر دیتے ہیں جو حوائج نفسانی میں گزرے ہوں۔۔ الغرض۔۔ طاعت کے انوار گناہوں کی ظلمت کو مٹا دیتے ہیں۔

(یہ) جو کچھ فرمایا گیا: درحقیقت (نصیحت ہے، نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے) جو نصیحتوں کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔ پس نیک اعمال انجام دیتے رہو۔۔۔

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾

اور صبر کرتے رہو، کہ "بیشک اللہ ضائع نہیں کرتا مخلصوں کی مزدوری کو"۔

(اور صبر کرتے رہو) امر بجالانے اور نواہی سے پرہیز کرنے پر۔ کیوں (کہ بے شک اللہ

تعالیٰ (نہیں ضائع کرتا مخلصوں کی مزدوری کو) اور چونکہ مخلصین و محسنین اعلیٰ درجہ کے صابرین ہیں، تو پھر ان کے اجر کے ضائع ہو جانے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ

تو کیوں نہ رہا کیے تم سے پہلے زمانہ والے کے بچے بچائے، کہ روکیں

فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

زمین میں فساد مچانے سے، مگر چند، جن کو ہم نے ان سے بچا دیا۔ اور پیچھے لگے رہے اندھیر والے

مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

ان کو جو وسعت دی گئی اس میں، اور ہو گئے جرائم پیشہ●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا، کہ اس نے پچھلی امتوں پر ایسا ہمہ گیر عذاب نازل فرمایا تھا جس نے ان قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، ماسوا حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے، کیونکہ ان کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھتے ہی، اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی تھی، اور اس آیت میں ان پر عذاب نازل کرنے کے دو سبب بیان فرمائے ہیں: پہلا سبب یہ بیان فرمایا، کہ ان میں نیک لوگوں کی ایسی جماعت نہ تھی، جو برے لوگوں کو برائیوں سے اور فساد پھیلانے سے روکتی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

(تو کیوں نہ رہا کیے تم سے پہلے زمانہ والے کے بچے بچائے) عقل ورائے والے اور سمجھ بوجھ والے، جو (کہ) ازراہِ احتیاط مفسدوں کو (روکیں زمین میں فساد مچانے سے) تاکہ عذاب نہ آئے، (مگر چند) یعنی تھوڑے سے تھے (جن کو ہم نے ان سے بچا دیا) یعنی نجات دی ہم نے انہیں آگے گزرے ہوؤں کے عذاب سے، کیونکہ وہ تھوڑے سے لوگ انہیں منع کرتے تھے۔

یہ تو رہا ان پر عذاب آنے کا پہلا سبب اور دوسرا سبب یہ ہے، کہ وہ لوگ فانی لذات، شہوات اور طاقت واقتدار کے نشے میں ڈوبے ہوئے تھے (اور پیچھے لگے رہے اندھیر والے ان کو جو وسعت دی گئی اس میں) یعنی پیروی کی ان لوگوں نے جو کافر تھے اس چیز کی جو نعمت دیے گئے تھے اس میں، یعنی انہوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کی متابعت کی اور خواہشوں کے اسباب حاصل کرنے میں اپنی تمام ہمتیں مصروف کیں، اور اس کے سوا اور جو باتیں تھیں ان کی طرف سے منہ پھیر لیا (اور ہو گئے جرائم

پیشہ)۔۔الختصر۔۔ ہمہ گیر عذاب آنے کے یہ بنیادی اسباب ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اللہ تعالیٰ صرف اس وجہ سے کسی قوم پر ہمہ گیر عذاب نازل نہیں فرماتا، کہ وہ قوم کفر اور شرک کا اعتقاد رکھتی ہو۔۔بلکہ۔۔۔وہ اس قوم پر اس لیے عذاب نازل فرماتا ہے، کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرتی ہے۔اسی لیے تو کفر کے ساتھ حکومت باقی رہتی ہے، اور ظلم کے ساتھ حکومت باقی نہیں رہتی۔تو سن لو۔۔۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور تمہارا پروردگار نہیں ہے کہ ہلاک کردے آبادیوں کو اندھیر کر کے، حالانکہ آبادی والے درست ہیں ●

(اور) یاد رکھو! کہ (تمہارا پروردگار نہیں ہے کہ ہلاک کردے آبادیوں کو اندھیر کر کے، حالانکہ آبادی والے درست ہیں) یعنی ایک دوسرے کے درمیان اصلاح کرنے والے ہیں اور کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ صرف شرک کی وجہ سے ان کو ہلاک نہیں کرتا، تاوقتیکہ شرک کے ساتھ ظلم اور فساد نہ شامل ہو۔یہی وجہ ہے کہ بادشاہ کفر کے ساتھ باقی رہتا ہے، لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا، تو بنا دیتا لوگوں کو ایک عقیدہ والا۔اور ہمیشہ ہی جھگڑتے رہیں گے ●

(اور) یہ بھی اچھی طرح سے جان لو، کہ (اگر تمہارا پروردگار چاہتا، تو) بالجبر (بنا دیتا لوگوں کو ایک عقیدہ والا) لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا تھا، کہ اسکی مخلوق میں کچھ ایسے لوگ ہوں جو اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں۔اس لئے اس نے انسانوں اور جنوں کو اختیار دیا، (اور) اسی اختیار ہی کا نتیجہ ہے، کہ یہ (ہمیشہ ہی جھگڑتے رہیں گے) اور عقائد و اصول میں اختلاف کرتے رہیں گے، اور پھر ان میں کوئی یہودی ہوگا، کوئی نصرانی ہوگا، اور کوئی مجوسی، وغیرہ وغیرہ۔۔۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ

مگر جسے رحم کردیا تمہارے پروردگار نے، اور اسی لئے پیدا فرمایا ہے ان کو۔اور پوری ہو چکی تمہارے پروردگار کی بات،

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

کہ ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن اور انسان سب سے ●

(مگر جسے رحم کر دیا تمہارے پروردگار نے) اور اُسے ایمان کی راہ دکھادی، جیسے ملتِ حنیفہ کے لوگ، یعنی مسلمان (اور اسی) اختلاف کے (لیے پیدا فرمایا ہے ان کو۔ اور) یاد رکھو، کہ (پوری ہو چکی تمہارے پروردگار کی بات) جو اس نے فرشتوں سے فرمائی ہے، (کہ ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن اور انسان سب سے)، یعنی گنہگار جنوں اور آدمیوں سے جن سے کفر ظاہر ہوا۔

۔۔الحتصر۔۔ جنوں اور انسانوں کے درمیان عقائد واصول میں اختلاف ہونا۔۔ پھر۔۔ ان کی اکثریت کا اپنے اختیار سے کفر اپنا لینا، اور اس پر تاحیات قائم رہنا ہی وجہ ہے کہ ان سے جہنم کو بھر دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ نے کافروں سے جہنم کو بھر دینے کی جو بات فرشتوں سے کی تھی وہ پوری ہو گئی۔۔۔ اب آگے انبیاءِ کرام کے قصوں کے بیان کرنے کا فائدہ ظاہر فرمایا جا رہا ہے، اور ضمناً لوگوں کے لیے اس میں یہ بھی ہدایت ہے، کہ سورۂ مومن کی جس آیت میں ہے، کہ انبیاءِ کرام میں سے بعض کے قصے ہم نے آپ سے بیان فرمائے اور بعض کے نہیں، اس کا تعلق زمانہ ماضی سے تھا۔ یعنی ماضی میں ہم نے ان میں سے بعض ہی کے قصے آپ پر ظاہر کیے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ

اور سارے ظاہر کیے دیتے ہیں ہم تم پر سب رسولوں کے واقعات، کہ تھام لیں ہم اس سے تمہارا دل۔

وَجَآءَكَ فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور آ گئے تمہارے پاس اس میں ٹھیک واقعات، اور پند و نصیحت ماننے والوں کیلئے ●

(اور) اب (سارے ظاہر کیے دیتے ہیں ہم تم پر سب رسولوں کے واقعات) تا (کہ تھام لیں ہم اس سے تمہارا دل) یعنی تمہارے قلبِ مبارک کو فرائض رسالت کی ادائیگی پر اور کفار کی پہنچائی ہوئی اذیتوں اور سختیوں پر ثابت قدم رکھا جائے۔

کیونکہ انسان جب کسی مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ اور لوگ بھی اس مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہیں، تو اس پر وہ مصیبت اور مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب کوئی سختی عام ہو، تو وہ آسان ہو جاتی ہے۔ تو جب آپ نے یہ جان لیا کہ انبیاءِ سابقین کی قوموں نے بھی ان کے ساتھ اسی طرح کا اذیت ناک سلوک کیا تھا، تو پھر آپ پر کفارِ مکہ کی پہنچائی ہوئی اذیتیں آسان ہو گئیں، اور آپ کے لیے ان کی تکلیفوں پر

صبر کرنا مشکل نہ رہا۔

انبیاءِ سابقین کے ان واقعات سے اگر ایک طرف ثابت قدمی کا درس ملا (اور آگئے تمہارے پاس اس میں) کسی قدر تفصیل کے ساتھ (ٹھیک واقعات)، تو دوسری طرف ایمان والوں (اور) آپ کے چاہنے والوں کے لیے بھی فائدہ مند ہوا، کیونکہ اس میں از اوّل تا آخر (پند و نصیحت) ہے تم پر ایمان لانے والوں اور (ماننے والوں کے لیے)۔ اے محبوب! تم نے نہایت مؤثر انداز میں تبلیغ فرمادی اور اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کردی، اس کے باوجود کفارِ مکہ ایمان نہیں لائے اور آپ کو اذیتیں پہنچانے کے درپے رہے، تو بطورِ تہدید و وعید فرمادو۔۔۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور کہہ دو جو نہ مانیں، کہ اپنی جگہ پر تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں●

(اور کہہ دو) ان سب سے جو (جو نہ مانیں، کہ اپنی جگہ پر) ہمارے خلاف جو کچھ کرسکتے ہو (تم اپنا کام کرو)۔۔الغرض۔۔دینِ حق کی آواز کو دبانے کے لیے۔۔نیز۔۔ہم کو اذیت پہنچانے کے لیے تم سے جو ہوسکے کر کے دیکھ لو۔ رہ گیا ہمارا معاملہ، تو (ہم اپنا کام) جس طرح (کرتے ہیں) کرتے رہیں گے، اور دینِ حق کی تبلیغ سے باز نہ آئیں گے۔ تمہارے کرتوتوں۔۔۔

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور تم بھی راہ دیکھو، بیشک ہم بھی راہ دیکھتے ہیں●

(اور) سرکشیوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ (تم بھی) اس کی (راہ دیکھو، بے شک ہم بھی) اس کی (راہ دیکھتے ہیں) اور تم پر عذابِ الٰہی نازل ہونے کے منتظر ہیں۔ کون سی چیز کب اور کیسے آئے گی؟ یہ غیب ہے۔۔۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ

اور اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب، اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام، تو اس کو پوجو

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع ۱۰

اور اس پر بھروسہ رکھو۔ اور نہیں ہے تمہارا پروردگار غافل تمہارے کاموں سے●

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے) مخصوص (ہے)۔ بذاتِ خود جان لینا (آسمانوں اور زمین کا غیب) یعنی ان چیزوں کا علم جو آسمانوں اور زمینوں سے غائب ہیں۔ (اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام)۔

اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات ہیں۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ علم اور قدرت کا ذکر فرمایا، کیونکہ علم اور قدرت ہی دو ایسی صفات ہیں جن پر مدارِ الوہیت ہے، کیونکہ اگر اس کو علم نہ ہو، تو اس کو کیسے پتا چلے گا، کہ اس کی مخلوق اس کے احکام پر عمل کر رہی ہے یا نہیں۔ اور اگر قدرت نہ ہو، تو وہ اپنے اطاعت گزاروں کو جزا کیسے دے گا، اور اپنے نافرمانوں کو سزا کیسے دے گا۔ اس کے بعد فرمایا، کہ اے محبوب! جب اللہ تعالیٰ ہی مستقل بالذات علم وقدرت والا ہے۔۔۔

(تو اس کو پوجو) اور اسی کو پوجتے رہو (اور اُس پر) اور صرف اسی پر (بھروسہ رکھو)۔

اس لیے کہ انسان کی سعادت کا پہلا درجہ اللہ کی عبادت ہے اور آخری درجہ اللہ پر توکل ہے۔

جان لو (اور) یقین رکھو کہ (نہیں ہے تمہارا پروردگار غافل تمہارے کاموں سے)۔ یعنی وہ اطاعت گزاروں کی اطاعت کو ضائع نہیں فرمائے گا، اور منکروں اور سرکشوں کو مزید ڈھیل نہیں دے گا۔ وہ قیامت کے دن سب کو میدانِ حشر میں زندہ کر کے جمع کرے گا اور ہر شخص سے ذرّہ ذرّہ کا حساب لے گا، اور انجام کار نیکو کاروں کو جنت عطا فرمائے گا، اور بدکاروں کو دوزخ میں ڈھکیل دے گا۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے جنت عطا فرمائے اور دوزخ سے محفوظ رکھے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

بعونہ تعالیٰ آج

۱۸ ربجمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲ رجون ۲۰۱۰ء

بروز چہار شنبہ سورۂ ہود کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآن کریم کی

تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

طالب دعا

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

بفضلہ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۸؍جمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲؍جون ۲۰۱۰ء

بروز چہارشنبہ، سورۂ یوسف کی تفسیر کا آغاز ہوگیا۔

دعاگو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ پورے قرآن کریم کی

تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَةُ يُوْسُف
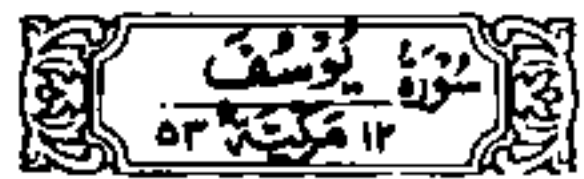
سورۂ یوسف مکیہ ۱۱۱ آیا تہا ۱۲ رکوعا تہا

اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ یوسف اس لیے کہتے ہیں، کہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالاتِ زندگی بیان کیے گئے ہیں۔اس کے علاوہ اور کسی سورت میں آپ کا مفصل تذکرہ نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔سورۂ انعام اور سورۂ مومن کے علاوہ کسی سورت میں آپ کا اسم مبارک بھی مذکور نہیں۔ یہ سورت مکی ہے، جو سورۂ ہود کے بعد اور الحجر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔اور جمہور کے قول کے مطابق ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ترپن [۵۳] ہے۔ اور جس قدر تفصیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، قرآنِ مجید میں کسی اور نبی کا قصہ اس قدر تفصیل کے ساتھ نہیں ذکر کیا گیا۔

یہود کے عالموں نے بعض اشرافِ عرب سے یہ بات کہی، کہ محمد ﷺ سے سوال کرو، کہ شام سے مصر میں اولادِ یعقوب علیہ السلام کے آنے کا کیا سبب ہے، اور یوسف علیہ السلام کا قصہ کیا تھا۔تو یہ سورۂ نازل ہوئی۔ایسی مبارک سورت کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے)، جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور خاص کر کے مومنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱

ال راء۔۔۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔۔۔●

(الٓرٰ)

اللہ تعالیٰ ہی جانے اس سے اپنی مراد کو۔۔یا۔۔پھر خدا کے علم دینے سے وہ جانے، جس کی ذات پر ان کلمات کا نزول فرمایا گیا ہے۔۔یا۔۔خدا کے وہ محبوبین ومقربین جانیں، جن پر ان کلمات کا راز منکشف کر دیا گیا ہے۔اور جب یہ راز کی بات ہے، تو اس کے تعلق سے کسی طرح کی تاویل وتوجیہہ اور معنی آفرینی نہ کرنا ہی اسلم طریقہ ہے۔۔المختصر۔۔اللہ: جس کی وحدت وانفراد، اظہر من الشمس ہے۔لطیف: جس کا لطف لطائفِ احدیت جاننے والوں پر ہے۔رحمٰن ورحیم: جس کی رحمت ہر مخلوق پر ہے، وہ شاہد ہے، کہ۔۔۔

(یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی) یعنی ایسی سورت کی جس کا اعجاز ظاہر ہے۔۔یا۔۔غور وتامل کرنے والوں پر اس کے معنی کھلے ہوئے ہیں۔۔یا یہ۔۔سورت بیان کرنے والی ہے اس قصے کو، جس کے تعلق سے یہودیوں نے سوال کیا تھا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲

بیشک ہم نے نازل فرمایا اس کو عربی قرآن، کہ تم عقل سے کام لو●

(بے شک ہم نے نازل فرمایا اس کو عربی قرآن)، یعنی ہم نے اس سورت کو عربی زبان میں بھیجا۔

اس مقام پر قرآن کے ایک حصے کو قرآن فرمایا گیا ہے۔اس سے بتانا یہ ہے، کہ پورا قرآنِ کریم تو قرآن ہے ہی، اس کی ہر ہر سورہ۔۔بلکہ۔۔ہر ہر آیت بھی قرآن ہی ہے۔ اس کو عربی زبان میں اس لیے نازل فرمایا گیا۔۔۔

تا **(کہ)** اَے عرب والو! اپنی مادری زبان میں ہونے کے سبب، **(تم)** اس کو اچھی طرح سمجھ سکو اور اس پر کماحقہٗ ایمان لاکر اور اس کی ہدایات پر عمل کر کے **(عقل سے کام لو)** اور اس کے معنی کو پہنچ جاؤ اور تم پر حجت قائم ہو جائے۔اس واسطے، کہ اگر ہم کسی دوسری زبان میں بھیجتے، تو اس کے سمجھنے سے تم عذر کرتے اور نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اس پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے سے اپنے کو

معذور قرار دیتے، اور اس طرح اپنے انکار کا بہانہ تلاش کر لیتے۔ خیر سنو!۔۔۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ

ہم سناتے ہیں تمہیں بڑا اچھا واقعہ، جو کہ وحی بھیجا ہم نے تمہاری طرف یہ قرآن۔

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾

گو تم پہلے بے خبر تھے●

(ہم سناتے ہیں تمہیں بڑا اچھا واقعہ) یہ اس جہت سے بہتر ہے، کہ اس میں عجائب غرائب حکمتیں اور عبرتیں ہیں۔۔یا۔۔ یہ قصہ اور قصوں سے اس واسطے احسن ہے، کہ جس کا یہ قصہ ہے، وہ آدمیوں میں احسن یعنی بہت حسین تھے۔۔یا یہ کہ۔۔ اَحْسَنَ الْقَصَصِ کا معنیٰ 'اعجب القصص' ہے، یعنی یہ قصہ بہت ہی عجیب ہے۔

روایت ہے، کہ بعض صحابہ نے نبی کریم سے عرض کیا، آپ کوئی قصہ ہمیں سنائیں اس پر رب کریم نے اپنے محبوب سے کہا، کہ لو ہم تجھے خبر دیتے ہیں وہ جو تمام خبروں سے بہتر ہے۔ وہ وہی ہے۔۔۔

(جو کہ) بذریعہ (وحی بھیجا ہم نے تمہاری طرف)، یعنی (یہ قرآن) پڑھی ہوئی سورت۔ (گو تم) یہ سورت نازل ہونے سے (پہلے بے خبر) اور ناواقف (تھے)، یعنی یہ قصہ جاننے سے تو غافل تھا۔۔نیز۔۔ غیر متوجہ تھا اور یہ غفلت و بے توجہی بُری نہیں ہے۔ اَے محبوب! یوسف علیہ السلام کے اس عرض پیش کرنے کے وقت کو یاد کرو۔۔۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

جب کہ کہا یوسف نے اپنے باپ کو " کہ بابا جان، میں نے واقع میں خواب دیکھا، گیارہ ستارے

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾

اور سورج و چاند کو، سب کو دیکھا کہ میرا سجدہ کر رہے ہیں"●

(جبکہ کہا یوسف نے اپنے باپ کو، کہ بابا جان میں نے واقع میں خواب دیکھا، گیارہ ستارے اور سورج و چاند کو، سب کو دیکھا کہ میرا سجدہ کر رہے ہیں)۔

اس خواب بیانی کا مختصر سا قصہ یہ ہے، کہ یوسف علیہ السلام بارہ[۱۲] برس کی عمر میں جمعہ کی شب

اپنے باپ کی گود میں سوتے تھے کہ دفعتاً گھبرائے ہوئے نیند سے چونکے۔ یعقوب علیہ السلام نے پوچھا: بیٹا تجھے کیا ہوا؟ یوسف علیہ السلام نے اپنا مذکورہ بالا خواب بیان کر دیا۔ اس خواب کی تفصیل یہ تھی، کہ حضرت یوسف نے دیکھا، کہ وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے ہوئے ہیں جس کے ارد گرد نہریں جاری تھیں اور ہرے بھرے درخت لگے ہوئے تھے، کہ آسمان سے یہ ستارے اور چاند سورج اترے اور سبھوں نے ان کا سجدہ کیا، اور وہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔

اس خواب کو سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھ لیا، کہ یوسف علیہ السلام بلند مرتبہ پائیں گے۔ گیارہ ستارے ان کے گیارہ بھائیوں کی طرف اشارہ ہے، اور چاند سورج حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی بی بی سے عبارت ہے، جو یوسف علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ یہ سب یوسف علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر کریں گے۔ یہ سن کر حضرت یعقوب نے سوچا، کہ اگر یوسف کے بھائی یہ خواب سنیں گے، تو اُسے ہلاک کرنے کا ارادہ کریں گے، اس لیے آپ نے یوسف علیہ السلام کو۔۔۔

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ

جواب دیا "کہ اے بیٹا، مت ظاہر کرنا اپنے خواب کو اپنے بھائیوں پر، کہ تمہیں کوئی دھوکا دے دیں۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝

کیونکہ بلاشبہ شیطان انسان کیلئے کھلا دشمن ہے●

(جواب دیا، کہ اے بیٹا مت ظاہر کرنا اپنے خواب کو اپنے بھائیوں پر، کہ تمہیں کوئی دھوکا دے دیں)۔ چونکہ یہ دھوکا اور حیلہ شیطانی وسوسہ کے سبب سے ہوتا ہے، اور شیطان ہی انسانوں کو اس طرح کے مکر وحیلے میں لگاتا ہے۔ (کیونکہ بلاشبہ شیطان انسان کے لیے کھلا دشمن ہے)۔ لہٰذا وہ اس فکر میں لگا رہتا ہے، کہ کیسے؟ کب؟ اور کس کو؟ صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہی میں ڈال دے۔ اس لیے اس خواب کو صیغۂ راز ہی میں رکھنا۔۔۔

وَكَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

اور اسی طرح چنے گا تم کو تمہارا پروردگار، اور سکھائے گا تم کو ساری باتوں کے انجام کار بتانے کو، اور پوری فرما دے گا اپنی نعمت کو

عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ

تم پر، اور یعقوب کی اہل وعیال پر، جس طرح پورا فرمایا تھا اسے تمہارے باپ دادا دونوں پر پہلے سے ہی، ابراہیم

وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

واسحٰق پر۔ بے شک تمہارا پروردگار دانا حکمت والا ہے''●

(اور) سن لو! کہ جس طرح تجھے ایسے خواب کے ساتھ برگزیدہ کیا، کہ اپنے بھائیوں پر تیری بلندی وبزرگی کی دلیل ہے (اسی طرح چنے گا تم کو تمہارا پروردگار) تجھے حکومت اور سلطنت کے ساتھ (اور سکھائے گا تم کو ساری باتوں کے انجام کار بتانے کو) خواب کی تعبیروں سے۔۔یا۔۔نازل کی ہوئی کتابوں کی مشکل باتیں حل کرنے سے، (اور پوری فرمادے گا اپنی نعمت کو تم پر)، یعنی تمہیں نبوت سے سرفراز فرمائے گا۔ (اور یعقوب کی اہل وعیال پر) یعنی یعقوب علیہ السلام کی نسل پر، کہ اس میں انبیاء علیہم السلام پیدا فرمائے گا۔

یہ بھی تفسیر کی گئی ہے، کہ آلِ یعقوب علیہ السلام سے برادرانِ یوسف علیہ السلام مراد ہیں، جنہیں ایک قول کے بموجب پیغمبر کہتے ہیں۔

۔۔الغرض۔۔تم پر اور آلِ یعقوب پر اسی طرح نعمت پوری فرمائے گا (جس طرح پورا فرمایا تھا اسے تمہارے باپ دادا دونوں پر پہلے سے ہی) یعنی (ابراہیم واسحٰق پر)۔ حضرت ابراہیم پر تو خلت اور رسالت اور آتش نمرود سے نجات دے کر، اور حضرت اسحٰق پر ان کے صلب سے یعقوب علیہ السلام اور اسباط کو پیدا کر کے۔ (بے شک تمہارا پروردگار دانا) ہے، کہ کون شخص برگزیدہ ہونے کا استحقاق رکھتا ہے اور (حکمت والا ہے) یعنی محکم کار اور درست کردار ہے، کہ جو کچھ چاہے وہ کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۷

بلاشبہ یوسف اور انکے بھائیوں میں کئی نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کیلئے●

(بلاشبہ یوسف اور ان کے بھائیوں) کی حکایت (میں کئی) قدرت کی (نشانیاں) اور حکمت کی دلیلیں (ہیں پوچھنے والوں کے لیے) اور ان کے سوا اور لوگوں کے لیے بھی۔

اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو حضرت یوسف علیہ السلام سے تاکید کر دی تھی، کہ وہ اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کریں گے، مگر باپ بیٹے کی

مذکورہ بالا آپس کی گفتگو کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بعض بھاوجوں نے سن لیا اور مغرب کی نماز کے وقت جب ان کے شوہر گھر میں آئے، تو ان کی جورووں نے اُن سے حال بیان کیا۔ انہیں حسد پیدا ہوا، اور پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کام تمام کرنے کی تدبیر میں مشغول ہو گئے۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی تھے، جن میں ایک کا نام بن یامین تھا اور یہ حقیقی بھائی تھا۔ اور چھ سوتیلے بھائی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ کے بیٹے تھے۔ مزید چار سوتیلے بھائی دو حرموں سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چاہتے تھے، اور ان کے بعد ان کے برادر بن یامین سے محبت فرماتے تھے۔ یہ چیز دوسرے بھائیوں کو ناگوار لگی۔

تو چشمِ ادراک میں حاضر کر لو اُسے۔۔۔

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

جب کہ سب نے کہا" کہ یوسف اور انکا بھائی زیادہ پیارے ہیں ہمارے باپ کو، حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔

إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨﴾

بیشک ہمارے باپ صاف صاف محبت کی مستی میں ہیں●

(جبکہ) یوسف علیہ السلام کے (سب) بھائیوں (نے) آپس میں سرگوشی کی اور (کہا کہ **یوسف اور ان کا بھائی زیادہ پیارے ہیں ہمارے باپ کو حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں**) یعنی ہم لوگ طاقتور اور کارگزار ہیں، اور وہ دونوں کمسن اور بیکار ہیں، تو چاہیے کہ ہمارا باپ ہمیں زیادہ چاہتا۔ چونکہ دو عاجز کمزوروں کو ہم دس قویوں کے اوپر انہوں نے ترجیح دی اور عزیز کر لیا، تو (**بے شک ہمارے باپ صاف صاف محبت کی مستی میں ہیں**) اور وفورِ محبت کی وجہ سے ان سے خطا واقع ہو گئی ہے، اور وہ راہِ صواب سے دور جا پڑے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق جب شیطان نے ان سے یہ کلمات سنے، تو ایک بوڑھے آدمی کی صورت پر ان کے سامنے ظاہر ہوا، اور بولا کہ یوسف تمہیں غلام بنانا چاہتا ہے۔ یہ لوگ بولے: بڑے میاں پھر کیا تدبیر ہے، شیطان نے کہا۔۔۔

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ

مارڈالو یوسف کو، یا انھیں پھینک آؤ کسی جگہ، کہ تمہارے باپ کا رخ تمہارے لئے رہ جائے،

وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿٩﴾

اور اس کے بعد ہوجاؤ نیک"●

(مارڈالو یوسف کو)۔

ایک قول کے مطابق یہ مشورہ خود یوسف علیہ السلام کے کسی ایک بھائی نے دیا تھا، کہ انہیں قتل کردو۔

(یا) اگر تم انہیں قتل کرنا نہیں چاہتے، تو باپ سے انہیں دور کردینے کی دوسری شکل یہ ہے، کہ (انہیں پھینک آؤ کسی جگہ) یعنی کسی ایسی زمین پر جو ہماری اس بستی سے دور ہو۔۔یا۔۔ایسی جگہ جہاں درندے ہوں ۔۔الغرض۔۔انہیں غائب کردو، تا (کہ تمہارے باپ کا رخ تمہارے لیے رہ جائے) ۔۔۔ظاہر ہے کہ جب یوسف پاس نہ ہوں گے، تو باپ کی پوری توجہ تمہاری طرف ہی رہے گی۔۔۔ (اور اس کے بعد) یعنی یوسف علیہ السلام کا کام تمام کرنے کے بعد، (ہوجاؤ نیک) یعنی توبہ کرکے صالحین میں شامل ہوجاؤ۔

یہ بھی شیطان کے مکر میں سے ایک مکر ہے، کہ توبۂ فردا کی امید پر گناہ کراتا ہے، حالانکہ کل کے عذر کے لیے کل کی عمر چاہیے اور عمر پر کچھ اعتماد نہیں۔۔المختصر۔۔آپس میں یہ مشورے ہو ہی رہے تھے، کہ۔۔۔

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا، "کہ یوسف کو مار نہ ڈالو اور انہیں ڈال دو کنوئیں کی اندھیریوں میں،

يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿١٠﴾

لے لے گا ان کو کوئی راہ چلتا، اگر تم کو یہ کرنا ہے"●

(ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا)، وہ یہودا تھا۔۔یا۔۔روبیل، (کہ یوسف کو مار نہ ڈالو اور انہیں ڈال دو کنویں کی اندھیریوں میں۔۔لے لے گا ان کو کوئی راہ چلتا) اور وہ انہیں کسی اور زمین میں لیتا جائے گا اور تم اس سے چھوٹ جاؤ گے۔۔یعنی جب تمہاری غرض اس کا نہ ہونا ہے، تو یہ کرنا چاہیے جو

میں نے کہا (اگر تم کو یہ کرنا ہے)۔ یعنی اگر تم میرے مشورے پر کام کرنا چاہتے ہو، تو یہی کرو جو میں نے تم سے کہا۔

سب نے اس مشورہ کو قبول کرلیا اور سب اسی پر متفق ہو گئے اور اپنے والد کے پاس آ کر بولے، کہ آج کل فصل بہار آئی ہے، سبزے زمین پر اُگے ہیں، کیا خوب بات ہو، کہ آپ یوسف کو ہمارے ساتھ صحراء میں بھیجیں، کہ ایک دن تفریح اور تماشے میں بسر کریں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: کہ یوسف کے رخساروں کی بہار کے بغیر میں بلبل خزاں دیدہ کے مثل ہو جاؤں گا۔ یہ بات روا نہ رکھو، کہ تم گلزار میں ہو اور میں ہجرِ یوسف کے کانٹوں میں گرفتار ہوں۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے مایوس ہو کر یوسف علیہ السلام کے پاس گئے اور صحرا اور سبزہ کی بہار اور تماشے کا کچھ حال بیان کیا۔ یوسف علیہ السلام نے جب اچھے مناظر کا حال سنا، تو ان کا دل صحرا کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ والدِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر سیر کو جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو بڑی فکر اور دور اندیشی پیدا ہوئی۔۔تو۔۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

سب نے مل کر عرض کیا" کہ اے ہمارے باپ، آپکو کیا ہے کہ آپ امین نہیں بناتے ہم کو یوسف پر، حالانکہ ہم انکے خیر خواہ ہیں●

(سب) بھائیوں (نے مل کر عرض کیا، کہ اَے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہے، کہ آپ امین نہیں بناتے ہم کو یوسف پر) اور یوسف کے تعلق سے ہم پر اعتماد نہیں کرتے، اسی لیے ہمارے ساتھ بھیجنے میں تامل فرماتے ہیں، (حالانکہ ہم ان کے خیر خواہ ہیں) اور نہایت درجہ اس پر مہربان ہیں۔۔تو۔۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

بھیج دیجیے انھیں ہمارے ساتھ کل، کہ وہ کھائیں کھیلیں، اور ہم سب انکی نگرانی کرنیوالے ہیں"●

(بھیج دیجیے انہیں ہمارے ساتھ کل، کہ وہ) آسودہ ہو کر میوے اور پھل (کھائیں) اور (کھیلیں) کودیں، یعنی تیر لگائیں، اونٹ دوڑائیں، وغیرہ (اور ہم سب اس کی نگرانی کرنے والے ہیں) مکروہ باتوں سے، درندوں سے اور سانپ بچھوؤں سے۔ اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ

جواب دیا" کہ مجھے اس کا رنج ہے کہ تم انھیں لے جاؤ، اور مجھے خطرہ ہے کہ بھیڑیا ان کو کھا جائے،

وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور تم بے خبر رہو" ●

(جواب دیا: کہ مجھے اس کا رنج ہے کہ تم انہیں لے جاؤ) میرے سامنے سے۔اس واسطے، کہ اس کی جدائی مجھے سخت ناگوار ہے اور اس کو دیکھے بغیر صبر کرنا بہت دشوار ہے۔(اور)۔۔مزید براں۔۔ (مجھے خطرہ ہے کہ بھیڑیا ان کو کھا جائے) اس واسطے، کہ جس زمین پر تم جانا چاہتے ہو، وہاں بھیڑیے بہت ہیں۔مبادا کوئی بھیڑیا اس پر جھپٹے (اور) کھیل تماشے میں مشغول رہنے کی وجہ سے۔۔یا۔۔اس کی محافظت میں اہتمام کی کمی کے سبب (تم بے خبر رہو)۔یہ سن کر۔۔۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

سب نے عرض کیا، کہ "اگر بھیڑیا نے انہیں کھا لیا اور ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں، تو پھر ہم ناکارہ ہوئے" ●

(سب نے عرض کیا! کہ اگر بھیڑیا نے انہیں کھا لیا اور) وہ بھی ہمارے دیکھتے ہوئے، جبکہ حال یہ ہے، کہ (ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں) قوی ہیں، زبردست ہیں، کہ ہم میں سے ہر ایک دس شیروں سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ایسی صورت میں (تو پھر ہم ناکارہ) ثابت (ہوئے)، کہ ہمارے سامنے کوئی بھیڑیا انہیں اٹھا لے جائے اور ہم دیکھتے ہی رہ جائیں اور اس کے بچاؤ کے لیے کچھ کر نہ سکیں۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی بڑی بڑی باتیں سنیں اور ان کا اصرار دیکھا اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی صحراء کی طرف سیر و تفریح کے لیے جانے پر آمادہ پایا، تو رنج مفارقت سہنے پر اپنے دل کو مضبوط کیا اور قضائے الٰہی پر راضی ہو کر حکم دیا۔اور ان کے فرمانے کے بموجب سب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا سر ملا، بدن دھویا، بالوں میں کنگھی کی، نئے کپڑے پہنائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کرتا جو میراث میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا تھا، وہ کُرتا تعویذ کی طرح یوسف علیہ السلام کے بازو پر باندھا اور آپ بیٹوں کے ساتھ ساتھ انہیں پہنچانے کو 'شجرۃ الوداع' تک، کہ کنعان کے دروازے پر تھا، تشریف لائے، اور یوسف علیہ السلام کو گود میں لے کر رونے کی حالت میں رُخصت کیا۔

یوسف علیہ السلام نے جب اپنے والدِ ماجد کو روتے دیکھا، تو ان کے رخسارے جو گلاب کی پنکھڑی کے مانند تھے، انہیں بھی گلاب کے قطرے دھونے لگے اور آبدار موتیوں کے

دانے پلک کی نوک میں پرونے لگے، اور بولے باباجان رونے کا سبب کیا ہے؟ یعقوب علیہ السلام نے زبانِ حال سے یہ مضمون اپنے نورِ بصر کو سنایا، کہ اے یوسف تیرے اس جانے سے بڑے غم کی بو مشامِ دل میں پہنچتی ہے۔ نہیں معلوم کہ انجام کار کیا ہونا ہے۔ بیٹا مجھے بھولنا نہیں، میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے نہ بھولوں گا۔

پھر اپنے بیٹوں سے یوسف علیہ السلام کی محافظت کے باب میں بہت تاکید فرمائی، اور بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کاندھے پر چڑھا کر سیر گاہ کی راہ لی۔ یعقوب علیہ السلام انہیں دیکھتے رہے اور فرزندِ ارجمند کی ملاقات کے شوق میں روتے رہے۔ جب بیٹے ان کی نظر سے غائب ہوئے، تو یعقوب علیہ السلام کنعان کی طرف واپس ہوئے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ

پھر جب سب لے گئے انکو، اور سب کی رائے ہوئی کہ ڈال دیں انکو کنوئیں کی تاریکیوں میں، اور وحی بھیجی ہم نے ان

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

کی طرف، "کہ ضرور تم انہیں بتادو گے انکے اس کئے کو، اور وہ نہ پہچانتے ہونگے"●

(پھر جب سب لے گئے، ان کو) تو ان کے ساتھ کیا جو کیا، اور والدِ بزرگوار کی نصیحتوں کو بالائے طاق رکھ کر یوسف علیہ السلام کو زمین پر دے مارا اور طعن شروع کر کے کہنے لگے، کہ او جھوٹا خواب دیکھنے والے، وہ ستارے کہاں ہیں جنہوں نے تجھے سجدہ کیا تھا۔ اب آکر ہمارے ہاتھ سے تجھے چھڑالیں۔ یوسف علیہ السلام بولے کہ بھائیو! تمہیں کیا ہو گیا ہے: ذرا پیرِ کنعاں کا حال یاد کرو اور میرے بچپنے اور کم طاقت ہونے پر رحم کرو۔

القصہ یوسف علیہ السلام کی باتوں پر بھائیوں نے کچھ التفات نہ کیا، اور ان کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور مٹی اور ویران وخراب زمین میں بھوکا پیاسا، منہ کے بل کھینچتے تھے، کہ یوسف علیہ السلام ہلاک ہونے کے قریب پہنچ گئے۔ یہودا نے یہ حال دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو اپنے دامنِ حمایت کے نیچے لے لیا اور بھائیوں سے کہا، کہ دستِ تعدی روکو۔ کیا تم نے مجھ سے عہد نہیں کیا ہے، کہ اُسے قتل کرنے کا قصد ہم نہ کریں گے۔ تو ان بھائیوں کا غصہ تھما اور یوسف علیہ السلام کو گھسیٹ کر مار ڈالنے سے درگزرے۔

(اور) پھر (سب کی رائے) یہ (ہوئی کہ ڈال دیں ان کو کنوئیں کی تاریکیوں میں)۔

وہ ایک کنواں کنعان سے تین[۳] کوس دور بیت المقدس کے قریب تھا۔۔یا۔۔زمین اردن میں تھا۔کنویں کا منہ چھوٹا سا تھا اور گول، وہ کنواں بہت گہرائی لیے ہوئے تھا، یعنی ستر[۷۰] گز۔۔ یا۔۔اس سے زیادہ گہرا تھا، تو یوسف علیہ السلام کو کنویں کے منہ پر لائے۔انہوں نے جب سنا، کہ مجھے کنویں میں ڈالتے ہیں، تو ہر ایک کو لپٹنے لگے اور ہر ایک کا دامن پکڑتے تھے۔بھائیوں نے ان کے ہاتھ بھی باندھ دیے اور ان کی کمر میں رسی مضبوط باندھ کر کنویں میں لٹکا دیا۔

یوسف علیہ السلام کے پیراہن کا دامن اس پتھر سے اٹکا جو کنویں کے منہ پر تھا، پیراھن بھی ان کے بدن پر سے کھینچ لیا۔جب کنویں کے بیچ یوسف علیہ السلام پہنچے، تو بھائیوں نے رسی کاٹ دی اور جناب الٰہی سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم پہنچا، کہ لے میرے بندے کو۔ یوسف علیہ السلام کنویں کی تہہ تک نہ پہنچنے پائے تھے، کہ حضرت جبرائیل نے کنویں میں پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پنجے میں لے لیا، اور کنویں کی تہہ پر ایک پتھر تھا اس پر آرام سے بٹھا دیا، اور بہشت کا کھانا پینا انہیں دیتے تھے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا کرتا جو تعویذ کی طرح ان کے بازو پر بندھا تھا، کھول کر اُسے پہنا دیا۔۔۔

(اور وحی بھیجی ہم نے ان کی طرف) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے۔۔یا۔۔ہم نے انہیں الہام کیا، کہ غمگین نہ ہو: عنقریب تجھے چاہ سے نکال کر مسندِ جاہ پر ہم پہنچاتے ہیں اور تیرے بھائیوں کو حاجت مند کر کے تیرے پاس لاتے ہیں۔ پھر ایسا ہوگا (کہ ضرور تم انہیں بتادو گے ان کے اس کیے کو) اور یہ رنج جو تمہیں دیا ہے سب کچھ ان پر واضح کر دو گے۔ (اور) اس وقت صورتِ حال یہ ہوگی، کہ (وہ) تم کو (نہ پہچانتے ہوں گے) کہ تم یوسف ہو۔اس لیے، کہ اس وقت تمہارا درجہ اتنا بلند اور عالی ہوگا، کہ ان کا گمان اس بات کی طرف جا ہی نہ سکے گا، کہ یہ میرے بھائی یوسف ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔تھوڑے زمانہ کے بعد یہ صورت ظاہر ہوئی، کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے پاس آئے اور انہیں پہچان نہ سکے۔جس کا بیان آگے انشاء المولیٰ تعالیٰ آئے گا۔۔ قصہ مختصر۔۔ جب برادرانِ سیدنا یوسف علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال چکے اور وہاں سے واپس ہوئے، تو باپ سے گفتگو کرنے کے لیے ایک فرضی واقعہ گڑھ کر ایک روداد تیار کر لی۔۔چنانچہ۔۔گلے میں جا کر ایک خصی ذبح کیا، اس کے خون سے حضرت یوسف کا جو پیراہن اُتار لیا تھا، اُسے تر کیا۔۔۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾

اور سب آئے اپنے باپ کے پاس، رات ہونے پر روتے ہوئے●

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ

سب نے کہا "کہ اے ہمارے باپ، ہم دوڑنے چلے گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس رکھ چھوڑا، تو ان کو بھیڑیا کھا گیا۔

وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾

اور آپ ہماری مانتے نہیں، گو ہم سچے ہوں"●

(اور) پھر (سب آئے اپنے باپ کے پاس رات ہونے پر روتے ہوئے)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب بیٹوں کے رونے کی آواز سنی، تو حیران و پریشان ہو کر گھر کے باہر نکل آئے اور بولے اے بیٹو! تمہیں کیا ہوا اور میرا یوسف کہاں ہے، اُسے میں نہیں دیکھتا ہوں۔ (سب نے کہا کہ اے ہمارے باپ! ہم دوڑنے چلے گئے) یعنی ہم جب صحراء میں گئے، تو دوڑنے اور تیر لگانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔ (اور) صورتِ حال یہ تھی، کہ ہم نے (یوسف کو) تنہا سامان کی حفاظت کے لیے (سامان کے پاس رکھ چھوڑا) تھا، (تو ان کو بھیڑیا کھا گیا اور) ہماری ذات سے جو بدگمانی اور بے اعتمادی ہے، اس وجہ سے (آپ ہماری مانتے نہیں) اور ہمیں سچا نہیں سمجھتے (گو ہم سچے ہوں)۔ اور اس بات پر کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، ہم ایک اور دلیل بھی رکھتے ہیں، اور وہ ان کا پیراہن ہے۔۔۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۗ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۗ

اور لگا لائے ان کے کرتہ پر جھوٹا خون۔ جواب دیا، "کہ بلکہ بنالی تمہارے لئے تمہاری طبیعتوں نے ایک بات۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۗ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

تو صبر اچھا۔ اور اللہ کی مدد مانگی گئی ہے اس پر جو تم بتاتے ہو"●

(اور لگا لائے ان کے کرتے پر جھوٹا خون)، یعنی یوسف علیہ السلام کا پیراہن اپنے باپ کے پاس جھوٹے خون میں تر کر کے لائے۔ یعقوب علیہ السلام نے پیراہن خون میں بھرا جو دیکھا، تو ان کے دل میں یوسف علیہ السلام کے ہلاک ہونے کا دغدغہ پیدا ہوا، مگر چونکہ پیراہن کے کنارے ثابت تھے، تو فرمایا کہ عجیب بھیڑیا تھا، کہ یوسف کو تو کھا گیا، مگر پیراہن سے کچھ تعرض نہ کیا۔

پھر غصہ کی راہ سے کہا اور (جواب دیا) اپنے بیٹوں کو (کہ) تم جو کہتے ہو ایسا نہیں ہے، (بلکہ بنالی) ہے (تمہارے لیے تمہاری طبیعتوں نے ایک بات) جس نے ایک بڑے کام یعنی یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کو تمہارے لیے آسان بنادیا، (تو) ایسے وقت میں میرے لیے (صبر اچھا) ہے۔ یعنی میرے لیے تحمل بہتر ہے، جس کی وجہ سے مجھے کوئی شکایت نہیں۔۔ ہاں۔۔ یہ ضرور ہے (اور) یہ میرے حال کے مناسب ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (کی مدد مانگی گئی ہے) اور وہی 'مستعانِ خلق' ہے، تو میں اُسی سے مدد چاہتا ہوں (اس پر جو تم بتاتے ہو)، اور یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کے تعلق سے بیان کرتے ہو۔

روایت ہے، کہ یوسف علیہ السلام تین۳ دن کنویں میں رہے، چوتھے دن صبح کو نجات کی خوشخبری انہیں پہنچی۔۔۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَٰبُشْرَىٰ

اور آگیا ایک قافلہ، تو بھیجا اپنے پانی بھرنے والے کو، تو اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ بولا واہ وا،

هَٰذَا غُلَٰمٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَٰعَةً ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

یہ لڑکا۔ اور سب نے ان کو چھپالیا مالِ تجارت بنا کر۔ اور اللہ دانا ہے جو وہ کریں●

(اور آگیا ایک قافلہ) اس کنویں کے پاس جو مدین سے مصر کی طرف جارہا تھا۔ (تو) قافلہ والوں نے (بھیجا اپنے پانی بھرنے والے کو) یعنی اہل مدین میں سے مالک بن دعر الخزاعی کو، 'قافلہ کے واسطے مال کھینچنا جس سے متعلق تھا' پانی لانے کے لیے بھیجا۔۔ چنانچہ۔۔ جب وہ پانی لینے کے لیے کنویں کی جگت پر آیا، (تو اس نے اپنا ڈول) کنویں میں (ڈالا)۔ اُدھر حضرت یوسف 'علیہ السلام' کو وحی پہنچی، کہ ڈول میں بیٹھ جاؤ۔ یوسف 'علیہ السلام' ڈول میں بیٹھ لیے۔ کنویں کی دیواریں حضرت یوسف 'علیہ السلام' کے فراق میں روتی تھیں۔

روایت ہے، کہ مالک ڈول کھینچنے میں حیران ہوا، اس واسطے، کہ ڈول بہت بھاری ہوگیا تھا۔ کنویں میں جھک کر اس نے دیکھا اور یوسف علیہ السلام کو ڈول میں دیکھ کر۔۔۔

(بولا واہ وا یہ لڑکا) ہے۔ یعنی یہ خوشخبری اور خوش بختی کی بات ہے، کہ اس میں ایک حسین و جمیل لڑکا ہے۔

بعضوں نے کہا، کہ بُشریٰ اس کے دوست کا نام تھا، جس کو اس نے اپنی مدد کے لیے پکارا۔

پھر دونوں نے مل کر حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا۔

(اور سب نے ان کو چھپالیا) قافلہ والوں سے (مال تجارت بنا کر) ۔۔یا۔۔ یوسف علیہ السلام کا حال قافلہ والوں سے چھپایا، اور یہ کہا کہ ان پانے والوں نے اُسے میرے سپرد کیا ہے، کہ ان کے واسطے مصر میں لے جا کر فروخت کردوں۔

بعضوں نے کہا، کہ اس کا معنی یہ ہے، کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کا حال چھپایا اور کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے، اور یہ اس طرح کہ جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کی خبر پائی، تو قافلہ میں آئے اور بولے یہ ہمارا غلام ہے اور ہمارے پاس سے بھاگ آیا ہے، اسے تم مول لے لو۔

(اور اللہ) تعالیٰ (دانا ہے جو وہ کریں) یعنی یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے بھائی اور باپ کے ساتھ جو کیا۔۔یا۔۔ قافلے والے یوسف علیہ السلام کا حال جو چھپاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے باخبر ہے۔ اس سے کچھ چھپا نہیں۔

روایت ہے، کہ جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو عبرانی زبان میں ان سے کہا 'جسے قافلے والے نہیں سمجھ سکے'، کہ جو کچھ ہم کہیں اگر تو اس کے خلاف کہے گا، تو ہم تجھے قتل ہی کر ڈالیں گے۔ یوسف علیہ السلام چپ کھڑے رہے اور بھائیوں نے مالک سے یہ بات کہی کہ ہمارا غلام بھگوڑا ہے اور نافرمان۔ کام میں جی نہیں لگا تا ہم اسے بیچتے ہیں، تم اسے مول لے لو اور اپنے ساتھ اور کسی شہر میں لے جاؤ، کہ ہم سے یہ دور ہو جائے اور اس کی خبر ہم نہ سنیں۔ مالک بولا، کہ زرِ نقد جو میرے پاس تھا، میں نے اس کا مال مول لے لیا ہے۔ ہاں کئی کھوٹے درم میرے پاس باقی ہیں۔ بھائی بولے: کہ تو جانتا ہے، کہ اس غلام کی قیمت تو بہت کچھ ہے، مگر ہم تیرے ہاتھ اُسی قیمت پر بیچتے ہیں، جو تیرے پاس ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا ہاتھ مالک کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔۔۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ

اور بھائیوں نے انھیں بیچ ڈالا، کھوٹے دام سے چند روپے۔

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور ان سے بے رغبت تھے ●

(اور) قصہ مختصر (بھائیوں نے انہیں بیچ ڈالا کھوٹے دام سے چند روپے) کے عوض۔یعنی قیمت بھی کم اور وہ بھی کھوٹے سکے۔

اس زمانے کے لوگوں کی عادت یہ تھی، کہ چالیس[۴۰] درم سے کم گنتے تھے اور زیادہ تو لتے تھے۔ مالک نے اپنے درہم گنے، سترہ[۱۷]۔۔یا۔۔بیس[۲۰] تھے۔ ہر بھائی نے دُو دُو[۲] اٹھالیے، لیکن یہودا نے کچھ نہیں لیا۔۔دراصل۔۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام کچھ مالی منفعت کے خواستگار نہیں تھے۔وہ تو جلد از جلد یوسف علیہ السلام کو اپنے علاقے سے بہت دور کردینا چاہتے تھے۔ تو سچی بات یہی تھی، کہ وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام سے بیزار۔۔۔

(اوران سے بے رغبت تھے)۔۔چنانچہ۔۔وہ یہ نہیں چاہتے تھے، کہ یوسف علیہ السلام ان کے ساتھ رہیں۔

۔۔یا یہ۔۔کہ قافلہ والے انہیں مول لینے میں بے رغبت تھے، اس لیے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے قافلہ والوں سے ان کا تعارف بھگوڑے اور نافرمان غلام کی حیثیت سے کرایا تھا، تو ایسے کو کون خریدنا چاہے گا۔۔بایں ہمہ۔۔انہوں نے بے دلی کے ساتھ خرید لیا، شاید اس خیال سے، کہ اسے کہاں اپنے پاس رکھنا ہے؟ اس کو جلد از جلد فروخت ہی تو کردینا ہے، ہوسکتا ہے اس کو فروخت کرنے سے اچھی قیمت وصول ہوجائے۔

۔۔الختصر۔۔پھر مالک یوسف علیہ السلام کو مصر میں لایا۔اس زمانے میں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید عملیقی تھا۔اس بادشاہ نے اپنے ملک کے کاموں میں تصرف کا اختیار قطفیر۔۔یا۔۔ اطفیر مصری کو دے دیا تھا، کہ اُسے عزیز کہتے تھے۔جب مدین کے قافلے کی خبر مصر میں پہنچی اور عزیز کے گماشتے قافلے کی راہ پر آئے اور یوسف علیہ السلام کو دیکھا، تو ان کے حسن و جمال سے شیفتہ اور حیران ہوکر واپس ہوئے، اور عزیز مصر کو خبر دی اور وہ ایک بی بی رکھتا تھا جس کا نام راعیل۔۔یا۔۔فکار، اور مشہور یہ ہے کہ زلیخا تھا۔

القصہ جب عزیز نے غلام کی خبر سنی تو مالک کو پیغام دیا، کہ اپنے غلام کو نخاس میں لاؤ۔ دوسرے دن یوسف علیہ السلام کو آراستہ کرکے مالک بازار میں لے گیا اور اس جمالِ شیریں کا شور مصریوں میں پڑا۔خریدار قیمت بڑھانے لگے۔ ہر ایک جو قیمت لگاتا، دوسرا آدمی اور کچھ بڑھا دیتا۔یہاں تک نوبت پہنچی، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے برابر تول کر چاندی سونا مشک اور دیبا دینے لگے۔عزیز مصر نے خریداری میں پیش قدمی کی اور قیمت دے کر یوسف علیہ السلام کو اپنے گھر لے گیا۔

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى

اور کہا جس نے ان کو خریدا، مصری نے اپنی بی بی سے" کہ انکو خوب ٹھکانے سے رکھو، ہو سکتا ہے کہ ہمارے

اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ

کام آوے، یا ہم اسکو فرزند بنالیں"۔ اور اس طرح سے مضبوط ٹھکانہ دیا ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں۔

وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ

اور تاکہ سکھادیں ہم ان کو باتوں کے نتیجہ بتادینے کو، اور اللہ غالب ہے اپنے کام میں۔

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

لیکن بہتیرے لوگ نادان ہیں●

(اور) پھر (کہا جس نے ان کو خریدا) مذکورہ بالا (مصری نے اپنی بی بی) زلیخا (سے، کہ ان کو خوب ٹھکانے سے رکھو) یعنی ان سے خوبی کے ساتھ پیش آؤ اور اچھی طرح ان کا خیال رکھو، کیونکہ (ہو سکتا ہے کہ) یہ (ہمارے کام آوے) اور ہمیں نفع پہنچائے زمین و تالاب کے کام میں اور مصالح روزگار کے سرانجام دینے میں، (یا ہم اس کو فرزند بنالیں)۔ کیونکہ عزیز اس قابل نہ تھا، کہ اس کی اولاد ہو۔ چونکہ بزرگی کے آثار حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے سے ظاہر تھے، اس لیے اس کا قلبی جھکاؤ ان کی طرف ہوگیا۔ (اور اس طرح سے) یعنی جس طرح سے یوسف کی محبت کو اس کے دل میں جگہ دی، اسی طرح (مضبوط ٹھکانہ دیا ہم نے یوسف کو اس سرزمین) مصر (میں)۔ یعنی اچھا مکان والا کر دیا اور با اختیار و با اقتدار بنا دیا، تاکہ اس میں تصرف کرے۔

(اور) مصر میں صاحبِ تصرف بنانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے، (تاکہ سکھادیں ہم ان کو باتوں کے نتیجہ بتادینے کو) یعنی خواب کی تعبیروں کو اور کتبِ الٰہی کے معانی کو۔ (اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (غالب ہے اپنے کام میں) کوئی کسی چیز کو اس سے رد نہیں کر سکتا اور کسی چیز میں اس سے نزاع نہیں کر سکتا۔۔ یا یہ۔۔ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے امر یوسف علیہ السلام پر، کہ بھائیوں کی خواہش تھی ان کی ہلاکت اور خواری کی اور اللہ جل شانہ کو مرضی تھی ان کی عزت اور سرداری کی۔ اور وہی ہوا جو خدا نے چاہا تھا۔ (لیکن بہتیرے لوگ نادان ہیں) اور وہ نہیں جانتے، کہ کاموں کی باگ اسی کے قبضہ و مشیت میں ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

اور جب وہ پہنچے اپنی پوری طاقت کو، تو دیا ہم نے ان کو حکم اور علم۔ اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں مخلص بندوں کو●

(اور جب وہ) یعنی یوسف علیہ السلام **(پہنچے اپنی پوری طاقت کو)** اٹھارہ[۱۸]۔یا۔بیس[۲۰] برس کی عمر میں ۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق تیس[۳۰] اور چالیس[۴۰] برس کے درمیان میں، **(تو دیا ہم نے ان کو حکم اور علم)**۔

حکم سے مراد نبوت ۔۔یا۔۔حکمت ہے۔حکمت یعنی وہ علم جو عمل کی تائید کرنے والا ہو ۔۔یا۔۔اس سے مراد دینی علم ہے۔

(اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں مخلص بندوں کو) یعنی نیک کام کرنے والوں کو۔

روایت ہے، کہ جب یوسف علیہ السلام عزیز کے گھر میں آئے، تو اس کے عشق کے بادشاہ نے زلیخا کے خانہ دل میں دخل کیا، اور ان کے حسن کے لشکر نے اس کے صبر وسکون کی متاع لوٹ لی۔ زلیخا نے جب ان کے چہرے پر نگاہ ڈالی، پس دیکھتے ہی بے تاب ہوگئیں۔خوب صورت اور خوب سیرت ہونے کی وجہ سے ان پر ایک دل سے نہیں، بلکہ سو دل سے فریفتہ ہوگئیں۔جب عشق کمال کو پہنچا اور شوق نہایت درجہ بڑھا، تو زلیخا نے اپنا حال یوسف علیہ السلام سے ظاہر کیا۔

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ

اور لبھانا چاہا انہیں اس عورت نے جسکے گھر میں وہ تھے، انکی خودداری سے، اور بند کرلئے سارے دروازے، اور بولی

هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ

آؤ تمہیں کو کہتی ہوں۔ جواب دیا کہ اللہ کی پناہ، بیشک عزیز تو میرا مربی ہے، مجھ کو خوب ٹھکانے سے رکھا۔

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

کیا شک ہے کہ اندھیر مچانیوالے کامیاب نہیں ہوتے●

(اور لبھانا چاہا انہیں اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھے، ان کی خودداری سے) یعنی زلیخا نے ان کی جان سے بے قابو کرنے کے لیے یوسف علیہ السلام کو بہلایا پھسلایا۔اور اپنا مطلب یوسف علیہ السلام سے چاہا اور انہیں اس محل میں لے گئی جس میں سات[۷] گھر ایک کے بعد ایک بنائے تھے۔۔الغرض۔۔

زلیخا اس مکان میں لے گئی (اور) پھر (بند کر لیے سارے دروازے اور بولی آؤ تمہیں کو کہتی ہوں) یعنی جلدی کر اور میرے آگے آ، کہ میں تیرے واسطے ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا، تو (جواب دیا کہ اللہ) تعالیٰ (کی پناہ، بے شک عزیز تو میرا مربی ہے) جس نے (مجھ کو خوب ٹھکانے سے رکھا) اور تجھ سے بھی مجھے اچھی طرح رکھنے کا حکم کیا ہے، تو میں اس کی حرمت اور اس کی نعمت کے حق کی رعایت کر کے اس کے حرم میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ (کیا شک ہے کہ اندھیر مچانے والے کامیاب نہیں ہوتے)، یعنی جو حق نہیں پہچانتے اور نیکی کے بدلے بدی کرتے ہیں، وہ ایسے ظالم ہیں جن کے لیے رسوائی ہی ہے۔۔یونہی۔۔ بدکاری کرنے والے بھی سارے ظالموں سے بدتر ہیں۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ

اور سچ یہ ہے کہ عورت نے تو طے کر لیا تھا ان کو، اور وہ ارادہ کر گزرتے، اگر نہ دیکھ لیتے اپنے پروردگار کی دلیل کو۔

عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

ایسا یوں ہوا، تاکہ دور کر دیں ان سے برائی و بے حیائی کو۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں ●

(اور سچ) تو (یہ ہے کہ عورت نے تو طے کر لیا تھا ان کو، اور وہ ارادہ کر گزرتے، اگر نہ دیکھ لیتے اپنے پروردگار کی دلیل کو)، یعنی عصمتِ الٰہی کا نور اور نبوتِ یوسفی کی روشنی ایک ایسی دلیل تھی، جو یوسف علیہ السلام اور اس کام کے درمیان میں حائل ہوگئی جو خدا کے غصے کا سبب ہو، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے قوتِ نبوت اور مددِ فتوت سے اُس حال میں اپنے تئیں بچا رکھا۔ (ایسا یوں ہوا، تاکہ دور کر دیں ان سے برائی و بے حیائی کو) یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو عصمت و عفت پر ثبات اس لیے عطا فرمایا، تاکہ پھیر دیں ہم اس سے برائی، یعنی عزیز کے حرم میں خیانت کرنے سے اسے باز رکھیں، اور بدکاری کے قریب جانے نہ دیں۔ ویسے بھی (بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں) یعنی ایسے خالص بندے جن کی شان یہ ہے، کہ جو جو بات نہ کرنی چاہیے ان سب سے پاک وصاف کر دیا گیا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے پاس سے بھاگے۔ جس بند دروازے کے پاس پہنچتے، مفتح الابواب جل شانہ کے حکم سے وہ کھل جاتا۔ بی بی زلیخا بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے پیچھے دوڑیں۔۔۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ

اور دونوں بڑھے دروازہ کی طرف، اور عورت نے انکا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا، اور دونوں کو مل گیا عورت کا شوہر دروازہ کے پاس۔

قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾

وہ بولی "نہیں سزا ہے اسکی جس نے ارادہ کیا تمہاری زوجہ سے بری بات کا، مگر یہ کہ قید خانہ میں ڈال دیا جائے، یا دکھ دینے والی سزا دی جائے"●

(اور دونوں بڑھے دروازے کی طرف)۔ ناگاہ بی بی زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام تک پہنچ گئیں اور انہیں پکڑ کر پھر کھینچا (اور) اس کھینچنے کا نتیجہ یہ ہوا، کہ **(عورت نے ان کا کرتا پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور دونوں کو مل گیا عورت کا شوہر)** یعنی عزیز **(دروازے کے پاس)** باہر۔ جب عزیز نے یوسف علیہ السلام اور زلیخا کو مضطرب دیکھا، تو سمجھا کہ ایسی صورت ظاہر ہوئی ہے، کہ یہ دونوں آشفتہ ہیں۔ قبل اس کے، کہ وہ تحقیق کرنے میں مشغول ہو، زلیخا نے پہل کی اور (وہ) دلیروں کی طرح **(بولی نہیں سزا ہے اس کی جس نے ارادہ کیا تمہاری زوجہ سے بری بات کا، مگر یہ کہ قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔۔یا۔۔دُکھ دینے والی سزا دی جائے)**۔

اس گفتگو سے اس نے چاہا، کہ اپنے گناہ سے خود کو بری الذمہ قرار دے اور ایسا ظاہر کرے، کہ یہ یوسف علیہ السلام کا جرم ہے اور خود ہی اس کی سزا بھی تجویز کر دی، کہ ایسے کو قید کر دیا جائے۔۔یا۔۔ بصورتِ دیگر دردناک عذاب دیا جائے۔۔مثلاً: کوڑے وغیرہ لگائے جائیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات سنی، کہ قید اور عذاب سے دھمکاتی ہے، تو۔۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا

جواب دیا "کہ اس عورت نے خود لبھایا مجھ کو میری خودداری سے"، اور گواہی دی انھیں میں سے ایک گواہ نے،

إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۲۶﴾

کہ اگر ان کا کرتہ چاک کیا گیا ہے آگے سے، تو عورت سچی۔ اور یہ جھوٹوں سے●

(جواب دیا، کہ اس عورت نے خود لبھایا مجھ کو میری خودداری سے) اور درخواست کی مجھ سے میری ذات کی، لیکن میں نے اس کی خواہش پوری نہیں کی اور اُس سے بھاگا۔ عزیز مصر نے کہا کہ ہم کیوں کر جانیں، کہ تیری یہ بات سچ ہے؟ کوئی یہ حال جانتا ہے؟ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ہاں اس مکان میں چار مہینے کا ایک لڑکا جھولے میں تھا، وہ میرا گواہ ہے۔ اور وہ لڑکا زلیخا کی خالہ کا لڑکا تھا۔ عزیز

بولا چار مہینے کا بچہ کیا جانے اور کیوں کر بات کرے گا؟ تو میرے ساتھ مہمل بات اور مسخرا پن کرتا ہے۔
یوسف علیہ السلام بولے: میرا خدا اس بات پر قادر ہے، کہ اس کو باتیں کرنے والا کر دے، اور وہ میرے بے گناہ ہونے پر گواہی دے۔

روایت ہے، کہ عزیز نے اس بچہ سے پوچھا، تو کیا کہتا ہے؟ وہ قدرتِ خداوندی سے بولنے لگا اور یہ بات کہی، کہ یوسف علیہ السلام سچ کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس قصہ سے ان الفاظ میں خبر دی۔۔۔

(اور) آگاہ کیا، کہ (گواہی دی انہیں میں سے ایک گواہ نے، کہ اگر ان کا کرتا چاک کیا گیا ہے آگے سے) اس طور پر کہ زلیخا نے یوسف کو اپنے سے دفع کرنے کا قصد کیا، جس کی وجہ سے ان کا گریبان آگے سے پھٹ گیا، (تو عورت) یعنی زلیخا (سچی ہے، اور یہ) مرد یعنی حضرت یوسف (جھوٹوں سے) ہے۔

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور اگر کرتہ پھاڑا گیا ہے پیچھے سے، تو عورت جھوٹی اور یہ سچے●

(اور اگر) صورتِ حال یہ ہو، کہ (کرتا پھاڑا گیا پیچھے سے، تو عورت جھوٹی اور یہ سچے) ہیں۔
اس واسطے، کہ یہ حال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام اس سے بھاگے اور اس نے پیچھے آ کر ان کو اپنی طرف کھینچا، اس لیے کرتا پیچھے سے پھٹ گیا۔

بعضوں نے کہا ہے کہ زلیخا کے چچازاد بھائی نے گواہی دی اور حکمت کی رو سے مذکورہ بالا بات کہی۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ

توجب دیکھا کہ ان کا کرتہ پھاڑا گیا ہے پیچھے سے، فیصلہ کیا کہ بیشک تم عورتوں کا تریا چلتر ہے۔

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

واقع میں تمہارے چلتر بڑے ہیں●

(تو جب دیکھا) عزیز نے (کہ ان کا کرتہ پھاڑا گیا ہے پیچھے سے)، تو زلیخا کی طرف متوجہ ہوا اور غصہ میں آ کر (فیصلہ کیا، کہ) یہ (بے شک تم عورتوں کا تریا چلتر) یعنی عورتوں کا مکر و حیلہ (ہے۔

واقع میں تمہارے چلتر) یعنی مکر وفریب اور چال چھل (بڑے ہیں) جو جلدی دل میں آجاتا ہے اور نفس میں تاثیر کرتا ہے۔ پھر عزیز یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور عذر خواہی کے طور پر کہا۔۔۔

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ

اے یوسف ہٹاؤ اس کو۔۔۔ اور اے مسماۃ! اپنے گناہ کی مغفرت مانگ۔

إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾

ع ۹ / ۱۲

ثابت ہے کہ تو خطا کاروں سے ہے●

(اے یوسف ہٹاؤ اس کو) اور درگزر کرو اور اس بات سے صرفِ نظر کرلو اور اس بات کو پوشیدہ رکھو۔ پھر عزیز زلیخا کی طرف متوجہ ہوا (اور) ان سے کہا (اے مسماۃ! اپنے گناہ کی مغفرت مانگ) اس لیے کہ، یہ (ثابت ہے کہ تو خطا کاروں سے ہے)۔

عزیز نے اگرچہ اس قصے کو دبانا چاہا اور مٹانا چاہا، مگر عشق کی بات کب چھپتی ہے۔ یہ ماجرا کچھ لوگوں کی زبانوں پر آیا اور وہ اِدھر اُدھر بیان کرنے لگے اور مصر کی بعض بیبیاں بی زلیخا کی ملامت کرنے لگیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عشق کو غوغائے ملامت درکار ہے اور سودائے سلامت ناسازوار ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔ اس عشق کا بھی چرچا ہوا۔۔۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ ۖ

اور کہنے لگیں عورتیں شہر بھر میں، کہ "عزیز کی بی بی لبھاتی ہے جوان کو اس کی خودداری سے۔

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٣٠﴾

اس کی محبت اس پر چھاگئی ہے۔ ہماری رائے میں وہ بلاشبہ کھلی سرمستی میں ہے"●

(اور کہنے لگیں عورتیں) خاص طور پر ملک ریان کی پانچ خواصیں (شہر بھر میں)، خاص کر کے شہر مصر کے موضع عین الشمس میں، پاس بیٹھ کر باہم گفتگو کرنے لگیں۔ جن کی گفتگو یہ تھی (کہ عزیز کی بی بی لبھاتی ہے جوان کو اس کی خودداری سے) یعنی اپنے نوجوان غلام کو اس کی جان سے اُسے بے قابو کرنے کے لیے، اُسے بہلاتی پھسلاتی ہے۔ اس لیے کہ (اس کی محبت اس پر چھاگئی ہے۔ ہماری رائے میں وہ بلاشبہ کھلی سرمستی میں ہے) کہ عزیز ایسا شوہر موجود ہوتے ہوئے، اپنے زرخرید غلام پر فریفتہ ہوئی۔ یہ اس کی کھلی ہوئی خطاء اور گمراہی نہیں ہے، تو اور کیا ہے؟۔۔۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ

پس جب اس نے سنا عورتوں کے پروپیگنڈہ کو، تو ان کو بلاوا بھیجا، اور تکیے انکے لئے لگائے۔ اور دے دیا

كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ

ہر ایک کو ان میں سے ایک چھری۔ اور آواز دی کہ نکل آ ان عورتوں میں، اب جو عورتوں نے ان کو دیکھا،

اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ

تو ان کی بڑائی کرنے لگیں، اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ، اور بول پڑیں کہ "حاشا اللہ! یہ بشر نہیں ہیں"۔

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

"یہ نہیں ہے مگر کوئی بزرگ فرشتہ"●

(پس جب اس نے سنا عورتوں کے پروپیگنڈہ کو) اور ان کی خفیہ آپسی چرچے کو، **(تو ان کو بلاوا بھیجا)** یعنی بھیجا ان کی طرف آدمی اور یہ استدعا کی، کہ اس کے بلانے پر چلی آئیں۔ بی زلیخا نے چالیس عورتوں کو آنے کی دعوت دی، ان میں وہ پانچ عورتیں بھی تھیں جنہوں نے اپنی جگہ پر زلیخا کی ملامت کی تھی۔ جب یہ سب عورتیں زلیخا کے گھر آئیں، تو اُن کے ساتھ تعظیم کی رسمیں ادا کیں، **(اور تکیے ان کے لیے لگائے اور دے دیا ہر ایک کو ان میں سے ایک چھری)** تاکہ گوشت کاٹ کر نوش کریں اور یوسف علیہ السلام کے پاس آکر لباسِ فاخرہ پہنایا اور تاجِ مرصع ان کے سر مبارک پر رکھا **(اور)** پھر **(آواز دی کہ نکل آ دو عورتوں میں)**۔

یوسف علیہ السلام نے پہلے تو انکار کیا، لیکن بی زلیخا نے اصرار کیا۔ یہاں تک کہ، لے ہی آئیں۔ **(اب جو عورتوں نے ان کو دیکھا، تو ان کی بڑائی کرنے لگیں)** اور سب ان کے حسن کی شیفتہ ہو کر آپے سے باہر ہو گئیں۔ یہاں تک کہ، خود اپنے کو فراموش کر دیا **(اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ)**۔ بے خودی کا یہ عالم، کہ اس کا درد انہیں محسوس نہ ہوا۔ القصہ مصر کی عورتیں بے خودی سے جب آپ میں آئیں، تو تعریف کرنے لگیں **(اور بول پڑیں کہ حاشا اللہ! یہ بشر نہیں ہیں)**۔ اس لیے کہ ایسا حسن و جمال کسی آدمی میں نہ کسی نے دیکھا، نہ سنا۔ تو **(یہ نہیں ہے مگر کوئی بزرگ فرشتہ)** اس واسطے، جمال اس زیبائی کے ساتھ، کمال اس رعنائی کے ساتھ، اور اس درجہ عصمت، خاصہ ملکیت ہے۔

یہ تو رہی حسن یوسفی کی شان، کہ دیکھنے والوں نے فرشتہ گمان کیا، اور یہ ہے جمال و کمال

محمدی کی آن بان، کہ دیکھنے والے کہہ گئے، کہ میں نے مدینے کی گلیوں میں حق کو چلتے پھرتے دیکھا۔ یہاں تک کہ خود خالق نے فرمادیا، کہ 'میں نے کسی مخلوق کو تجھ سے زیادہ خوبصورت نہیں پیدا کیا'۔ اور یہ بات تو سب پر ظاہر ہے، کہ:

'حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں۔۔

سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب'

'حسن یوسف پہ کٹیں'۔۔۔ یعنی عورتوں نے ہوش وحواس میں نہیں کاٹا۔۔بلکہ۔۔بے خودی میں کٹ گئیں، وہ بھی جب چہرہ دیکھا تب کٹیں، وہ بھی یہ عورتوں کی بات ہے، مردوں کی نہیں۔ اور وہ بھی صرف انگلیوں کے کٹنے کی بات ہے، گردنوں کی نہیں۔ اور یہ حسن محمدی ہے کہ جن کے چہرۂ مبارک کو دیکھے بغیر، صرف نام پر انگلیاں نہیں۔۔بلکہ۔۔گردنیں کٹا رہے ہیں۔ یہ عورتوں کی بات نہیں ہے، بلکہ مردوں کی حالت ہے۔ یہ بے ہوشی اور بے خودی کے عالم میں نہیں، بلکہ ہوش وحواس کے عالم میں۔

تو صرف نام اقدس پر قربان ہوجانے والے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ لیں، تو ان کا کیا عالم ہو، یہ بیان سے باہر کی چیز ہے۔ بے شک 'زلیخا کی ملامت کرنے والی عورتیں اگر رسول اللہ ﷺ کی پیشانی عمبارک دیکھتیں، تو بجائے ہاتھوں کے، دل کے ٹکڑے کرڈالتیں'۔۔۔ القصہ جب زلیخا نے عورتوں کی حیرت اور شیفتگی دیکھ لی۔۔۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ

تب کہا، کہ "یہی ہے جس کے بارے میں تم لوگ میری ملامت کرتی رہیں۔ اور بے شک میں نے ہی اس کو لبھانا چاہا

عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَىِٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ

اس کی خودداری سے، پھر بھی وہ معصوم رہا۔ اور اگر اس نے وہ نہ کیا، جس کا میں حکم دیتی ہوں، تو ضرور جیل جائے گا،

وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

اور یقیناً ہوگا آبرو باختوں سے" ●

(تب کہا کہ یہی ہے جس کے بارے میں تم لوگ میری ملامت کرتی رہیں اور بے شک میں نے ہی اس کو لبھانا چاہا اس کی خودداری سے) یعنی انہیں ان کی جان سے بے قابو کرنے کے لیے اور اپنا شیفتہ بنانے کے لیے ان کو بہلایا پھسلایا، **(پھر بھی وہ معصوم ہی رہا)** اور اپنے آپ کو بچایا اور مجھ پر

نہ جھکا۔ مگر میری شیفتگی (اور) دیوانگی کا عالم یہ ہے، کہ میں نے طے کرلیا ہے، کہ جو میں چاہتی ہوں، وہ کرا کے رہوں گی۔ اب (اگر اس نے وہ نہ کیا، جس کا میں حکم دیتی ہوں، تو ضرور جیل جائے گا) اور قید و بند کی زندگی اُسے گزارنی ہوگی۔ (اور) پھر (یقیناً ہوگا وہ آبرو باختوں سے) یعنی قیدی بننے کی ذلت و رسوائی اس کو حاصل ہوگی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ کلام سنا، تو اُس جلسے سے منہ پھیرا اور واپس ہونے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عورتیں بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر گئیں، اس حیلے سے کہ ہم جا کر اسے فہمائش کرتے ہیں، اور وہاں ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ اپنی طرف انہیں بلایا اور ہر ایک جدا جدا خواہشمند ہوئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان باتوں سے تنگ آ کر بارگاہِ خداوندی میں۔۔۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ

دعا کی "اے میرے پروردگار جیل مجھ کو زیادہ پسند ہے اس حرکت سے، جدھر مجھ کو سب بلاتی ہیں۔ اور اگر تو نہ ٹالے مجھ سے

كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

انکے داؤں کو، تو میں جھک پڑوں ان کی طرف، اور نادانوں سے ہو جاؤں" ●

(دُعا کی، اَے میرے پروردگار! جیل مجھ کو زیادہ پسند ہے اس حرکت سے، جدھر مجھ کو سب بلاتی ہیں) اور سمجھاتی ہیں، کہ میں زلیخا کی خوشی کروں۔۔ یا۔ ان کی طرف مائل ہو جاؤں، (اور) اب (اگر تو نہ ٹالے) گا (مجھ سے ان کے داؤں کو) اور مجھے اپنی عصمت کی پناہ میں نہ لے گا، (تو) بظاہر اندیشہ ہے، کہ (میں جھک پڑوں ان کی طرف) اور ان کی باتیں مان لوں، (اور) پھر (نادانوں سے ہو جاؤں) اس کام کا مرتکب ہو کر، جو نہیں کرنا چاہیے۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

تو قبول فرمالیا انھیں انکے پروردگار نے، چنانچہ ہٹا دیا ان سے ان عورتوں کے داؤں کو۔ بیشک وہ سننے والا دانا ہے ●

(تو قبول فرمالیا ان کے پروردگار نے) ان کی دُعا کو، (چنانچہ ہٹا دیا ان سے ان عورتوں کے داؤں کو۔ بے شک وہ سننے والا) ہے اس کی دُعا کو جو اس کی پناہ لے، اور (دانا ہے) یعنی جاننے والا ہے اس کا حال، جو سب سے دور بھاگے۔

عورتیں جب یوسف علیہ السلام سے ناامید ہوئیں، تو زلیخا سے بولیں کہ صلاح یہ ہے، کہ

اُسے دو تین دن کے لیے قید رکھ، شاید کہ تکلیف کے سبب رام ہو جائے، اور راحت اور نعمت کی قدر جان کر تیرا کہا مان لے۔ زلیخا نے یہ بات مان لی اور عزیز کے پاس آ کر کہنے لگی، کہ اس عبری غلام کے سبب میں بدنام ہوئی اور میری طبیعت کو اس سے خدمت لینے سے نفرت ہو گئی ہے۔ صلاح یہ ہے، کہ اسے قید خانے میں بھیج دے، تا کہ لوگ یہ گمان کریں کہ وہ گناہ گار ہے اور میں ملامت سے بچوں۔ عزیز نے یہ بات قبول کر لی اور حکم کیا کہ یوسف کو قید خانے لے جاؤ، لوگ لے گئے۔۔ الحاصل۔۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

پھر انھیں یہی سجھائی پڑا، بعد اسکے کہ دیکھ چکے ساری نشانیاں، کہ انھیں قید خانہ میں ڈال دیں کچھ مدت تک●

(پھر انہیں یہی سوجھائی پڑا بعد اس کے کہ دیکھ چکے ساری نشانیاں) اور یوسف علیہ السلام کی عصمت کی دلیلیں اور برأت کے گواہ، جیسے چار مہینے کے بچے کی گواہی اور کُرتے کا چاک پیچھے سے پھٹنا، اور عورتوں کے ہاتھ کٹ جانا۔۔ الغرض۔۔ باوجود یہ نشانیاں دیکھنے کے، ان کی رائے میں یہی بات قرار پائی، (کہ) مصلحتاً (انہیں قید خانہ میں ڈال دیں کچھ مدت تک) کے لیے۔ یعنی یوسف علیہ السلام کو اس وقت تک قید کیا جائے، جب تک کہ لوگوں کے ذہنوں سے اس واقعے کا تصور ختم ہو جائے۔ یہ عزیز اور اس کے ساتھیوں کا خیال تھا ورنہ زلیخا تو یہ چاہتی تھیں، کہ وہ قید میں اتنی مدت تک رہیں، کہ وہ قید کی تکلیف برداشت نہ کرنے کے باعث زلیخا کے تقاضوں کو پورا کرنے پر مجبور ہو جائیں، اور عوام کو یقین ہو کہ واقعی یوسف مجرم تھا۔ پس یوسف علیہ السلام کو قید میں لے گئے، اور زندان کو اس سرو قامت گل رخسار کے سبب سے رشک گلستاں بنایا۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ

اور داخل ہوئے انکے ساتھ قید خانہ میں دو جوان، ان میں سے ایک نے دریافت کیا، "کہ میں نے خواب دیکھا کہ شراب نچوڑ رہا ہوں۔"

وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ

اور دوسرے نے سوال کیا، "کہ میں دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوں اور پرند اس میں سے کھا رہے ہیں۔"

نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

"ہم لوگوں کو اسکی تعبیر بتا دیجئے۔ ہماری رائے میں واقعی آپ نیکوں سے ہیں"●

(اور) اسی اثناء میں (داخل ہوئے ان کے ساتھ قید خانہ میں دو) تو (جوان) جو بادشاہ ریان کے ملازموں میں سے تھے۔

ایک بادشاہ کا ساقی یعنی شراب پلانے والا تھا، اس کا نام ابروہا۔۔یا۔۔یونا تھا اور دوسرا باورچی جس کا نام غالب۔۔یا۔۔فحلب تھا۔ پہلا بادشاہ کے لیے پانی لاتا تھا اور دوسرا کھانا تیار کرتا تھا۔ ان دونوں کے تعلق سے بادشاہ کو گمان ہوا، کہ ہمارے دشمنوں کی سازش کا شکار ہو کر یہ مجھے زہر دے دیں گے۔۔لہٰذا۔۔ان دونوں کو قید خانہ میں ڈلوا دیا۔

۔۔المختصر۔۔حضرت یوسف کے ساتھ یہ دونوں بھی قید خانہ میں داخل ہوئے۔ حضرت یوسف قید خانہ میں قیدیوں کی خبر گیری کرتے اور ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے۔ یہاں تک کہ، ان دونوں قیدیوں نے بھی خواب دیکھے۔ کہتے ہیں کہ ساقی نے دیکھا، باورچی نے نہیں۔ یہ بھی قول ہے، کہ کسی نے خواب نہیں دیکھا، فقط حضرت یوسف کا امتحان کرنے کو۔

(ان میں سے ایک نے دریافت کیا کہ میں نے خواب دیکھا، کہ) میں انگور کے باغ میں ہوں۔ انگور کی ایک ٹٹی پر انگور کے تین خوشے پکے ہوئے لگے ہیں اور بادشاہ کا کٹورا میرے ہاتھ میں ہے اور میں (شراب نچوڑ رہا ہوں)۔

عرقِ انگور کو شراب اس واسطے فرمایا، کہ شراب اس سے بنتی ہے۔

(اور دوسرے) یعنی باورچی (نے سوال کیا کہ میں) خواب میں (دیکھتا ہوں، کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوں) یعنی روٹیوں کے تین خوان سر پر رکھے ہوئے ہیں، (اور پرند اس میں سے کھا رہے ہیں)، اور اڑائے لیے جاتے ہیں۔ تو (ہم لوگوں کو اس کی تعبیر بتا دیجیے، ہماری رائے میں واقعی آپ نیکوں سے ہیں) یعنی قیدیوں کے ساتھ نیک کام کرنے والوں میں سے ہیں۔ تو ہمارے خوابوں کی تعبیر بتا کر ہمارے ساتھ بھی نیکی کریں۔ چونکہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر بہت بری تھی، اس لیے یوسف علیہ السلام نے فوری طور پر ان کے خواب کی تعبیر بتانے کو ٹال دیا، اور انہیں۔۔۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ

جواب دیا" کہ نہ آئیگا تم دونوں کے پاس وہ کھانا جو تم کو دیا جاتا ہے، مگر بتا چکا ہوں گا میں تم کو تعبیر، اسکے آنے سے پہلے۔

ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

یہ یوں، کہ سکھا دیا مجھ کو میرے پروردگار نے۔ بیشک میں نے چھوڑ دیا اس قوم کے دھرم کو، جو نہ مانیں اللہ کو،

وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝۳۷

اور وہ آخرت کے منکر ہیں●

(جواب دیا کہ نہ آئے گا تم دونوں کے پاس وہ کھانا جو تم کو دیا جاتا ہے، مگر بتا چکا ہوں گا میں تم کو) اس کی نوعیت کی (تعبیر اس کے آنے سے پہلے) یعنی میں اس کی حقیقت کی توضیح وتشریح کر چکا ہوں گا، کہ وہ کس قسم کا کھانا ہے، اس کا رنگ کیا ہے، مزہ کیا ہے، انسانی بدن پر اس کے اثرات کیا ہوں گے۔ وہ نقصان دہ ہے۔یا۔ نفع بخش، وغیرہ وغیرہ۔ یعنی میں تمہیں اس کے غیب کی باتیں بتا دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم نے کاہنوں وغیرہ سے ایسی باتیں سنی ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ یہ میرا معجزہ ہے کہانت نہیں۔

(یہ یوں کہ سکھا دیا مجھ کو میرے پروردگار نے) یعنی غیب کی باتیں بتانا اور خوابوں کی تعبیر ظاہر کرنا۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جن کا علم مجھے میرے پروردگار نے دے دیا ہے۔ اور مجھ پر رب کریم کا یہ فضل وکرم کیوں نہ ہو، کیونکہ (بے شک میں نے چھوڑ دیا اس قوم کے دھرم کو) اور ہمیشہ اس سے دور رہا، اور اپنے کو بچائے رکھا (جو نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو اور وہ آخرت کے منکر ہیں)۔

وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِكَ

اور میں نے پیروی کی اپنے باپ دادوں، ابراہیم واسحاق ویعقوب کے دین کی۔ ہمیں حق نہیں کہ شریک بنائیں

بِاللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ عَلَیۡنَا وَعَلَی النَّاسِ

اللہ کا کسی چیز کو۔ یہ اللہ کے فضل سے ہے ہم پر اور لوگوں پر،

وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡكُرُوۡنَ ۝۳۸

لیکن بہتیرے لوگ ناشکرے ہیں●

(اور) ان کے برعکس (میں نے پیروی کی اپنے باپ دادوں) کی یعنی (ابراہیم واسحٰق و یعقوب کے دین کی)۔ اپنے باپ دادا کا ذکر اس واسطے کیا، کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص خاندانِ نبوت سے ہے۔۔یا۔۔ اس لیے کہ ان کا یہ کلام سن کر لوگ زیادہ راغب ہوں۔۔الحاصل۔۔(ہمیں حق نہیں کہ شریک بنائیں اللہ) تعالیٰ (کا کسی چیز کو)، کیونکہ ہم پیغمبر ہیں۔ اسی لیے خدا کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہوئے اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ (یہ) توحید (اللہ) تعالیٰ (کے فضل سے ہے ہم پر) کہ وحی کے ذریعہ سے ہمیں آگاہی دی (اور) کرم خاص ہے (لوگوں پر) کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو ان

کی ہدایت کے واسطے بھیجا، (لیکن بہتیرے لوگ) جن کے پاس پیغمبر آئے (ناشکرے ہیں)، یعنی خدا کے اس فضل کا شکر نہیں کرتے اور اس کی قدر دانی نہیں کرتے۔۔تو۔۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

اے دونوں قیدیو! کیا بہت سے جداگانہ رب اچھے ہیں، یا ایک اللہ قہر والا؟●

(اے دونوں قیدیو!) غور کرو اور سوچو (کیا بہت سے جداگانہ رب اچھے ہیں) جو تم رکھتے ہو، سونے، چاندی، لوہے، پتھر اور لکڑی کے۔۔یا۔۔اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ وغیرہ، تو یہ سب بہتر ہیں، (یا ایک اللہ) جو (قہر والا) ہے، یعنی سب پر غالب ہے۔اچھی طرح سے یقین کرلو، کہ۔۔۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ

جس کو تم لوگ معبود بناتے ہو اللہ سے الگ، کچھ نہیں ہے مگر فرضی نام، جو رکھ ڈالا ہے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں نازل

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ

فرمایا اللہ نے ان کی کوئی سند۔ نہیں ہے حکم، مگر اللہ کا۔اس نے حکم دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

یہی ہے سیدھا طریقہ۔لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں●

(جس کو تم لوگ معبود بناتے ہو اللہ) تعالیٰ (سے الگ) ان کی حقیقت (کچھ نہیں ہے، مگر) وہ سب بس (فرضی نام) ہے (جو رکھ ڈالا تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے) بے حجت و بے دلیل۔ (نہیں نازل فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ان کی کوئی سند) کہ ان نام کے نام والے ہیں۔تو تم چند نام ہی پوجتے ہو بے نام والوں کے۔یاد رکھو، کہ (نہیں ہے حکم مگر اللہ) تعالیٰ (کا) اور (اس نے حکم دیا ہے کہ نہ پوجو مگر اُسی کو، یہی ہے سیدھا طریقہ) یعنی ظاہر اور درست دین قیم، (لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں) اور راہِ حق کو نہیں جانتے اور گمراہی کے جنگل میں سرگرداں پھرتے ہیں۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے، کہ پوچھنے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھی تھی، لیکن آپ نے تعبیر بتانے کو موخر رکھا اور پہلے ان کے سامنے پیغمبرانہ فریضہ ہدایت ادا فرمانے لگے اور ان کو ان کی صلاح وفلاح کا راستہ دکھانے لگے ۔۔چنانچہ۔۔ان کو بت پرستی ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی، کیونکہ دین

کی اصلاح کرنا دُنیا کی باتیں بتانے سے اولیٰ ہے۔
ویسے بھی باورچی کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تھا، کہ اس کو سولی دی جائے گی، تو آپ نے یہ چاہا، اس کو مرنے سے پہلے مسلمان کرنے کی کوشش کی جائے، تا کہ وہ کفر پر نہ مرے اور عذابِ شدید کا مستحق نہ ہو۔ تا کہ جسے ہلاک ہونا ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو، اور جسے زندہ رہنا ہو وہ دلیل سے زندہ رہے۔۔ المختصر۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی مذکورہ بالا دعوت وہدایت پیش فرمانے کے بعد، ان دونوں کے خوابوں کی تعبیر بتانے کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا۔۔۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ

اے قید خانہ کے ساتھیو! رہا تم میں کا ایک، تو وہ شراب کا ساقی ہوگا اپنے مربی کا۔ اور رہا دوسرا،

فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱

تو پھانسی دیا جائے گا۔ پھر پرند اس کی کھوپڑی کو نوچیں گے۔ بات طے شدہ ہے، جس کو تم دونوں پوچھتے ہو"●

(اے قید خانے کے ساتھیو! رہا تم میں کا ایک، تو وہ شراب کا ساقی ہوگا اپنے مربی کا، اور رہا دوسرا، تو پھانسی دیا جائے گا) یعنی اُسے سولی پر لٹکایا جائے گا۔ اور کچھ مدت تک اس کو لٹکا رہنے دیں گے تا کہ نرم ہو جائے، (پھر) مردار خور (پرند اس کی کھوپڑی کو نوچیں گے)۔ تو انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم نے جھوٹ کہا تھا اور کچھ بھی خواب نہیں دیکھا تھا۔ تو حضرت یوسف نے فرمایا (بات طے شدہ ہے) یعنی کام محکم کر دیا گیا ہے، اس خواب کا (جس کو تم دونوں پوچھتے ہو)، اور جو کچھ میں نے کہہ دیا اس میں خلاف نہ ہوگا۔ اب اگر تم نے خواب دیکھا، تو یہ اس خواب کی تعبیر ہوگی اور اگر نہیں دیکھا، بلکہ پیغمبر کا امتحان لینے کے لیے جھوٹ بولے، پھر یہ تمہاری اس گستاخی کی سزا ہے۔

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ

اور تاکید کی اسے، جسکے متعلق خیال کیا، کہ وہ چھوٹنے والا ہے، "کہ میرا ذکر اپنے مربی کے پاس کرنا" اس کو شیطان

ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲ۧ

نے بھلا دیا، کہ اپنے مربی کے پاس ذکر کرے۔ چنانچہ رہ گئے یوسف قید خانہ میں کئی سال●

ع ۵/۷ ۱۵

(اور) اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے (تاکید کی اُسے جس کے متعلق خیال کیا، کہ

وہ چھوٹنے والا ہے، کہ میرا ذکر اپنے مربی کے پاس کرنا) یعنی میری بے گناہی کا حال بادشاہ سے عرض کرنا، تاکہ مجھے اس تکلیف سے آزاد کرائے۔

جب تین۳ دن گزرے تو بادشاہ نے دونوں کو طلب کیا اور باورچی کی خطا اور خباثت ثابت ہوئی، اُسے سولی دے دی گئی اور جانور اس کے کاسۂ سر سے آنکھیں نکال لے گئے، اور ساقی کی بے جرمی اور امانت ثابت ہوئی، تو ویسا ہی پہلا منصب اُسے عنایت کیا۔ مگر جب ساقی مرتبۂ تقرب تک پہنچا اور جاہ و دولت کے ساغر سے سرخوش ہوا، تو قیدخانے اور قیدیوں سے غافل ہو گیا۔۔ تو۔۔

(اس کو) یعنی یوسف کو اپنے مربی کے سامنے یاد کرنا اسے یاد نہ رہا۔۔ الغرض۔۔ (شیطان نے بھلا دیا، کہ) وہ (اپنے مربی کے پاس) حضرت یوسف علیہ السلام کا (ذکر کرے۔ چنانچہ رہ گئے یوسف قیدخانے میں کئی سال)۔

اس واقعے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سات برس قیدخانے میں رہے اور مشہور بات یہ ہے، کہ اوّل سے آخر تک بارہ۱۲ برس قید میں رہے۔ ایک دن حضرت جبرائیل قیدخانہ میں آئے، حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں پہچانا اور کہا، کہ اے رسولوں کے بھائی کیا ہے، کہ آج میں تم کو گنہگاروں کے گھر میں دیکھتا ہوں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا، کہ اے طاہروں کے طاہر، حضرت رب العالمین تجھے سلام پہنچاتا ہے، اور فرماتا ہے کہ تم کو شرم نہیں آئی، کہ آدمی کو اپنی خلاصی کا سبب جانتے ہو اور اس سے سفارش چاہتے ہو۔ قسم ہے اپنے عزت و جلال کی، تجھے کئی برس قیدخانہ میں رکھوں گا۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا، کہ رب تعالیٰ اس حال میں مجھ سے راضی ہے یا نہیں، جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں تجھ سے راضی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اب، کہ وہ مجھ سے راضی ہے، تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مگر جب تکلیف کی مدت تمام ہوئی، تو بادشاہ ریان نے ایک مہیب خواب دیکھا اور مصاحبوں کو طلب فرمایا۔۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

اور سوال کیا بادشاہ نے، کہ "میں خواب میں دیکھتا ہوں، سات گائیں موٹی، جنھیں کھا رہی ہیں سات دبلی،

وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ

اور سات ہرے خوشے اور دوسرے سوکھے۔ اے سردارو! بولو میرے خواب کے بارے میں،

إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ﴿۴۳﴾

اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔

(اور سوال کیا بادشاہ نے، کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی) خشک نہر سے نکلیں (جنہیں کھارہی ہیں سات دبلی) گائیں اور ان کے پیٹ کچھ بڑھے نہیں۔ (اور) دیکھا میں نے (سات ہرے خوشے)، کہ ان کے دانے بندھ گئے تھے (اور دوسرے) سات گچھے اور دیکھے خشک (سوکھے)، پکے اور کاٹے ہوئے۔ پھر یہ خشک بالیں اُن ہری بالوں پر لپٹیں اور انہیں خاک کے نیچے کر کے چھپا دیا۔ تو (اَے سردارو!) یعنی کاہنوں! تعبیر دینے والو! اور قوم کے شریف لوگو! (بولو) اور جواب دو مجھے (میرے خواب کے بارے میں)، آخر اس کی تعبیر کیا ہے؟ (اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو)۔ بادشاہ کے اس سوال پر بادشاہ کے مخاطب دربار میں موجود حکماء اور اہل علم۔۔۔

قَالُوٓا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿۴۴﴾

سب نے کہا "کہ خواب خیال ہے۔ اور ہم پریشاں خوابی کی تعبیر نہیں جانتے"۔

(سب نے) بہ یک زبان (کہا، کہ) یہ صرف (خواب خیال ہے) یعنی پریشاں خوابی ہے، جو پریشاں خیالی اور بے جا سوچ اور فکر کا نتیجہ ہوتے ہیں (اور ہم پریشاں خوابی کی تعبیر نہیں جانتے) اس واسطے، کہ ہم سچے خوابوں کی تعبیر کہتے ہیں اور یہ باطل خوابوں سے ہے۔ ملک ریان اپنے خواب اور ان کے جواب سے متحیر ہو کر دریائے فکر میں غوطہ زن ہوا، کہ میری یہ مشکل کون شخص حل کرے، اور اس کی تعبیر کی راہ کون بتائے۔ ساقی نے بادشاہ کو متحیر اور متفکر دیکھا، تو حضرت یوسف علیہ السلام کا حال اُسے یاد آیا، تو چپ نہ رہ سکا۔۔۔

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿۴۵﴾

اور بول پڑا وہ، جو اُن دونوں قیدیوں سے بچا تھا اور یاد آ گیا تھا ایک مدت کے بعد، "کہ میں بتاؤں گا اسکی تعبیر، مجھ کو قید خانہ میں بھیج دو"۔

(اور بول پڑا وہ جوان دونوں قیدیوں سے بچا تھا اور) اس وقت اُسے (یاد آ گیا تھا)، کہ حضرت یوسف نے کہا تھا، کہ بادشاہ کے پاس مجھے یاد کرنا اور یہ بات بھی اُسے (ایک مدت کے بعد)

یاد آئی۔ قصہ مختصر: ساقی نے بادشاہ سے کہا (کہ میں بتاؤں گا اس کی تعبیر)، پس (مجھ کو قید خانہ میں بھیج دو) کیونکہ وہاں ایک شخص ہے جو علم تعبیر خوب جانتا ہے۔ بادشاہ یہ خبر سن کر نہایت خوش ہوا اور حکم کیا، کہ جلدی اٹھ اور خبر لا۔ ساقی سوار ہو کر قید خانہ میں آیا، اور زمین خدمت کو بوسہ دیکر عرض پیش کی۔۔۔

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

"یوسف، اے دوست، ہمیں تعبیر بتادو اس کی، کہ سات موٹی گائیں اُن کو سات

عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ

دبلی کھا رہی ہیں، اور سات ہرے خوشے اور دوسرے سوکھے۔ کہ میں

إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۶﴾

لوگوں میں جاؤں، تو وہ بھی جان جائیں"●

(یوسف، اے) میرے سچے (دوست: ہمیں تعبیر بتادو اس کی، کہ سات موٹی گائیں ان کو سات دبلی کھا رہی ہیں اور) ایسے ہی (سات ہرے خوشے اور دوسرے سوکھے) جوان سبز خوشوں پر لپٹ کر انہیں خشک کر رہے ہیں۔ سب حکیم لوگ اس میں حیران ہیں کہ آپ کیا جواب دیتے ہیں۔ تو آپ مجھے شافی جواب عطا فرمائیے۔ تا (کہ) جب (میں لوگوں میں) یعنی بادشاہ اور اس کے ملازموں کی طرف آپ کا جواب لے کر (جاؤں، تو وہ بھی جان جائیں) اس خواب کی تعبیر کے ساتھ ساتھ آپ کی بزرگی اور فضیلت، پھر بشمولِ بادشاہ، وہ سب آپ کو اپنے پاس بلانے کی سوچیں اور اس طرح آپ کو قید سے رہائی مل جائے۔

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي

جواب دیا" کہ کھیتی کرو گے سات سال برابر۔ تو جو بھی کاٹا اس کو چھوڑ دو اس کی

سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿۴۷﴾

بالی میں، مگر تھوڑا سا جو کھاؤ●

حضرت یوسف علیہ السلام نے (جواب دیا کہ کھیتی کرو گے سات سال برابر) اپنی عادت کے موافق، (تو جو بھی کاٹا اس کو چھوڑ دو اس کی بالی میں، مگر تھوڑا سا جو کھاؤ) یعنی جس قدر سے کھانے کی

ضرورت پوری ہو جائے اس کے سوا بالوں میں سے دانوں کو نکال کر صاف نہ کرو، تاکہ دوسری آفتوں سے دانے محفوظ رہیں۔۔الختصر۔۔غلہ بالوں سمیت ذخیرہ کرو۔صرف بقدرِ ضرورت ہی بالوں سے صاف کر کے دانے نکالو، جس سے کھانے کی ضرورت کی تکمیل ہو جائے۔

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ

پھر آئے گا اس کے بعد سات سخت سال، جو کھا جائیں گے جو پہلے رکھ لیا تھا تم نے،

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

مگر تھوڑا سا جو تم بچالو●

(پھر آئے گا اس کے بعد سات سخت سال)۔دبلی گایوں سے یہ مراد ہیں (جو) یعنی جو لوگ اس زمانے میں ہوں گے (کھا جائیں گے) وہ سب (جو پہلے رکھ لیا تھا تم نے، مگر تھوڑا سا جو) تخم پاشی کے لیے (تم بچالو)۔

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ

پھر آئے گا اس کے بعد، ایسا سال جس میں عام بارش کی جائے گی

وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اس میں سب رس نچوڑینگے●

رکوع ۱۶

(پھر آئے گا اس) قحط سالی کے برسوں (کے بعد ایسا سال، جس میں عام بارش کی جائے گی)۔انگور، تل اور دوسرے میووں کی بکثرت پیداوار ہوگی (اور اس میں سب) رس دار اور روغن دار پھلوں سے اس کا (رس) اور روغن (نچوڑیں گے)۔

بعضوں نے کہا ہے، کہ یہ گائے بکری کے تھنوں سے دودھ دوہنے کی طرف اشارہ ہے اور اس سے فراغ سالی مراد ہے، کہ اس سال بے حد ارزانی ہوگی۔

جب حضرت یوسف پوری تعبیر کہہ چکے، تو ساقی ان کی خدمت سے واپس ہوا اور بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہوا اور دربارِ عام میں وہ باتیں جس طرح سنی تھیں بیان کیں۔بادشاہ کو یہ تعبیر بہت پسند آئی، چاہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی اپنے کان سے سنے۔انہیں بلانے کو لوگ بھیجے۔۔۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ

اور کہا بادشاہ نے "کہ لے آؤ ان یوسف کو میرے پاس"، چنانچہ جب آیا انکے پاس قاصد، تو کہا "کہ لوٹ جاؤ اپنے مالک کی طرف،

فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ

پھران سے پوچھو کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا، جنھوں نے کاٹ ڈالا تھا اپنے ہاتھوں کو۔

اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾

بیشک میرا پروردگار ان کے فریب کا دانا ہے"●

(اور) ان لوگوں سے (کہا بادشاہ نے، کہ لے آؤ ان) کو یعنی (یوسف کو میرے پاس، چنانچہ جب آیا ان کے پاس) بادشاہ کا فرستادہ (قاصد، تو) حضرت یوسف نے اس سے (کہا، کہ لوٹ جاؤ اپنے مالک کی طرف، پھران سے پوچھو) اور ان سے درخواست کرو، کہ وہ کھوج کرے اور حقیقتِ حال کو واضح کردے، (کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے کاٹ ڈالا تھا اپنے ہاتھوں کو) زلیخا کی مجلس میں۔ (بے شک میرا پروردگار ان کے فریب کا دانا ہے) اور ان کے مکر وفریب سے بخوبی واقف ہے۔

یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ ان کا بے گناہ ہونا بادشاہ پر ظاہر ہوجائے، تا کہ کسی کو ان کے حال پر گفتگو کی مجال نہ رہے۔ اس لیے یہ بات بادشاہ کے پاس کہلا بھیجی۔ بادشاہ کا بھیجا ہوا آدمی جب پھر آیا اور حضرت یوسف کا پیام بادشاہ کو پہنچایا، تو بادشاہ نے حکم کیا، اور وہ عورتیں جمع کی گئیں۔ زلیخا کو بھی وہ لیتی آئیں، پھر یہ مقدمہ تحقیق کرنے کے واسطے۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ

دریافت کیا بادشاہ نے کہ اے عورتو! "تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف کو رجھایا تھا ان کی خودداری سے"، سب کو کہنا پڑا "کہ حاشا اللہ!

مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ

ہمیں ان پر کسی جرم کا علم نہیں"۔ تو اقرار کرلیا عزیز کی بی بی نے، "کہ اب

الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

حق ظاہر ہوگیا۔ میں نے ہی اس کو لبھایا تھا اس کی خودداری سے، اور بیشک وہ سچے ہیں"●

(دریافت کیا بادشاہ نے) ان عورتوں سے، (کہ اے عورتو! تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف کو رجھایا تھا ان کی خودداری سے) یعنی اپنے دل کی مراد ان سے مانگتی تھیں۔ (سب کو کہنا پڑا: حاشا اللہ) پاک ہے خدا اس بات سے کہ عاجز ہو یوسف کے مثل پاکیزہ پیدا کرنے سے، (ہمیں ان پر

کسی جرم کا علم نہیں) نہ چھوٹا نہ بڑا۔ نہ ہی تھوڑا نہ زیادہ۔ جب دیکھا کہ سچ بولنے کے سوا اور کوئی بات فائدہ نہ دے گی اور عشق کمال کو پہنچ گیا تھا، (تو اقرار کرلیا عزیز کی بی بی) یعنی زلیخا (نے) بھی، کیوں (کہ اب حق ظاہر ہوگیا) تھا۔

۔۔چنانچہ۔۔اُسے اعتراف کرنا پڑا، کہ (میں نے ہی اس کو لبھایا تھا اس کی خودداری سے) اور اس کے وصال اور محبت کی میں نے ہی آرزو کی تھی، (اور بے شک وہ سچے ہیں) اپنی عصمت وطہارت اور پاکیزگی کے بیان میں۔ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا، کہ عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کرلیا ہے، یہاں آؤ، تو تمہارے سامنے انہیں سزا دوں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، میری غرض یہ نہ تھی کہ عورتیں سزا پائیں اور سختی اٹھائیں۔۔بلکہ۔۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ

یہ اسلئے، "تاکہ وہ جان لے کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی پیٹھ پیچھے۔ اور اللہ راہ

لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

نہیں دیتا، خائنوں کے فریب کو"

(یہ) درخواست میں نے (اس لیے) کی، (تاکہ وہ) یعنی عزیز (جان لے کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی پیٹھ پیچھے) یعنی اس کی غیبت میں اس کے اہل خانہ کی حرمت اور اس کی تربیت کا حق میں نے نگاہ میں رکھا، کیونکہ مجھے خوب معلوم ہے (اور) اچھی طرح اس پر ایمان ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا خائنوں کے فریب کو)۔ بلکہ اس کے بطلان کو ظاہر کرکے مٹا دیتا ہے، جیسے عورت کے مکر وفریب کے بطلان کو ظاہر کرکے مٹایا، کہ بالآخر اس عورت سے اس کے مکر وفریب کا خود اس سے اعتراف کرایا۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ خائن کے مکر کو تکمیل اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی کی راہ نہیں دکھاتا، یعنی اسے بامراد نہیں ہونے دیتا۔

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ وبعونہٖ تعالیٰ آج

۲۳ رجمادی الآخریٰ ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۷رجون ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ بوقت ایک بجے دن، بارھویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دعا گو ہوں، کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآن کریم کی بھی تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

تشریحِ لغات

-- ﴿آ﴾ --

آفاق وانفس: آسمانوں اور جانوں (آدمی)۔

آشفتہ: سراسیمہ -- پراگندہ -- بدحواس۔

-- ﴿ا﴾ --

اَبرار: نیکوکار، پرہیزگار لوگ -- اولیاء اللہ۔

اَبلق: دورنگا (گھوڑا)۔

اِتباع: پیروی۔

اِثبات ﴿ابطال کی ضد﴾: ثبوت -- دلیل -- تصدیق -- ثبت کرنا -- قیام -- بحال -- برقرار۔

اِجابت: قبول کرنا -- مقبولیت۔

اُجور: مزدوری -- کام کا معاوضہ -- اجرت -- اجر۔

اِحتراز: پرہیز -- کنارہ کشی -- اجتناب -- علیحدگی۔

اِحتمالات ﴿احتمال کی جمع﴾: شکوک وشبہات -- شک وشبہ -- وہم -- گمان۔

اَحدی: سست -- کاہل۔

اَخبث: سب سے بڑا خبیث۔

اِختراع: ایجاد کرنا -- طبیعت سے نئی بات پیدا کرنا -- ایجاد۔

اختراعی: اپنی طرف سے گڑھے ہوئے -- خود سے بنائے ہوئے۔

اِدراک: عقل -- فہم -- رسائی۔

اَراذِل ﴿ارذل کی جمع﴾: کم ذات -- نیچ لوگ۔

اِرتکاب: (کوئی غلط یا ناجائز) کام کرنا۔

اَرزانی: کثرت -- زیادتی -- بہتات۔

اِزالہ: زائل کرنا -- دور کرنا -- مٹانا -- ہٹانا۔

اَسباط ﴿سبط کی جمع﴾: پوتے۔

اِستحقاق: سزاوار ہونا -- مستحق ہونا۔

اِستدعا: خواہش -- درخواست -- التجا۔

اِستدلال: دلیل لانا۔

استطاعت: قدرت -- طاقت -- مقدور -- بساط -- دسترس۔

اِستعجاب: تعجب -- حیرانی -- حیرت۔

استعداد ﴿نورِ استعداد﴾: لیاقت -- قابلیت -- صلاحیت۔

اِستفادہ: فائدہ حاصل کرنا -- نفع اٹھانا۔

استقامت: پائیداری -- مضبوطی۔

استہزاء: ہنسی مذاق کے طور پر -- مذاق کرنا -- ہنسی اڑانا۔

استیلاء: غالب ہونا۔

اِشتباہ: مشابہ ہونا -- دو چیزوں کا اس طرح ہم شکل ہونا کہ دھوکا ہو جائے -- گمان -- شبہ -- شک۔

اَشرار ﴿شریر کی جمع﴾: شرارتی -- برا -- بدذات۔

اَشقیاء ﴿شقی کی جمع﴾: سنگدل اور بے رحم لوگ۔

اشہر واظہر: نہایت مشہور ومعروف اور خوب ظاہر۔

اِضطراب: بے قراری -- بے چینی -- بے تابی -- گھبراہٹ۔

اضطراری: بے قراری -- بے اختیاری -- بے بسی۔

اضمحلال: کسل -- سستی -- کاہلی۔

اِطفال ﴿طفل کی جمع﴾: بچہ -- بچے۔

اِطلاق: کہنا -- بولا جانا۔

اظہر من الشمس: سورج سے زیادہ ظاہر -- سورج کی طرح ظاہر۔

اِعانت: مدد -- سہارا -- حمایت۔

اِعراض: منہ پھیرنا -- بچنا -- روگردانی کرنا۔

اعمالِ شنیعہ: خراب اور برے کام -- وہ کام جن میں برائی ہو۔

افترا: بہتان -- جھوٹا الزام -- اپنی طرف سے گڑھی ہوئی بات۔

اِقتصار: مختصر کرنا -- کافی سمجھنا -- ایک بات پر ٹھہر جانا۔

اَقدار ﴿قدر کی جمع﴾: درجہ -- مرتبہ -- رتبہ -- عزت -- بزرگی -- توقیر۔

التفات: متوجہ ہونا۔
الزام حجت: حجت تمام کرنا۔
امساک: کنجوسی۔
اندوہگیں: رنجیدہ۔۔مغموم۔
انسب: زیادہ مناسب۔۔بہت ٹھیک۔
اہانت: توہین کرنا۔۔ذلیل کرنا۔
ایمانِ یاس: خوف کے وقت کا ایمان۔۔آخری وقت جب امید ختم ہوگئی تو ایمان لانا۔

-- ﴿ ب ﴾ --

باز پرس: پوچھ گچھ۔۔تحقیقات۔۔محاسبہ۔مواخذہ۔
باگ: لگام۔۔راس۔۔عنان۔۔انتظام۔
باور: یقین۔۔بھروسہ۔۔اعتماد۔۔اعتبار۔
بدائع سفلیات: نچلے سے نچلے درجہ کی چیزیں وعجائبات۔
برانگیختہ: آمادہ کرنا۔
براہین قاطعہ: فیصلہ کن دلیلیں۔
بری: آزاد۔
بستگیوں: پختگی۔
بطلان: تردید۔۔باطل ہونا۔
بگمانِ خویش: اپنے خیال میں۔
بے پایاں: بےحد۔۔بےانتہا۔۔بےاندازہ۔۔بیکراں۔
بیضہ: انڈا۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پراگندہ: حیران۔
پژمردہ: افسردہ۔۔مایوسی۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تابع: ماتحت۔۔مطیع۔۔فرمانبردار۔
تاج مرصع: موتی یا جواہرات جڑا ہوا تاج۔
تاسف: افسوس۔۔حسرت۔۔رنج۔۔ملال۔

تبر: کلہاڑا۔
تحذیر: ہوشیار کرنا۔۔خبردار کرنا۔۔ڈرانا۔۔خوف دلانا۔
تخصیص: خصوصیت۔
تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔ ﴿۲﴾: ہلکا کرنا۔
تخلف: پیچھے رہ جانا۔
تخلیہ: خلوت۔۔تنہائی۔۔علیحدگی۔
تخم پاشی: بیج بونا۔۔بیج ڈالنا۔
تدارک: تلافی۔۔کسی نقصان کو روکنے یا انصاف حاصل کرنے کے لیے احتیاطی تدابیر وذرائع اختیار کرنا۔
تدبر: دوراندیشی: عاقبت اندیشی۔
تردد: شش وپنج۔۔سوچ۔۔فکر۔
تصرف: کچھ کا کچھ کر دینا۔۔اپنی طرف سے کچھ شامل کرنا یا بدلنا۔۔تبدیل کرنا۔۔بنادینا۔
تصریح: صاف طور پر بیان کرنا۔۔تشریح۔۔شرح۔۔تفصیل۔
تضرع: رونا۔۔گڑگڑانا۔۔آہ وزاری۔
تضییع عمر: ضائع کرنا۔۔عمر رائگاں گزارنا۔
تعب: دکھ۔۔محنت ومشقت۔۔تکلیف۔
تعبیر: بیان کرنا۔۔مراد لینا۔۔خواب کا نتیجہ یا معنی بیان کرنا۔
تعرض: مزاحمت کرنا۔روکنا۔۔
تعریض: چھیڑنا۔۔ ﴿۲﴾۔۔اعتراض کرنا۔
تعمیم: عام کرنا۔۔عمومیت۔
تغییر: حالت بدل دینا۔۔پلٹ دینا۔۔تبدیل کرنا۔
تفضل: زیادتی۔۔بیشی۔ ﴿۲﴾۔۔برتری۔۔بزرگی۔۔فضیلت۔
تقدیم: مقدم سمجھنا۔۔مقدم ہونا۔۔ترجیح۔۔فوقیت۔
تقصیر: کوتاہی۔۔کمی۔۔سہو۔۔بھول چوک۔
تقویت: مدد۔۔مضبوط کرنا۔۔طاقت دینا۔
تقویم: قائم کرنا۔۔تخمینہ لگانا۔۔اندازہ۔۔
تقیہ: ڈر کی وجہ سے حق پوشی کرنا۔
تکذیب: جھٹلانا۔۔جھوٹ بولنے کا الزام لگانا۔

تمرد: سرکشی۔۔بغاوت۔۔گستاخی۔۔نافرمانی۔
تمسخر: مسخرہ پن۔۔ہنسی مذاق۔
تنازع: جھگڑا۔۔فساد۔۔تکرار۔۔رنجش۔۔نفاق۔۔عداوت۔
تناقض: ایک دوسرے کی ضد یا مخالف ہونا۔
توارد: باہم ایک جگہ اترنا۔
تواضع: خاطر مدارات۔۔آؤ بھگت۔۔مہمان نوازی۔
تہدید: تنبیہ۔۔ڈرانا۔۔دھمکانا۔

-- ﴿ ث ﴾ --

ثبات: پائیداری۔۔مضبوطی۔۔ثابت قدمی۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جتھ: گروہ۔۔دھڑا۔۔ٹولی۔۔جماعت۔
جری: نڈر۔
جعل: دھوکا۔۔فریب۔۔دغا۔۔جھوٹ۔
جفتی: نر اور مادہ کا ملنا۔
جگت: کنویں کی مینڈھ یعنی اس کی منڈیر، کنارہ۔
جنابت: ناپاکی۔۔خصوصاً وہ ناپاکی جو مرد وعورت کے صحبت کرنے یا احتلام سے ہو۔
جورو: بیوی۔۔گھر والی۔
جہت: وجہ۔۔سبب۔۔باعث۔

-- ﴿ چ ﴾ --

چاہ: کنواں۔
چھل: مکر۔۔فریب۔۔دھوکا۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حاذق: دانا۔۔کامل۔۔اپنے فن میں ماہر۔۔تجربہ کار۔
حاملین ﴿حامل کی جمع﴾**:** بوجھ اٹھانے والے۔۔مزدور۔۔کسی چیز کو لیجانے والے۔
حذر: احتیاط۔۔خوف۔
حکم ازلی: وہ حکم جو ہمیشہ سے ہو۔
حرمت: عزمت۔۔بڑائی۔۔مذہب کی رو سے حرام ہونا۔
حریص: لالچی۔
حلت: حلال ہونا۔۔روا ہونا۔۔مباح ہونا۔۔﴿حرمت کی ضد﴾۔
حوائج ﴿حاجت کی جمع﴾**:** ضرورت۔۔مطلب۔۔خواہش۔
حیات بعد الممات: مرنے کے بعد کی زندگی۔
حیطہ امکان: ممکن ہونے سے۔۔طاقت کے احاطے سے۔
حیلہ: کام۔۔کوشش۔۔ترکیب۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خائب وخاسر: محروم وگھاٹا کھانے والا، نقصان اٹھانے والا۔
خستگیوں: شکستہ حالیوں۔۔مفلسی۔۔تنگدستی۔
خصومت: عداوت۔۔دشمنی۔﴿۲﴾۔۔جھگڑا۔
خفت: خجالت۔۔شرمساری۔۔ندامت۔
خفیف الحرکاتیاں: اوچھی حرکتیں۔۔کم ظرفی۔
خلعت: وہ پوشاک جو بادشاہ یا امراء کی طرف سے بطورِ عزت افزائی ملے۔
خواستگار: امیدوار۔۔سائل۔

-- ﴿ د ﴾ --

دراز گوش: لمبے کانوں والا۔۔گدھا۔
درجت: مرتبہ۔۔رتبہ۔
دست تعدی: ظلم وستم اور جور وجفا کرنے والا ہاتھ۔
دغدغہ: خوف۔۔ڈر۔۔تشویش۔۔اندیشہ۔۔خدشہ۔
دلائل قطعیہ: حتمی ثبوت جس سے ملے۔۔کامل حجت جو بنے۔
دنانیر: دینار کی جمع۔
دوام: ہیشگی۔۔مداومت۔
دوامی: دائمی۔۔ہمیشہ کے لیے۔
دھنی: دولت مند۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذنب: گناہ۔۔قصور۔۔جرم۔۔براکام۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: قابل ترجیح۔۔بہتر۔۔پسندیدہ۔

راجع: رجوع کرنے والا۔۔پھرنے والا۔

راسخ: پکا۔۔مضبوط۔۔اٹل۔

رافت: مہربانی۔۔رحمت کی شدت۔

رجحانِ خلق: لوگوں کا جھکاؤ۔۔لوگوں کی توجہ ومیلان۔

رجوع: واپس ہونا۔۔مڑنا۔

رفاقت: ہمراہی۔۔ساتھ۔۔وفاداری۔۔معاونت۔

روئیدگی: اگنا۔۔نباتات کا نمو۔۔ہریالی۔

رویت: دیدار۔۔نظارہ۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زجروتوبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔۔لعنت ملامت۔۔جھڑکی دھتکار۔

زجروترہیب: ڈانٹ ڈپٹ۔۔ڈرانا دھمکانا۔

زندان: قید خانہ۔۔جیل۔

-- ﴿ س ﴾ --

ساقط: متروک۔۔مسترد۔۔نامنظور شدہ۔

سبکی: اہانت۔۔بے عزتی۔۔توہین۔۔ذلت۔

سطوت: دبدبہ۔۔رعب۔ ﴿۲﴾۔۔قہر۔

سلب: لے جانے یا مٹانے کا عمل۔۔جذب کرنا۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شافی جواب: ٹھیک اور درست جواب۔۔ایسا جواب جس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہو۔

شاق: مشکل۔۔دشوار۔۔دوبھر۔۔ناگوار۔

شرح صدر: دل میں بات کھل کرآجانا یا ہونا۔

شقی القلب: سنگ دل۔۔ظالم۔

شکیبائی ﴿شکیب سے نکلا﴾: صبر۔۔تحمل۔۔برداشت۔۔بردباری۔

شیفتہ: عاشق۔۔فریفتہ۔

شیوہ: طور۔۔طریق۔۔ڈھنگ۔۔انداز۔۔دستور۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صادر: جاری ہونے والا۔۔نکلنے والا۔۔نافذ۔

صانع: بنانے والے۔ ﴿۲﴾۔۔پیدا کرنے والا۔۔خالق۔

صراحتاً: صاف طور پر۔

صعوبتوں ﴿صعوبت کی جمع﴾: سختی۔۔دقت۔۔دشوار۔۔کٹھن۔

صفات قبیحہ: بری عادتیں۔۔نازیبا حرکتیں۔

صنادید: سردار۔

صنعت بے آلت: بغیر آلہ واوزار کاریگری۔۔بغیر کسی مدد کے کوئی کام کردینا۔

صنف: نوع۔۔جنس۔۔قسم۔

صوابدید: مصلحت۔۔

-- ﴿ ض ﴾ --

ضرر: نقصان۔۔خسارہ۔۔زیاں۔۔تکلیف۔۔صدمہ۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طبائع ﴿طبیعت کی جمع﴾: فطرت۔۔عادت۔۔خصلت۔

طراوت: نمی۔۔تری۔۔ٹھنڈک۔۔خنکی۔۔تازگی۔

طمانیت: دل جمعی۔۔اطمینان۔۔تسلی۔

طمع: لالچ۔۔حرص۔

طوعاًوکرہاً: چاروناچار۔۔جبراً۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظہورادبار: بدنصیبی۔۔ہزیمت۔۔تنزل۔۔افلاس۔۔ناداری وغیرہ کا ظاہر ہونا۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عاصیوں ﴿عاصی کی جمع کے طور پر﴾: نافرمان۔۔گنہگار۔مجرم۔

عتاب: ملامت۔۔غصہ۔۔ناراضی۔

عدم: نہ ہونا۔

عذاب خذلان: درماندگی کا عذاب۔

عصیان: گناہ۔۔پاپ۔۔جرم۔۔خطا۔۔قصور۔
عفت: پارسائی۔۔پاکدامنی۔
عقاب: دکھ۔۔تکلیف۔۔عذاب۔۔سزا۔
عقد مواصلت: ملاقات کی گرہ۔۔وصل کی گانٹھ۔۔ملنا۔
عقوبت: عذاب۔۔سزا۔۔تکلیف۔۔دکھ۔
عہد صمیم: خالص وعدہ۔۔سچا قول وقرار۔۔پکی قسم۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غایت جہل: حد درجہ جہالت۔۔انتہائی بے علمی، بیوقوفی۔
غایت قرب: انتہائی نزدیکی۔۔بہت ہی پاس۔
غباوت: کم فہمی۔۔کند ذہنی۔
غبن فاحش: بھاری، سخت۔۔خورد برد وخیانت۔
غوطہ زن: ڈبکی لگانے والا۔۔ڈوبتا۔۔
غوغا: آدمیوں کا مجمع۔۔شور شرابہ۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فراق: جدائی۔۔ہجر۔۔علیحدگی۔
فردانیت: یکتا وبے مثل ہونے میں۔
فرستادہ: بھیجا ہوا۔۔قاصد۔۔ایلچی۔
فضل بے علت: کرم نوازی، جس میں وجہ وسبب کی محتاجی نہ ہو۔
فرط ترحم: ترحم۔۔رحم۔۔ترس۔۔شفقت۔۔مہربانی۔
فریفتہ: عاشق۔۔دلدادہ۔
فقدان: نہ ہونا۔۔کمی۔
فہمائش: تلقین۔۔سمجھانا۔۔جتانا۔
فیروز بختی: خوش نصیبی۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قباحت: خرابی۔۔نقص۔۔عیب۔۔برائی۔
قبائح ﴿قبیح کی جمع﴾: برائیاں۔
قبح ﴿قبیح کی جمع﴾: برائیاں۔
قبیح: معیوب۔۔برا۔۔نازیبا۔۔شرمناک۔
قدح ﴿مدح کی ضد﴾: اعتراض۔۔برا بھلا کہنا۔۔ لعنت وملامت کرنا۔
قسمت لم یزلی: وہ قسمت جو لازوال ہو، اٹل ہو۔
قصد: پیش قدمی۔۔اقدام۔
قصص ﴿قصہ کی جمع﴾: کہانی۔۔داستان۔۔افسانہ۔
قطعیت: وہ امور جن میں شک وشبہ نہ ہو۔
قعر دریا: دریا کی گہرائی، تھاہ۔
قلت تدبر: دور اندیشی نہ ہونا۔۔انجام پر غور کرنے کی صلاحیت نہ ہونا یا کم ہونا۔
قویٰ ومشاعر: طاقت وتوانائی اور عقل اور دیگر خبر دینے والی وآگاہ کرنے والی چیزیں۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کاسب: کسب کرنے والا۔۔کام کرنے والا۔
کالعدم: گویا کہ ہے ہی نہیں۔۔ناپید۔۔معدوم۔
کذاب: نہایت جھوٹا۔۔جھوٹوں کا بادشاہ۔
کراماً کاتبین: بزرگ لکھنے والے۔۔وہ فرشتے جو انسان کے اعمال لکھتے رہتے ہیں اور ہر وقت اسکے ساتھ رہتے ہیں۔
کروفر: زور وتوانائی۔۔شان وشوکت۔
کساد بازاری: بازار میں خرید وفروخت کا نہ ہونا۔۔مندا ہونا۔
کسر شان: بے عزتی۔۔بے وقری۔۔وہ بات جس میں بے عزتی ہو۔
کفاف: روزمرہ کا خرچ یا وظیفہ۔۔روٹی کپڑا۔۔نان ونفقہ۔
کگر: کنارہ۔۔لب۔
کنایہ: منشاء۔۔مطلب۔۔معنی ومراد۔
کنوز ﴿کنز کی جمع﴾: خزانے۔
کنہ: کسی چیز کی انتہا۔۔تہہ۔۔حقیقت۔۔باریکی۔
کواکب ﴿کوکب کی جمع﴾: ستارے۔
کہانت: فال گوئی۔
کھوج: خبر۔۔واقفیت۔۔سراغ۔۔تحقیق۔
کید: مکر۔۔فریب۔۔دھوکا۔۔دغا۔

کیفرِ کردار: کیے کی سزا۔۔ برے کام کا بدلہ۔

-- ﴿ گ ﴾ --

گراں بار: بھاری۔۔ بوجھ سے لدا ہوا۔
گراں خاطر: دو بھر۔۔ ناگوارِ طبع۔
گرز: ایک ہتھیار جو اوپر سے گول، موٹا اور نیچے سے پتلا ہوتا ہے۔
گماشتے: کارندے۔۔ وہ لوگ جنہیں کوئی کام سپرد کیا گیا ہو۔
گوشوارے ﴿گوشوارہ کی جمع﴾: کان کا بالا۔۔ آویزہ۔
گھورا: وہ جگہ جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جائے۔

-- ﴿ ل ﴾ --

لایعنی: لغو۔۔ بیہودہ۔۔ فضول۔
لباسِ فاخرہ: عمدہ۔۔ بیش قیمت پوشاک، کپڑے۔
لواطت: اغلام۔۔ لڑکوں کے ساتھ بدفعلی۔

-- ﴿ م ﴾ --

ماذون الشفاعہ: جسکو شفاعت کی اجازت دیدی گئی ہو۔
ماندگی: تکان۔۔ تھکن۔
مانع: منع کرنے والا۔۔ روکنے والا۔۔ سدراہ۔
مبادا: ایسا نہ ہو۔۔ خدا نہ کرے۔۔ خدانخواستہ۔
مبغوض: قابلِ نفرت۔
مبہوت: ہکا بکا۔۔ دیوانہ۔۔ باولہ۔۔ مدہوش۔
متابعت: پیروی۔۔ فرمانبرداری۔۔ اطاعت۔
متابعون: پیروی کرنے والے۔۔ فرمانبرداری کرنے والے۔
متاع: پونجی۔۔ اثاثہ۔۔ تجارت کا سامان۔
متانت: سنجیدگی۔۔ پختگی۔۔ خیالات کی آراستگی اور درستی۔
متجاوز: اپنی حد سے بڑھنے والا۔۔ تجاوز کرنے والا۔
متدین: قائم ہوجانے والے۔۔ پکے ہوجانے والے۔۔ پکڑ لینے والے۔
متردد: تردد کرنے والا۔۔ پریشان۔۔ پس وپیش کرنے والا۔۔ مضطرب۔۔ سوچ میں پڑجانے والا۔

متصل: پاس۔۔ قریب۔۔ لگا ہوا۔۔ نزدیک۔۔ برابر ملنے والا۔
متصور: خیال کیا گیا۔۔ سوچا ہوا۔
متفرق: جدا جدا۔۔ الگ الگ۔۔ منتشر۔۔ پراگندہ۔
متمرد: تمرد کرنے والا۔۔ سرکشی کرنے والا۔۔ نافرمان۔۔ سرکش۔۔ باغی۔
متمکن: جگہ پکڑنے والا۔۔ قرار پکڑنے والا۔۔ جاگزیں۔۔ قائم۔
متمنی: تمنا کرنے والا۔۔ آرزو رکھنے والا۔۔ خواہشمند۔
متوارث: میراث پانے والے۔
متوازن: جس میں توازن ہو۔۔ ہم وزن۔
مثلہ: مردے کے کان، ناک کاٹنا۔
مجادلہ: حجت۔۔ تکرار۔۔ مباحثہ۔
مجتمع: اکٹھا۔۔ جمع کیا ہوا۔
محاربہ: لڑائی۔۔ جنگ۔۔ معرکہ۔
محجوبی ومہجوری: پوشیدگی وجدائی۔۔ مخفی وفراق۔
محذوف: حذف کیا گیا۔۔ علیحدہ کیا ہوا۔۔ الگ کیا گیا۔۔ نکالا گیا۔
محظوظ: بہرمند۔۔ مسرور۔۔ خوش۔
محمول: قیاس، گمان کیا گیا۔۔ ظن کیا گیا۔۔ علم منطق میں وہ خبر جو مبتدا کے مقابل واقع ہوتی ہے۔
مخصص: مخصوص کیا گیا۔۔ خاص کیا گیا۔۔ نامزد کیا گیا۔
مدافعت: مزاحمت کرنا۔
مدفتوت: شجاعت کا سہارا۔
مذموم: بُرا۔۔ خراب۔۔ قبیح۔
مراجعت: واپسی۔۔ واپس ہونا۔۔ لوٹنا۔۔ رجوع کرنا۔
مرجح: ترجیح دینے والا۔۔ غلبہ وطاقت دینے والا۔
مزاحم: مزاحمت کرنے والا۔۔ روکنے والا۔۔ حائل۔۔ مانع۔
مزبلہ: وہ مقام جہاں کوڑا کرکٹ اور نجاست ڈالتے ہیں۔
مزعومہ: گمان کیا ہوا۔۔ زعم کیا ہوا۔
مستبعد: دور از قیاس۔۔ دشوار۔

مستثنیٰ: الگ کیا گیا۔۔چھوٹا ہوا۔۔بجز۔۔وہ شخص یا چیز جسے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔

مستحکم: مضبوط۔۔محکم۔۔استوار۔

مستعان خلق: مخلوق کی مدد کرنے والا، یعنی اللہ تعالیٰ۔

مستغنی: بے پرواہ۔۔آزاد۔۔بری۔

مستفیض: فیض چاہنے والا۔۔فیض کا خواہاں۔۔فیض پانے یا اٹھانے والا۔

مستلزم: کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا۔۔لازمی ہو جانا۔

مستمرہ: ہمیشہ رہنے والا۔۔دائم۔۔مستقل۔

مستنیر: روشنی طلب کرنے والا۔۔روشن۔۔

مسند جاہ: بزرگی، عزمت، شان، منصب کی جگہ یا مقام۔

مشابہت: مطابقت۔۔موافقت۔۔ایک جیسی ہونا۔

مشتاق: آرزومند۔۔خواہشمند۔

مصاحب: ساتھی۔۔ہم نشین۔۔ہم صحبت۔

مصاحبت: ہم نشینی۔۔ساتھ رہنا۔۔ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔

مصاحبوں ﴿مصاحب کی جمع﴾: ساتھی۔۔ہم نشین۔۔ہم صحبت۔

مصارف ﴿مصرف کی جمع﴾: خرچ کرنے کی جگہ۔۔خرچ کرنے کا موقع۔

مصالح ﴿مصلحت کی جمع﴾: نیک صلاح۔۔اچھا مشورہ۔۔مناسب تجویز، حکمت، پالیسی۔

مصدقین ﴿مصدق کی جمع﴾: تصدیق کرنے والے۔۔سچائی کی گواہی دینے والے۔

مصیبت ہجراں: جدائی، مفارقت کی تکلیف۔۔

مضحکہ خیز: ہنسی مذاق کی (بات)۔۔ہنسانے والی (بات یا حرکت)۔

مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔

مضمحل: اداس۔۔دلگیر۔۔رنجیدہ۔۔مغموم۔

مطمح نظر: مرکز نگاہ۔۔اصل مقصد۔

مطیع: اطاعت کرنے والا۔۔فرمانبردار۔۔تابع۔۔حکم بردار۔

مطیعوں: اطاعت کرنے والے۔۔فرمانبردار۔

معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔واپس جانے کا مقام۔

معاد روحانی: روحوں کا لوٹنا۔۔روحوں کے لوٹ کر جانے کی جگہ۔

معاندانہ: عناد رکھتے ہوئے۔۔دشمنی کے انداز میں۔۔مخالفانہ۔

معاندین: عناد رکھنے والے۔۔دشمن۔۔مخالفین۔

معتدل: اعتدال والا۔۔درمیانی درجے کا۔۔متوسط۔

معترف: اعتراف کرنے والا۔۔اقرار کرنے والا۔۔اقراری۔۔اقبالی۔

معرفت: شناخت۔۔پہچان۔

معصیت: گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔نافرمانی۔۔انحراف۔

معنی آفرینی: اپنے طرف سے مطلب نکالا جائے۔

معیت: ساتھ۔۔ہمراہ ہونا۔

مغلوب: غلبہ کیا گیا۔۔ہارا ہوا۔۔شکست خوردہ۔

مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔

مفتری: افتراء پرداز۔۔الزام لگانے والا۔۔بہتان لگانے والا۔

مفقود: کھوئی ہوئی۔۔غائب۔۔ناپید۔۔ندارد۔

مفوض: سپرد کرنے والا۔۔سونپنے والا۔

مقتضاء: تقاضا کیا گیا۔۔چاہا گیا۔

مقدرات: جو چیزیں پہلے سے لکھی گئیں۔۔تقدیر وغیرہ۔

مقدور: طاقت۔۔قوت۔۔قابلیت۔۔اختیار۔۔دولت۔

مقر: معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔اقرار کرنے والا۔۔اقراری۔۔ماننے والا۔۔تسلیم کرنے والا۔

مقرب: قریب کیا گیا۔۔مصاحب خاص۔۔دوست۔۔ہمراز۔

مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہو۔

مکابران: بڑے غروری۔۔گھمنڈی۔۔لیڈر لوگ۔۔لڑائی جھگڑا کرنے والے۔۔اپنی بڑائی کا اظہار کرنے والے۔

مکائد ﴿مکیدہ کی جمع﴾: مکروفریب۔۔بدخواہی۔

مکذبین: جھٹلانے والے۔۔جھوٹا بنانے والے۔

ملکہ: مشق۔۔ہنر۔۔تجربہ۔

مملوک: غلام۔۔بندہ۔

ممیز: تمیز کیا گیا۔۔پہچانا گیا۔

منصب: رتبہ۔۔عہدہ۔۔مرتبہ۔۔درجہ۔

منصوص: کمال تحقیق کو پہنچا ہوا۔۔قرآن مجید کی وہ آیت جو قابل تاویل نہ ہو، بالکل ظاہر ہو۔
منطبق: برابر۔۔موافق۔۔اوپر تلے ٹھیک آنے والا۔
منفعت: نفع۔۔فائدہ۔۔حاصل۔۔یافت۔
منقطع: قطع کیا گیا۔۔علیحدہ کیا گیا۔
منکشف: کھلنے والا۔۔کھلا ہوا۔۔عیاں۔۔ظاہر۔۔آشکارا۔
مواثیق ﴿میثاق کی جمع﴾: معاہدے۔
مواخذہ: جواب طلبی۔۔گرفت۔۔بازپرس۔
موجب: واجب کرنے والا۔۔لازم کرنے والا۔
موضع: جگہ۔۔گاؤں۔
موعود: وعدہ کیا گیا۔
موقف: کھڑے ہونے کی جگہ۔۔ٹھہرنے کا مقام۔
موقوف: منسوخ کیا گیا۔
مہمل: بیہودہ۔۔فضول۔۔بے معنی۔۔لغو۔۔زائد۔
مہیب: خوفناک۔۔خطرناک۔۔ڈراؤنا۔۔بھیانک۔

-- ﴿ ن ﴾ --

نابکار: نکما۔۔بے فائدہ۔۔بیکار۔۔بدذات۔
ناراستی: ٹیڑھی۔۔جھوٹی۔
ناسازگار: مخالف۔۔ناموافق۔
ناصح: نصیحت کرنے والا۔۔صلاح کار۔
ناعاقبت اندیش: انجام نہ سوچنے والا۔۔انجام کی فکر نہ کرنے والا۔
نخاس: غلاموں کا بازار۔
نذارت: ڈرانا۔۔خوف دلانا۔
نسیاً منسیا: ذہن سے اترا ہوا۔۔بھولا ہوا۔۔فراموش شدہ۔
نفائس ﴿نفیس کی جمع﴾: نفیس چیزیں۔
نفائس علویات: آسمان کی اور بہشت کی نفیس چیزیں۔
نفقات: خرچ کی جانے والی رقم یا اشیاء۔
نکبت: افلاس۔۔بدحالی۔۔غربت۔
نکبت حرماں: نصیب کی غربت۔۔بدقسمتی۔
نور لقاء: دیدار کی روشنی۔

نوع: قسم۔۔جنس۔۔وضع۔۔شکل وصورت۔
نہتے: جس کے پاس ہتھیار نہ ہو۔۔خالی ہاتھ۔۔غیر مسلح۔

-- ﴿ و ﴾ --

واشگاف: ظاہر۔۔کھلا۔۔کسی بات کو کھول کر بیان کرنا۔
ورطہ: ہلاکت کا مقام۔۔پانی کا چکر۔۔گرداب۔
وعید: سزا دینے کی دھمکی۔ ﴿۲﴾۔۔سزا دینے کا وعدہ۔
وفورِ اقبال: عروج۔۔خوشحالی۔۔خوش قسمتی۔۔افراط۔۔بہتات۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہدف: نشانہ۔۔زد۔۔مار۔
ہزلیات ﴿ہزل کی جمع﴾: بیہودہ باتیں۔
ہزیمت: شکست۔۔ہار۔
ہواداری: خواہشمندی۔۔خیرخواہی۔۔دوست داری۔

-- ﴿ ی ﴾ --

یاس: ناامیدی۔۔مایوسی۔۔خوف۔۔دھڑکا۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،

'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔'

'مسئلہ قیام و سلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۲۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین و تصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالاتِ شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲ صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہء دعوت وتبلیغ' ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مزید براں ادارے کے اشاعتی پروگرام میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆---معارف القرآن کا گجراتی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ ترجمہ---☆

☆---معارف القرآن کا تفصیلی تقابلی جائزہ---☆

☆---مضامین معارف القرآن---☆

☆---تفسیر اشرفی کا گجراتی میں ترجمہ---☆

☆---حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیگر تصنیفات---☆

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد چہارم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔علاوہ ازیں ۔۔۔کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط
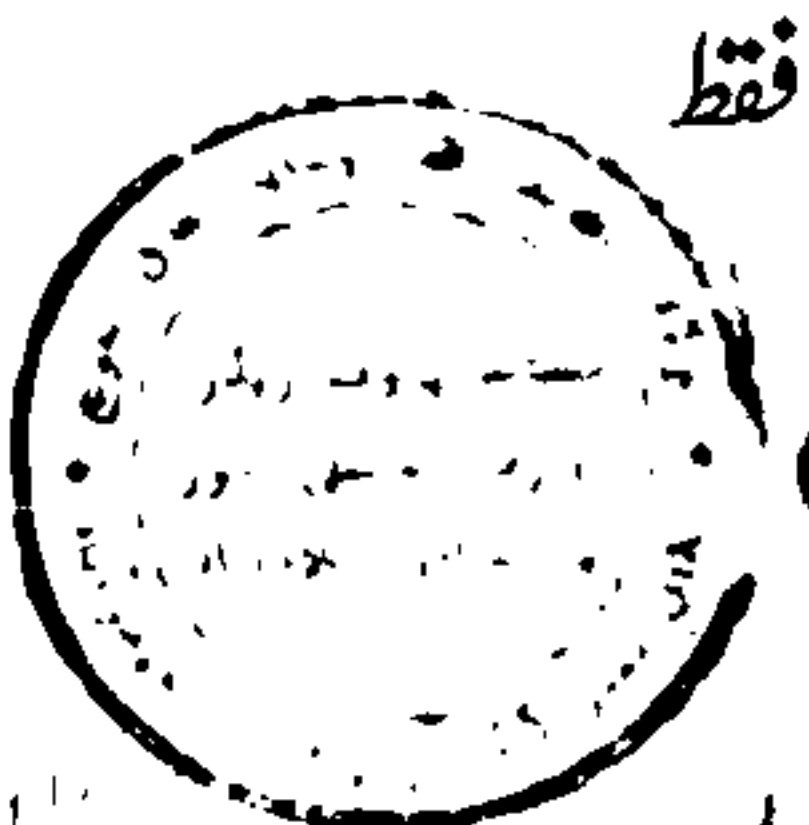
المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی